

اتقان الحج

على

تصريح السراجي

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا

تَقْلَمُوا
الْقُرْآنَ

www.KitaboSunnat.com

وراثت کے مسائل پر
طبیقہ کے آل علم کے شیلے ایک مفید کتاب

فصل فی فضل الحج
الشیخ محمد بن عبد الوہاب
مولوی فضل الرحمن الماشق القسیمی
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاشرقیہ، جہلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

إِغَانَةُ الْحَاجِّ عَلَى تَصْرِیحِ السِّرَاجِ

المَرْفُوعُ
مَسَائِلُ وَرِائَتْ

ورائت کے مسائل پر
ہر طبقہ کے اہل علم کے لیے ایک مفید کتاب

مجلد دوم
فَضِيلَةُ
الْشَيْخِ مُحَمَّدٍ يَعْقُوبَ بْنِ حَفْظَةَ اللَّهِ
بن
مولوی فضل الرحمن الهاشمي القشيري
شيخ الحديث بجامعة العلوم والأثرية، جهلم

www.KitaboSunnat.com

ناشر فضيلة احمد علي بن فاضل جامعة أم القرى أستاذ جامعت العلوم الأثرية
بمكة المكرمة

25315
1-21

جملہ حقوق محفوظ

اعانة الراعى على تصريح السراجى

تعداد 1000

فضيلة الشيخ پير محمد يعقوب صاحب مظلہ بن مولوى فضل الله السامى القرشى

شيخ الحديث جامعة العلوم الاثرية - جہلم پاکستان

فضيلة الشيخ احمد على بن على محمد - فاضل جامعہ ام القرى مکتبہ المکرمۃ

استاذ جامعة العلوم الاثرية جہلم پاکستان

القمر کپورنگ سنٹر - القمر منزل ڈارنریت ساندہ کلاں لاہور

حافظ محمد على فيصل وحافظ محمد عبدالصمد فاروق

رئيس الخطاطين عبدالرشيد قمر خطاط - لاہور القمر منزل ڈارنریت

ساندہ کلاں لاہور - فون وٹکس 7243742 - 7243686

رئيس الخطاطين عبدالرشيد قمر خطاط - لاہور

فون وٹکس 7243742 - 7243686

القمر پرنٹنگ انجنى 'حميد سنٹر' رائل پارک لاہور

چار صد

300 روپے

فاروقى كتب خانہ اردو بازار لاہور نعمانى كتب خانہ اردو بازار لاہور

سجاني كتب خانہ اردو بازار لاہور مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

بزرگ کے نام پر کتب خانوں سے طلب فرمائیے

المکتبۃ العلمانیۃ

... ..

2107

”الانساب“

ادعو الله راجيًا أن يجعل ثواب هذا العمل القليل
لى ولوالدى وللمومنين الى يوم الحساب الجليل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

صفحہ	عنوان
3	الامتناب
25	مقدمہ
29	علم الفرائض کی تعریف، موضوع اور غرض
30	تعریف الارث
30	اسباب الارث [قربابت حقیقیہ، نکاح اور ولاء]
30	تعریف الولاء، وحکم الولاء
31	ارکان الارث [موثر، وارث اور موروث]
31	شروط الارث [وفاۃ الموت، ثبوت حیاۃ الوارث عند وفات الموت اور علم بجمۃ القرابتہ وجمۃ الارث]
32	الفرق بین المحروم والمحبوب
35	مصنف السراجی کے حالات زندگی
39	فضیلۃ علم المیراث
39	الفرائض نصف العلم
40	اسلام میں عورت کا مقام فی المیراث
43	ترکہ میت سے متعلق حقوق اربعہ
43	تجین و تکفین، قرضہ کی ادائیگی اور اس میں فقہاء کا اختلاف، وصیت کی ادائیگی

صفحات	عنوان
45	◀ مانقی مال کی ورثاء میت میں تقسیم بالترتیب
48	◀ صاحب سراجی اور صاحب الموارث کے ہاں ورثاء اور ان کی ترتیب میں فرق
50	◀ تصریح علی الحقوق الاربعہ
52	◀ وصیت بالتبرعات و وصیت بالقرض، زمانہ صحت اور مرض کے دیون
56	◀ تنبیہات
	<u>فصل فی الموانع</u>
58	◀ اقسام الموانع [مانع عن المورثیۃ، مانع عن الوراثیۃ]
60	◀ بعض اہل علم کے ہاں موانع کی مزید تین اصناف
60	◀ تصریح علی الموانع
60	◀ الفرق بین المنع والحجب
62	◀ قتل عمد، قتل شبہہ بالعمد، قتل خطاء اور قتل باسبب کی وراثت میں اختلاف آئمہ
63	◀ قتل بالغاوت میں اختلاف
63	◀ مجنون نیز بچہ اگر کسی کو قتل کر دیں تو ان کی توریث میں آئمہ کا اختلاف
66	◀ کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟
66	◀ احناف اور شوافع کا تین طریق پر جواب
67	◀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تائید
68	◀ کیا مسلمان مرتد کا وارث ہو سکتا ہے؟
68	◀ کفار کا آپس میں ایک دوسرے کا وارث ہونا
70	◀ ملاحظات

صفحات	عنوان
	<u>باب معرفۃ الفروض و مستحقہا</u>
72	
74	◀ وراثت میں باپ کی تین حالتیں
76	◀ چار مسائل میں دادا باپ سے جدا حیثیت رکھتا ہے
77	◀ ماں کی طرف سے بہن بھائیوں کی تین حالتیں
78	◀ خاوند کی وراثت میں دو حالتیں
78	◀ تصریح
79	◀ اصحاب الفروض کی ترتیب میں تقدم و تاخر کی معقول وجہ
80	◀ فوائد
80	◀ اولاد الام کے بالاصل والفرع ساقط ہونے کی معقول وجہ
	<u>فصل فی النساء</u>
82	◀ زوجات (بیویوں) کی وراثت میں دو حالتیں
82	◀ حقیقی بیٹیوں کی تین حالتیں
83	◀ دو بیٹیوں کو ثلثان ملنے کی وجوہات ثلاثہ
85	◀ پوتیوں کی وراثت میں چھ حالتیں۔
86	◀ دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے کا اپنے درجہ کی پوتیوں کو عصبہ بنانے
	میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عام صحابہ سے اختلاف
88	◀ بعض متاخرین کے ہاں اسفل غلام اعلیٰ درجہ کی پوتیوں کو عصبہ نہیں
	بناتا اور اس کا جواب
89	◀ مسئلہ تشبیب
90	◀ تنبیہ
92	◀ عینی بہنوں کی وراثت میں پانچ حالتیں

صفحات	عنوان
92	﴿ فوائد ﴾
94	﴿ استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴾
94	﴿ جواب عن الاستدلال ﴾
96	﴿ حلائی بہنوں کی وراثت میں سات حالتیں ﴾
97	﴿ ملاحظہ ﴾
99	﴿ ماں کی وراثت میں تین حالتیں ﴾
99	﴿ ماں کے لئے دو بہن، بھائیوں کے حجب ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نظریہ ﴾
101	﴿ مذہب الزیدیۃ و تردید الزیدیۃ ﴾
104	﴿ اکثر صحابہ اور فقہاء کے ہاں، ماں کو احد الزوجین کے ساتھ باقی کا ثلث ملے گا، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں جمع مال کا ثلث ملے گا۔ ﴾
104	﴿ ابو اصرم کے ہاں مع الزوج ماں کو باقی کا ثلث اور مع الزوجۃ جمع کا ثلث ﴾
105	﴿ تردید الاصرم ﴾
108	﴿ جدات (دادیوں/نانیوں) کی وراثت میں دو حالتیں ہیں ﴾
109	﴿ ”تصریح“ ﴾
111	﴿ باپ کی موجودگی میں ام الاب (دادی) کے وارث ہونے میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم ﴾
112	﴿ اقرب الی المیت جدہ کا خواہ وہ کسی بھی جانب سے ہو، ابد کے لئے حجب ہونے میں آئمہ کا اختلاف ﴾
114	﴿ جدۃ ذات القرابتین وذات القرابات کی وضاحت باب العصبات ﴾

صفحات	عنوان
115	تعریف العصبۃ لغۃً واصطلاحاً
116	عصبات نسبۃ کی اقسام ثلاثہ
116	اعتراض وجواب
116	عصبۃ بنفسہ کی اقسام اربعہ
117	فرع کی اصل پر تقدیم کی وجہ
119	عصبۃ بغیرہ کی اصناف اربعہ
120	تعصیب الاخت مع الاخت
121	تعریف العصبۃ مع غیرہ
122	بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور حنفیہ کے ہاں مولیٰ العتاقۃ ذووا الارحام اور اصحاب الرد پر وراثت میں مقدم ہوگا، لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں موخر
125	عورت تین صورتوں کے علاوہ ولاء کی مالک نہیں۔
129	قربت کی انواع ثلاثہ
131	ملاحظہ
132	تصریح
132	عصبات کی وراثت کے دلائل
133	ملاحظہ
134	فوائد
134	صورة مسئلة القضاء
134	وجہ التسمیہ
135	ضابطہ
135	اعتراض وجواب

صفحات	عنوان
136	◀▶ شروط العصبۃ بالغیر ثلاثہ
136	◀▶ وجہ التسمیہ
137	◀▶ ملحوظہ
138	◀▶ عصبۃ بالغیر ومع الغیر میں فرق
138	◀▶ جہات مختلفہ سے وراثت - ”الوراثۃ من الجہات المختلفۃ“
	<u>باب الحجب</u>
140	◀▶ حجب کی تعریف لغوی اور اصطلاحی نیز اس کی اقسام
140	◀▶ حجب نقصان سے متاثر ہونے والے افراد
141	◀▶ حجب حرمان سے متاثر ہونے والے دو فریق
141	◀▶ فریق ثانی کے حجب کے دو ضابطے
144	◀▶ محروم کے حجب ہونے میں اختلاف
144	◀▶ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں محروم کے حجب ہونے کی دلیل
145	◀▶ محبوب بالاتفاق حجب ہے۔
146	◀▶ تصریح
147	◀▶ حجب حرمان اور حجب نقصان میں فرق
147	◀▶ ملاحظہ
149	◀▶ الاغ المبارک و وجہ التسمیہ
149	◀▶ الاغ المشتموم
149	◀▶ ملاحظہ
150	◀▶ المسالۃ المشترکہ
150	◀▶ اختلاف فی المسالۃ
151	◀▶ صورۃ المسئلہ علی المذاهب المختلفہ

صفحات	عنوان
151	◀ مسئلہ مذکورہ کی شرائط ثلاثہ
152	◀ ضابطہ اولیٰ و ثانیہ
152	◀ اصطلاحات
	<u>باب مخارج الفروض</u>
153	◀ مخارج اور فروض کا لغوی اور اصطلاحی معنی
153	◀ فروض مقدرة کی دو انواع
154	◀ فروض مقدرة کی انفرادی اور اجتماعی صورت میں مخارج کا تعین
158	◀ تصریح
158	◀ سبب الانواع
159	◀ تسمیۃ النوع الاول بالاول
159	◀ فروض کی تقسیم میں بھی پانچ ضوابط کی ضرورت پڑتی ہے۔
160	◀ حاصل کلام
160	◀ تنبیہ
161	◀ فروض ستہ میں سے ہر ایک کے ورثاء کی فہرست
161	◀ نصف کے مستحق
162	◀ ربع کے مستحق
162	◀ ملاحظہ
162	◀ ثمن کے مستحق
162	◀ ثلثان کے مستحق جو سبھی عورتوں میں سے ہیں۔
163	◀ ثلث کے مستحق
163	◀ ضابطہ
164	◀ ملاحظات

صفحات	عنوان
164	◀▶▶▶ عمریتان، غراوان، غراہتان، وتسمی غریمتان
165	◀▶▶▶ آراء الصحابة فی مسئلۃ العریۃ
165	◀▶▶▶ سدس کے مستحق
167	◀▶▶▶ ملاحظہ
	<u>باب العول</u>
168	◀▶▶▶ عول کا لغوی اور اصطلاحی معنی
168	◀▶▶▶ عول کا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیش آنا
170	◀▶▶▶ مجموع الخارج سبعة
170	◀▶▶▶ وجہ الحصر
171	◀▶▶▶ چار مخارج میں عول ممکن نہیں اور تین میں ممکن ہے۔
173	◀▶▶▶ مسئلہ شریکیہ، وتسمی بام الفروع
174	◀▶▶▶ مسئلہ دیناریہ
174	◀▶▶▶ مسئلہ منبریہ و وجہ تسمیتا
175	◀▶▶▶ تصریح
175	◀▶▶▶ حضرت ابن عباسؓ کا عول سے انکار اور ان کے ہاں مسئلہ عولیہ کا حل
178	◀▶▶▶ شبہۃ وازالۃ الشبہۃ
179	◀▶▶▶ فوائد
179	◀▶▶▶ تنبیہات اربعۃ
	<u>فصل فی معرفۃ التماثل والتوافق والتباين بين العددين</u>
181	◀▶▶▶ تعریف العدد
181	◀▶▶▶ تعریف التماثل

صفحہ	عنوان
181	« اعتراف و جواب
182	« تعریف التداخل
182	« ”تداخل العددين المختلفين“ میں عددین کو اختلاف سے مقید کرنے کی وجہ
184	« تعریف توافق العددين
185	« فائدہ
186	« تعریف التباين
186	« تفصیل
187	« تصریح
188	« تنبیہ تستعمل التوافق فی معینین
188	« وجہ ضبط النسب فی الاربعۃ - وجہ حصر
	باب التصحیح
190	« تصحیح کالغوی اور اصطلاحی معنی
190	« تصحیح کے سات قواعد وضوابط [پہلے تین کا تعلق ورثاء اور انکے حصص سے ہے جبکہ دوسرے چار کا تعلق ورثاء اور بعض دوسرے ورثاء کے روس سے ہے۔]
190	« قاعدہ اولیٰ
192	« قاعدہ ثانیہ
195	« قاعدہ ثالثہ
197	« وجہ الحصر
198	« دوسری قسم کے ضوابط میں سے اولیٰ
200	« ضابطہ ثانیہ

صفحہ	عنوان
202	ضابطہ ثالثہ
205	ضابطہ رابعہ
206	ان چار ضوابط میں چاروں نسبتیں معتبر ہیں جبکہ پہلی قسم کے تین ضوابط میں تداخل معتبر نہیں۔
207	تصریح
207	معرفۃ اصل المسئلہ
207	القسم الاول
207	القسم الثاني
208	القسم الثالث
209	کیفیتہ التصحیح
209	غرض من التصحیح
	فصل
210	تصحیح سے فریق کے افراد کا حصہ معلوم کرنے کے طرق ثلاثہ
211	طریق اول
212	طریق ثانی
212	تنبیہ
213	طریق ثالث
213	فائدہ
213	امثلۃ التوضیح التصحیح المسائل - مسائل کی تصحیح کی وضاحتی مثالیں
	فصل فی قسمۃ التزکات بین الورثۃ والغراء
219	تنبیہ
221	تنبیہ

صفحات	عنوان
221	تصحیح سے واحد وارث کا حصہ معلوم کرنے کا طریق
223	مکمل فریق کا حصہ معلوم کرنے کا طریق
223	ملاحظہ
225	ترکہ سے ہر قرض خواہ کے حصہ کی معرفت کا طریق
226	ملاحظہ
227	اگر ترکہ میں کسر ہو تو ترکہ اور عدد مسئلہ کو کسر کے مخرج کے مطابق بمیط کر لیا جائے گا۔
227	تنبیہ
228	توضیح
228	ملاحظہ
228	تصریح
228	تعریف المکرہ و تقسیمہا
228	ترکہ کی تقسیم کا طریق اول
230	طریق الثانی
231	الدیناریۃ الصغریٰ والکبریٰ وتسمی الاولیٰ بام الفروج، وام الارامل، وبالسبعۃ عشریۃ
233	صورة الثانیۃ - ای الکبریٰ
234	ملاحظہ
234	وجہ تسمیتہا
	<u>فصل فی التخرج</u>
235	تخرج کا لغوی اور اصطلاحی معنی
238	تصریح

صفحات	عنوان
238	❖ شروط التخرج
238	❖ ملاحظہ
	<u>باب الرد</u>
239	❖ رد کالغوی اور اصطلاحی معنی
239	❖ آئمہ کا اختلاف فی الرد
240	❖ حجۃ المانعین
240	❖ حجۃ الجوزین
242	❖ مسائل الرد ووجہ المحصر
244	❖ قسم اول
244	❖ قسم الثانی
245	❖ ملاحظہ
246	❖ تنبیہ
247	❖ قسم ثالث
248	❖ قسم رابع
249	❖ نتیجہ
252	❖ تنبیہ
253	❖ تصریح
253	❖ شروط الرد
254	❖ ملاحظہ
254	❖ حکم القسم الثالث
255	❖ حکم القسم الرابع
257	❖ تنبیہ

صفحات	عنوان
	<u>باب مقاسمۃ الجبد</u>
258	❖ اختلاف الصحابة والآئمة فی مقاسمۃ الجبد۔ صحابہ اور آئمہ کا اختلاف
258	❖ سبب الاختلاف
261	❖ مقاسمۃ کے مجوزین کے ہاں مسائل الجبد میں قدرے وقت ہے۔
262	❖ ملاحظہ
263	❖ تفسیر المقاسمۃ
263	❖ علاقۃ عینیوں کے ساتھ جد کو نقصان پہنچانے کی حد تک تو شریک ہیں لیکن حصہ سے محروم
268	❖ داوے اور بھائیوں کے ساتھ اصحاب الفروض میں سے کسی کے شریک ہونے کی صورت میں
268	❖ عند زید بن ثابت رضی اللہ عنہ الاخت لیست صاحبة فرض مع الجبد الا فی مسئلۃ الاکدریۃ
269	❖ تنبیہ
270	❖ اعتراض وجواب
270	❖ وجہ تسمیۃ
271	❖ ملاحظہ
272	❖ تصرع
273	❖ تحقیق الآئمة فی میراث الجبد مع الاخوة
278	❖ تنبیہات
	<u>باب المناخۃ</u>
280	❖ مناخۃ کے لغوی اور اصطلاحی معانی
282	❖ تصرع

صفحات	عنوان
282	◀▶▶▶ مناسخہ کی تین حالتیں
287	◀▶▶▶ نقشہ کی وضاحت
	<u>باب ذوی الارحام</u>
291	◀▶▶▶ ذو رحم کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
291	◀▶▶▶ ذو الارحام کی اقسام اربعہ
292	◀▶▶▶ ذو الارحام کی تقدیم و تاخیر میں امام ابو حنیفہ صاحب سے مختلف روایات میں تطبیق
	<u>فصل فی الصنف الاول</u>
295	◀▶▶▶ صنف اول کی حالات اربعہ - صنف اول کی چار حالتیں
296	◀▶▶▶ آخری دو حالتوں میں اختلاف صاحبین
297	◀▶▶▶ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اولاد البنات کے اصول مختلفہ میں پہلے ترکہ کی تقسیم ہوگی۔
297	◀▶▶▶ تصریح
301	◀▶▶▶ امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں تقسیم ترکہ میں صفت اصل کی اور تعداد فروع کی معتبر ہوگی
301	◀▶▶▶ تصریح
302	◀▶▶▶ ملاحظہ
	<u>فصل</u>
303	◀▶▶▶ الجہات معتبرۃ فی الفروع عند ابی یوسف و عند محمد رحمہما فی الاصول
303	◀▶▶▶ تصریح
	<u>فصل فی الصنف الثانی</u>
308	◀▶▶▶ تصریح

صفحات	عنوان
308	❖ صنف ثانی کے ورثاء ذیل کے ضابطہ کے مطابق ترکہ کے وارث ہوں گے۔
311	❖ خلاصہ
311	❖ ضابطہ
	فصل فی الصنف الثالث
312	❖ صنف ثالث دس قسم کے افراد پر مشتمل ہے۔
314	❖ تصریح
314	❖ ذووا الارحام کی برابری کی صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اعتبار اقویٰ فی القرابۃ کا ہوگا۔
317	❖ تصریح
319	❖ تصریح
321	❖ فصل فی الصنف الرابع
321	❖ یہ صنف بھی دس قسم کے افراد پر مشتمل ہے۔ چار من جت اللاب اور چھ من جت الام
	فصل فی الاولاهم
324	❖ صنف رابع کی آٹھ حالتیں
329	❖ امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں مسئلہ کی تسبیح 36 سے ہوگی۔
332	❖ دفع دفل مقدر
333	❖ التصریح علی الاقسام الاربعۃ
333	❖ ذووا الارحام کی توریث کے دلائل
333	❖ استدلال بالکتاب
334	❖ استدلال بالسنة

صفحات	عنوان
335	استدلال بالمعقول
335	مانعین توریث کی حجت کے وجوہات
336	اول اصل ضابطہ توریث
336	ثانی
336	ثالث
336	مذہب مختلفہ میں ترجیح
338	کیفیت توریث ذوی الارحام
338	اہل الرحم ووجہ تسمیتہم
338	ملاحظہ
339	اہل التنزیل ووجہ تسمیتہم
340	استدلال الترجیح
341	اہل القرابۃ
341	الفرق بین اہل التنزیل واہل القرابۃ
342	ملاحظہ
342	شروط التوریث
343	ملاحظہ
343	الاقسام المتعدده
343	خاتمہ
	فصل فی الخنثی
345	خنثی کا لغوی اور اصطلاحی معنی
347	اختلاف العلماء فی توریث الخنثی
347	مذہب الشافعیۃ

صفحہ	عنوان
347	➤ مذهب المالکیہ
347	➤ مذهب الاحناف
351	➤ تنبیہات
352	➤ تصریح بالامثلہ
	<u>فصل فی الحمل</u>
354	➤ اختلاف الآئمۃ فی مدۃ وضع الحمل
356	➤ اختلاف الآئمۃ فی حصۃ الموقوف للحمل
362	➤ مسائل حمل کی تصحیح میں ضابطہ
367	➤ تصریح
368	➤ لارث الحمل شرطان
369	➤ احوال البنین خمسۃ
372	➤ ملاحظہ
	<u>فصل فی المفقود</u>
374	➤ فقہاء کی اصطلاح میں مفقود کی تعریف
374	➤ حکم المفقود
375	➤ تصریح
376	➤ اختلاف الفقہاء فی مدۃ تحقق موت المفقود
376	➤ عند الاحناف
376	➤ عند المالکیہ
376	➤ عند الشافعیۃ
377	➤ عند الحنابلہ
378	➤ مفقود کی تورث میں دو حالتوں کا خیال ضروری ہے۔

صفحات	عنوان
379	❖ مفقود الخیر کے ساتھ دوسرے ورثاء تین حالات سے خالی نہیں
381	❖ اصل (ضابطہ) فی تصحیح مسائل المفقود
	<u>فصل فی المرتد</u>
384	❖ مرتد کے مال کی پوزیشن
387	❖ مرتد کے مال مکسوب کی پوزیشن
	<u>فصل فی الاسیر</u>
388	❖ تعریف الاسیر
388	❖ حکم الاسیر
	<u>فصل فی الغرقى والحرقي والهدى</u>
390	❖ قاعدہ لمیراث الغرقى والحرقي والهدى
393	❖ تجزیۃ الوراثت
393	❖ اصحاب الفروض
393	❖ العصبات
394	❖ ذووا الارحام کی اقسام
396	❖ حصص اصحاب الفروض
398	❖ حصص العصبات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم -- اما بعد!

صاحب تصریحات کے متعلق مختصر حالات

ن ب : محمد یعقوب بن مولوی فضل الہی صاحب بن علی احمد صاحب القرشی
الہاشمی

تعلیم : جامعہ محمدیہ چوک نیائیں، اوڈانوالہ حسین پور، ضلع فیصل آباد
اساتذہ عظام : مشہور اساتذہ کرام میں سے :

* جناب شیخ الشیوخ الحاج حافظ محمد صاحب گوندلوی، گوجرانوالہ۔
(تعلیمی دور کا اکثر حصہ ان کی خدمت میں گزرا)

* جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی۔

* جناب الحافظ محمد اسحاق صاحب۔ حسین خانوالہ ضلع لاہور۔

* جناب مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانوی۔

* جناب مولانا عبد الرحمن صاحب لکھوی۔ وغیرہم

ہمارے یہ اساتذہ اور شیوخ تعریف و توصیف سے بالا ہیں۔ ان کی جتنی
بھی صلاحیتوں کا ذکر کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور دیگر اساتذہ
مرحومین کو ان کی لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ
عنایت فرمائے۔ (آمین) جناب حافظ محمد اسحاق صاحب ابھی زندہ ہیں۔ دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور مزید زندگی عنایت فرمائے۔ (آمین)

ابتدائی تعلیم : حضرت مولانا عبد الجبار صاحب بن مولانا نور محمد صاحب آف جہلم سے

حاصل کی۔ مولانا عبد الجبار صاحب کو مناظر اسلام جناب مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم امرتسری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اور دونوں باپ بیٹا کا حضرت مولانا مرحوم ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے اٹھنا بیٹھنا کثرت سے تھا۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا رحم و کرم فرمائے۔ (آمین)

ازدواجی زندگی :

آباء اجداد : صرف اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب مرحوم، آباء اجداد سے محفوظ روایت سنایا کرتے تھے کہ ہمارا خاندان ارض حجاز سے ساحل بمبئی پر اترا۔ پھر وہاں سے راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان کے مضافات ”میانی“ میں، یہاں خاندان کا شغل پیری مریدی رہا۔ خاندان کا وہ حصہ جس سے ہمارا تعلق ہے سکھوں کے دور حکومت میں، سکھ حکمران کی بیماریوں کے کامیاب علاج پر ایک مربیعہ اراضی انعام میں ملنے پر جہلم کے مضافات ”چک دولت“ اور پھر وہاں سے ”چک حافظاں“ میں آباد ہوئے، جو اب تک بفضلہ آباد چلا آ رہا ہے۔

محمد یعقوب القرشی الهاشمی





﴿مقدمہ﴾

الحمد لله الذي خلق الانسان وعلمه البيان، وجعل له نسباً وصهراً من الاحسان، وبين له في كتابه ارض البيان، وصلى الله على رسوله الخاتم المبعوث الى الانام، وعلى آله واصحابه والذين اتبعوهم باحسان، وعلى ائمة المحدثين الذين سعوا في تبليغ دينه تحريراً وتحديثاً لتكون الوزن في الميزان، صلوة وسلاماً كثيراً كثيراً. أما بعد! فقد قال الله تعالى:

ولقد كرمنا بنى آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفصيلاً (سورة اسراء: ٧٠)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات، عقلمند، سوچ و بچار کا مالک، تمدنی زندگی کا خواہش مند پیدا کیا ہے۔ ان اوصاف کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے نفع و نقصان پر جبلت یا بعض دوسرے اسباب کی بنیاد پر نظر رکھے۔

انسان جبلت چاہتا ہے کہ اس کی اولاد، ماں باپ، بہن بھائی، اور خویش واقارب کسی بھی قسم کے نقصان سے دوچار نہ ہوں، بلکہ محفوظ رہیں، یہ نہیں چاہتا کہ اس کے اقارب چوری،

ڈاکہ زنی، آفات سماویہ اور اسی قسم کے دوسرے اسباب کا شکار ہوں۔ اگر وہ ان مصائب کا شکار ہوتے ہیں تو وہ خود حزن و ملال کا شکار ہو جاتا ہے اور ان کے محفوظ رہنے سے خوش و خرم رہتا ہے۔

اور پھر روز اول ہی سے انسان اپنی تمدنی زندگی اور خواہش کے باعث ایک دوسرے سے تالیف، زیارۃ اور موساسۃ خیر خواہی کو پسند کرتے چلا آ رہا ہے۔ لہذا اپنی جبلت اور ان اسباب اختیار کی وجہ سے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس کا مال و متاع، جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نیز نقود ضائع نہ ہونے پائیں بلکہ اقارب میں تقسیم ہو جائیں۔

اب اگر اس کی جائیداد کو اقارب میں بلا ضابطہ تقسیم کیا جائے تو بے انصافی کا امکان ہے جس سے فسادات کا جنم لینا کم از کم فسادات پر مبنی جذبات کا پیدا ہو جانا ایک یقینی امر ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت کو آیات وراثت:

(۱) ”يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ..... الخ“ (نساء: آیت ۱۱)

(۲) ”وَلِكُلِّ جَزَاءُ مِمَّا تَرَكَ..... الخ“ (نساء: آیت ۳۳)

(۳) ”يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ..... الخ“ (نساء: آیت ۱۷۶)

(۴) ”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ.....“ (احزاب: آیت ۶)

میں نازل فرما کر اس کا سد باب فرما دیا اور انسان کی جبلی خواہش اور اس کی نفسیات کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس کی جائیداد کو اس انداز میں تقسیم کیا جس سے اس کے دل و دماغ کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔

انسان چاہتا ہے ورثہ میں سب سے مقدم اس کی اولاد ہو لیکن ساتھ ہی اس کے والدین اور میاں بیوی بھی محروم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین اور میاں بیوی کا مناسب حصہ متعین کرنے کے بعد باقی جو اکثر احوال میں زیادہ ہوتا ہے اولاد کو عصباً دیا اور اولاد میں لڑکے کو نسبت لڑکی کے دو گنا جو انصاف کے تقاضے کے عین مطابق ہے کیونکہ لڑکے کی ذمہ داریوں کے مقابلے میں لڑکی کی ذمہ داری نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ ہی کوئی کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے طرز عمل کے خلاف اسے وراثت میں حصہ دار بنا دیا ورنہ جملاء تو اسے اس قابل ہی نہ سمجھتے تھے کہ اسے میت کے

مال سے کچھ دیا جائے کیونکہ نہ ہی تو وہ دشمن سے قبیلے کا دفاع کر سکے اور نہ ہی قبیلے کے کسی اہم کام میں کام آسکے۔ ان کے نزدیک تو وراثت میں حق کا معیار خاندان، قبیلے اور قوم کے اہم امور میں قوم کا ہاتھ بٹانا تھا اور بس۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس معیار کو معیار وراثت قرار نہیں دیا بلکہ میت کی قربت کو قرار دیا اور اقرباء میں سے بھی جو زیادہ اقرب المیت ہو گا وہ اولیٰ بالوراثت ہو گا۔

نیز صلہ رحمی کا بھی یہ تقاضا ہے کہ میت کے ورثاء اس کے مال و جائیداد سے محروم نہ رہیں بلکہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق ان میں میت کا مال تقسیم ہو۔

سابقہ آیات کے علاوہ بھی کچھ آیات میراث کے بارے قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے اجمالاً بلا تفصیل مسئلہ وراثت کا پتہ چلتا ہے اور جن سے مال میت میں اس کے اقرباء کے حق وراثت کی وضاحت ہوتی ہے۔ گو ان میں ورثاء کے حصص کی حد بندی اور مقدار کا ذکر نہیں لیکن ان آیات سے مسئلہ وراثت کی تائید ضرور ہوتی ہے اور ان کی تفصیل ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“ نیز ”ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد... الخ“ آیات سے ملتی ہے۔

تائیدی آیات:

(۱) ”للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیباً مفروضاً“ (النساء)

(۲) ”واولو الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ“ ان اللہ بکل شینیٰ علیم“ (انفال)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کمزور انسانوں، بچوں اور عورتوں سے ظلم و تعدی کو دور کرتے ہوئے، عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ان کے حقوق فی الوارثت کا اعلان فرمایا، جہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی تورث کو بیان فرمایا وہاں عورتوں کی تورث کا بھی اعلان فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے چھوٹے بڑے، مذکر مونث میں کوئی فرق نہیں بیان کیا، جیسے بڑے اور مذکر وارث تھے چھوٹے اور مونث بھی وارث، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، مورث (میت) کسی کو حق دینے میں راضی ہو یا نہ ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ نے بچوں اور عورتوں کو بھی مال میت میں وارث بنا کر ظلم و جور کا خاتمہ کر دیا۔

دوسری آیت سے اس حکم کا اشارہ ملتا ہے کہ میت کے مال کے حق دار اس کے قریبی

رشتہ دار ہیں نہ ایسے افراد جنہیں میت سے قرابت حاصل نہیں۔ خیال رہے شروع اسلام میں ہجرت اور مواخاۃ اسلامیہ کی بنیاد پر مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے وارث بنے، نیز حجۃ اللہ بحث ”الفرائض“ میں شاہ صاحب کے بیان کے مطابق:

”وكان اول ما نزل على النبي صلى الله عليه وسلم وجوب الوصية للاقربين

من غير تعيين ولا توقيت لان الناس احوالهم مختلفة فمنهم من ينصره احد

اخويه دون الاخر‘ ومنهم من ينصره والده دون ولده‘ وعلى هذا القياس“

”شروع اسلام میں قریب المرگ انسان کے لئے اپنی ضرورت کے مطابق مال

میں کمی بیشی کی تعیین و توقیت کے بغیر اقرباء کے لئے وصیت لازمی تھی۔ کیونکہ

ہر انسان کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی کوئی زیادہ محتاج اور کوئی کم“

زیادہ محتاج خدمت، ضرورت مند انسان کی حالت کا تقاضا یہ ہوتا کہ وہ ایک قریبی رشتہ

دار کے لئے بوجہ اس کی زیادہ خدمت اور اعانت کے اسے وصیت میں زیادہ حصہ دیتا۔ اور

غیر محتاج، اعانت سے مستغنی انسان کی حالت کا تقاضا محتاج کی حالت سے برعکس ہوتا، لہذا وہ

اس رشتہ دار کے لئے کم مال کی وصیت کرتا کوئی کسی کی کم خدمت کرتا اور کوئی زیادہ لہذا اللہ

تعالیٰ نے انسان کو اپنے مال کی تقسیم میں با اختیار چھوڑا۔ جیسے چاہے مصلحت کو پیش نظر

رکھتے ہوئے مال میں وصیت کرے کسی کے حق میں کم اور کسی کے حق میں زیادہ۔

یہ قدرتی بات ہے انسان زیادہ خدمت گار کو زیادہ ہی دینا پسند کرتا ہے۔ اور کم خدمت

گار کو کم۔ لہذا جو بھائی اور بیٹا زیادہ خدمت کرتا اسے دوسرے بھائی اور بیٹے کی نسبت زیادہ

حصہ وصیت میں دیتا۔ اور اگر اس کی وصیت میں گناہ یا زیادتی کی کوئی صورت ہوتی تو قاضی

اس کی وصیت میں اصلاح کر دیتا اور یہ حکم یوں جاری رہا۔

پھر اسلام کے مشرق و مغرب میں پھیل جانے پر مصلحت کا یہ تقاضا ہوا کہ میراث کی

تقسیم میں نہ ہی تو مالک کا کوئی اختیار ہو اور نہ ہی قضاۃ کو بلکہ اس کا اختیار عرب و عجم کی

عادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت کو حاصل ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے وراثت میں ورثاء کے

حصص متعین کرتے ہوئے صاحب مال اور قضاۃ کے تصرف کو ”واولو الارحام بعضهم اولیٰ

بعض فی کتاب اللہ من الموءمنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیائکم معروفاً“ سورۃ

احزاب کی آیت سے منسوخ قرار دے دیا۔

آیات وراثت کا نزول اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے جس سے ہر حق دار کو اس کا پورا حق ملا اور نوع انسانی میت کے مال کی تقسیم میں فسادات سے محفوظ ہو گئی۔ اسی لئے صحابہ نے علم الفرائض میں خوب دلچسپی لی۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فاعلم ان الفرائض كان جل علم الصحابة وعظيم مناظرتهم ولكن الناس

قد ضيعوه“ (تفسیر قرطبی جلد ۵/۵۶)

نیز اس علم سے صحابہ کی دلچسپی کا ایک اور سبب آیت الموارثت کا شان نزول اور زمانہ جاہلیت کا طرز عمل بھی ہو سکتا ہے۔

جملاء کے طرز عمل کا ذکر تو پیچھے گذر چکا ہے کہ وہ مال وراثت میں صنف نازک کو کوئی اہمیت نہ دیتے اور اس کا اثر کچھ دور اسلام میں بھی رہا حتیٰ کہ اس کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“ نازل فرمائی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غزوہ احد میں شہادت کے بعد ان کی بیوی نبی کریم ﷺ کے پاس یہ شکایت لے کر آئیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ سعد کی دو بیٹیاں ہیں جن کے چچا نے سعد کے تمام مال پر قبضہ کر لیا ہے اور بیٹیوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، آخر ان کے بیاہ شادی پر بھی تو مال کی ضرورت ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا ”یقضی اللہ فی ذالک“ (صحیح بخاری) تو پھر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں اس میں ایک طرف دلچسپی نہ لینے اور دوسری طرف لوگوں کو حرص بالمال کے باعث یہ علم مٹ نہ جائے لیکن بالآخر جیسا کہ علامہ قرطبی نے فرمایا لوگ اس علم کو ضائع کر بیٹھے۔

خیال رہے کہ کسی بھی علم کی معرفت کے لئے اس کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت سے معرفت ضروری ہوا کرتی ہے۔ جس سے علم کی صحیح شکل و صورت اور اس کے فوائد سامنے آجانے سے علم کے متعلق انسان کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا علم الفرائض کی تعریف، موضوع اور غرض مندرجہ ذیل ہوں گے:

تعریف علم الفرائض: ”هو علم ما يبحث فيه عن الورثة وحسابه“

موضوع: ”تركة الميت“

غرض: ”ابصال حصۃ الوارث الی الوارث التی هو يستحقها“

نیز تعریف الارث، اسباب الارث، ارکان الارث، شروط الارث اور ترکہ کی معرفت بھی علم المیراث میں کوئی کم اہمیت کے علمی معلومات نہیں لہذا ان کا ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہو گا۔

(۱) تعریف الارث: میراث لغۃً ”وَرِثَ يَرِثُ“ سے مصدر ہے جس کا لغوی معنی ”انتقال الشئی من ید الی ید“ ہے، خواہ شی کا تعلق مال سے ہو یا علم اور مجدد شرافت سے جیسے ”العلماء ورثة الانبیاء“ میں مراد علم کی وراثت ہے نہ کہ مال کی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت میں مال نہیں ہوتا۔

بہر حال ارث میں کسی شی کا انتقال ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف ہوتا ہے۔ اور اس کا اصطلاحی معنی ”انتقال الملكية من المیت الی ورثة الاحیاء“ ہے۔ یعنی میت کی کسی مملوکہ شی کی ملکیت کا اس کے زندہ ورثاء کی طرف منتقل ہوتا۔ خواہ شی مملوکہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ یا پھر کوئی حق شرعی جیسے ولاء کا ”انتقال الی الابن بعد وفات الاب“

(۲) اسباب الارث: وراثت کے اسباب تین ہیں جن میں سے کسی ایک کے پائے جانے پر ہی انسان مال میت کا وارث ہو سکتا ہے۔

(i) قرابت حقیقیہ: یعنی کسی کے نسب سے تعلق رکھنے والے انسان جیسے والدین، اولاد، بھائی اور چچے وغیرہم

(ii) نکاح: یعنی عقد زوجیت، نکاح صحیح قائم ”بین الزوجین ولو لم یحصل بعده دخول“ صحیح نکاح کا وجود خواہ زوج دخول سے قبل ہی وفات پا جائے۔

(iii) ولاء: اسے ”ولاء العتق“ اور ”ولاء النعمة“ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

تعریفها: ”ہی لحمة کلمۃ النسب وہی صلة ورابطة بین المعتق والمعتق“ یعنی ولاء معتق اور معتق کے درمیان ایک تعلق کا نام ہے جو غلام کی آزادی کے بعد قائم ہو جاتا ہے۔

حکمها: ”یرث بسببها للعتق اذا لم یکن للعبد المعتق وارث اصلاً“ یعنی اس تعلق کے باعث معتق، معتق کا وارث بن جاتا ہے جبکہ معتق کا کوئی اپنا وارث نہ ہو، نہ ہی قرابتاً اور نہ ہی زواجاً۔

(۳) ارکان الارث: ”وارکان الارث ثلثة“ یعنی کسی کو وارث قرار دینے کے لئے تین امور کا پایا جانا ضروری ہے:

(i) المورث: ”وهو المیت الذی یتستحق منه غیره الارث بعد الموت“ انسان کا وفات پا جانا جس کے بعد ہی کوئی دوسرا مستحق انسان اس کے ترکہ کا وارث بن سکے۔

(ii) الوارث: وارث مستحق کا موجود ہونا جو سابقہ اسباب ارث کی بنیاد پر وارث بن سکے۔

(iii) الموروث: ”هو الشیئی الذی یترکہ المیت“ یعنی وہ ترکہ جسے میت چھوڑ جائے۔ خیال رہے موروث کو ارث، تراث، میراث اور ترکہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں وراثت کے وہ ارکان ہیں جن میں سے اگر ایک بھی نہ پایا جائے تو انسان کسی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ تمام کے تمام پائے جانے سے ہی وارث مورث کے مال موروث کا اپنے حصہ کے مطابق وارث ہوتا ہے۔

(۴) شروط الارث: وراثت میں جیسے ارکان ثلاثہ کا تمامہ پایا جانا ضروری ہے ایسے ہی شروط ثلاثہ کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

(i) وفاة المورث حقيقةً او حکماً:

جب تک مورث بالفعل یا مفقود الخبر ہونے کی صورت میں قاضی کے حکم و فیصلہ سے میت متصور نہ ہو اس وقت تک اس کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاسکتا لہذا انسان کی حقیقی موت یا بالقرائن قاضی کا حکم بالموت تقسیم سے قبل پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان زندگی میں اپنے مال کا مالک اور اس میں متصرف ہوتا ہے لہذا کوئی دوسرا انسان اس کے مال میں متصرف نہیں ہو سکتا۔ ہاں وفات کے بعد انسان اپنے مال میں تصرف سے عاجز ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا ملک ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(ii) ثبوت حياة الوارث عند وفاة المورث:

چونکہ مورث کی موت کے بعد ہی اسکے ترکہ کا ملک وارث کی طرف منتقل ہو سکتا ہے لہذا مورث کی وفات کے وقت وارث کا زندہ ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی طرف بطریق الوراثت ترکہ کا ملک منتقل ہو سکے۔ نیز اگر وہ زندہ نہ ہو گا تو وہ مردہ ہو گا اور مردہ میں ملک کی اہلیت موجود نہیں ہوتی لہذا وہ وارث نہ ہو گا۔ اسی لئے اگر چند رشتہ دار اقارب اکٹھے کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کس نے پہلے اور کس نے بعد میں

وفات پائی ہے تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے اپنے زندہ ورثاء ہی وارث ہوں گے۔ یہ مسئلہ آگے "فصل فی العرقی والموتی والہدنی" میں بھی آ رہا ہے۔

(iii) العلم بجهة القرابة وبجهة الارث:

چونکہ قرابت کی جہات مختلف ہیں اور ان کے اختلاف کی بنیاد پر احکام وراثت بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا جہت قرابت کا علم بھی ضروری ہے۔ آیا وارث اور مورث میں جہت قرابت علاقہ زوجیت کی ہے، یا نسب اخوت و بنوت کی، یا پھر ولاء کی۔ نیز درجہ قرابت کا علم بھی ہونا چاہئے کیونکہ اس کے تفاوت سے بھی حکم میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ جیسے حقیقی، علاقائی اور اخیانی بھائیوں کے درجات مختلفہ کے باعث ان کی وراثت کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً اخیانی بالفرض وارث ہوتے ہیں جبکہ عینی بالتعصیب اور عینیوں کی موجودگی میں علاقائی محبوب، لیکن اخیانیوں کو شلث ملتا ہے۔

محبوب کے ذکر سے محبوب و محروم کے درمیان فرق کا بیان مناسب ہے:

"الفرق بین المحروم والمحجوب"

اگر انسان میں مانع من الارث کوئی ایسا سبب پایا جائے جو اسے وراثت سے روک دے تو اسے اصطلاح میراث میں محروم کہا جاتا ہے اور ایسا انسان دوسرے کی وراثت میں اثر انداز نہیں ہو سکتا اور اس کا وجود عدم برابر سمجھا جاتا ہے جیسے:

قاتل کا قتل اور اختلاف دین۔ اس سے قاتل اور کافر، مقتول اور مسلمان رشتہ دار کے ترکہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر انسان کسی دوسرے اقرب الی المیت یا اقوی انسان کے پائے جانے کے باعث وارث نہ ہو سکے تو اسے اصطلاح فن میں محبوب کہا جاتا ہے جیسے:

علاقائی بھائی، عینیوں کے نہ ہونے کی صورت میں میت کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں لیکن ان کی موجودگی میں لاوارث۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے:

محروم میں ذاتی طور پر کوئی ایسی وصف موجود ہوتی ہے جس سے وہ محروم عن الوراثة ہو جاتا ہے لیکن محبوب میں یہ صورت نہیں ہوتی بلکہ کوئی دوسرا اقرب یا اقوی انسان اس کے راستے میں حائل ہو تو وہ محبوب عن الوراثة ہو جاتا ہے اور کبھی محروم کا

اطلاقِ مجوب پر مجازا ہوتا ہے۔

تزک کی تقسیم چونکہ حساب سے تعلق رکھتی ہے اور اکثر متعلمین حساب سے دلچسپی نہیں لیتے لہذا میراث سے دلچسپی رکھنے والے بعض اصحاب کی دیرینہ استدعاء پر کتاب کے مسائل کی ایسی وضاحت کر دی گئی ہے جس سے اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے لیکن اس اعتراف کے ساتھ کہ سمو کا ہر انسان سے امکان ہے لہذا جناب کی کسی بھی سمو کی اطلاع پر ممنون ہوں گا۔

کتاب کے آخر میں وراثت کا تجزیہ ”تجزیۃ الوراثة“ کے عنوان سے پیش کر دیا گیا ہے جس سے ورثاء ان کے مرتبہ فی الوراثة کا تقدم تاخر اور ان کے حصص کا تھوڑی سی توجہ سے با آسانی علم ہو جاتا ہے۔

کتاب کی تصریحات میں ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کی مطبوع کتاب سامنے رہی۔

----- وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب -----

محمد یعقوب

بن

مولوی فضل الہی القرشی الهاشمی

جک حافظان من مضافات جہلم

شیخ الحدیث جامعہ علوم اثریہ جہلم



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حیات مصنف ”السراجی“

کتاب کا دوسرا نام فرائض السراجیہ ہے جو شیخ سراج الدین محمد بن محمود بن عبد الرشید سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

کتاب اپنے فن میں جامع اور ترتیب میں احسن ہے۔ انسان کی وفات سے پیدا ہونے والے مسائل تجبیز و تکلیفین سے لے کر قرض کی ادائیگی، وصیت پر عمل، ترکہ کی تقسیم میں اصحاب الفروض، عصبات اور ذووا الارحام تک کے ورثاء کی وراثت نیز بیت المال، حرق، غرق اور مفقود الخیر تک کا ذکر اس میں مفصل ملتا ہے اور جہاں کہیں کسی مسئلہ میں اختلاف ہے اس کی بھی نشان دہی موجود ہے۔

اس کی جامعیت اور حسن ترتیب کے باعث کافی اہل علم نے اس کی شروحات لکھیں۔ صاحب ”کشف الظنون“ کی تحقیق میں ۳۶ کے لگ بھگ اس کی شروحات لکھی گئیں۔ اور اس کی احادیث کی تخریج شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے کی جبکہ ترکی زبان میں اس کو شیخ عبد اللطیف بن حاجی احمد المتوفی ۸۷۴ھ نے نقل کیا۔

شیخ سراج الدین کے کوائف کے بارے میں تاریخ سائکت ہے ممکن ہے شیخ نے گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہوئے اخفاء اور عدم شہرت کو اچھا سمجھا ہو۔ تاہم کتاب کی شروحات سے جو ۶۵۸ھ تا ۱۰۶۳ھ تک لکھی گئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا تعلق ساتویں صدی کے نصف اول سے ہے۔

صاحب ”کشف الظنون“ نے شارحین میں ابو الحسن حیدرہ بن عمر الصنعانی کا ذکر بھی کیا ہے جن کا سن وفات ۳۵۸ھ ہے لیکن ان کے علاوہ باقی ماندہ تمام شارحین ساتویں صدی کے نصف اول سے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا قرین قیاس یہی ہے کہ شیخ سراج

الدین ساتویں صدی کے نصف اول یا اس سے بھی قدرے قبل ہوئے ہیں لیکن چوتھی صدی سے ان کا تعلق کمزور ہے۔

شیخ اسماعیل باشا بغدادی "اسماء المؤلفین و آثار المصنفین" میں لکھتے ہیں:

"السجائوندى محمد بن محمد بن عبد الرشيد المتوفى فى حدود سنة ست

مائة و قيل سنة سبع مائة" (جلد نمبر ۳)

یعنی شیخ سراج الدین سجاوندی کی وفات چھٹی صدی یا ساتویں صدی سے تعلق رکھتی ہے اور قرین قیاس بھی یہ ہی ہے کیونکہ اکثر شارحین کا زمانہ ساتویں صدی کے نصف ثانی سے شروع ہوتا ہے، اگر کتاب اس سے قبل زمانہ میں موجود ہوتی تو اس کی شروحات کا وجود بھی ساتویں صدی سے قبل ہوتا۔

خیال رہے صاحب "كشف الظنون" نے شیخ سراج الدین کے والد ماجد کا نام "محمود" نقل کیا ہے جبکہ شیخ اسماعیل نے "اسماء المؤلفین و آثار المصنفین" میں "محمد" ہو سکتا ہے یہ کسی کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہو یا پھر وہ دونوں ناموں سے مشہور ہوں۔ شیخ سراج الدین کی تصانیف جو شیخ اسماعیل باشا نے شمار کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) تجنیس فی الحساب (۲) رسالة فی الجبر والمقابلة
- (۳) فرائض السراجیة (۴) ذخائر نثار فی اخبار السید المختار ر
- (۵) عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی
- (۶) کتاب الوقف والابتداء



اعانة الرّاجى على تصریح السّراجى



المَعْرُوف به مَسَائِل وراثت



مصرّحه

مُحَمَّدُ يَعْقُوبُ

بن

مولوى فضل الهى القرشى الهاشمى

جک حافظان من مضافات جهلم

شيخ الحديث جامعه علوم اثريه جهلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين حمد الشاكرين والصلوة والسلام على خير البرية محمد وآله الطيبين الطاهرين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم

فضيلة علم الميراث نہایت اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے بعد مصنف علم الفرائض کی ضرورت اور فضیلت کو بیہقی کی مذکورہ روایت سے بیان کرتے ہیں جس سے اس کی اہمیت و فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ مکمل روایت یوں ہے:

”عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ تعلموا الفرائض وعلموها فانہ نصف العلم وانہ ینسی‘ وهو اول ما ینزع من امتی“
یعنی (علم میراث کو پڑھو اور پڑھاؤ کیونکہ یہ نصف علم کے برابر ہے اور اس کے بھول جانے کا خطرہ بھی ہے، بلکہ یہ پہلا علم ہو گا جو میری امت سے چھین جائے گا“

چونکہ اس کا تعلق مال میت سے ہے جس سے انسان کا لگاؤ اور محبت غلو کی حد تک ہوتا ہے اور جس کی تحصیل میں انسان ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتا ہے اور اس کا دل و دماغ چاہتا نہیں کہ مال و دولت ہاتھ سے جائے لہذا ایک وقت آئے گا جبکہ انسان کی تمام تر دلچسپی مال و دولت کے لالچ میں اس علم سے ختم ہو کر رہ جائے گی اور جب کسی علم سے دلچسپی ہی نہ رہے تو وہ علم باقی کیسے رہ سکتا ہے؟

جیسے آج وہ کتنے انسان ہیں جو بچیوں کو بخوشی ان کا شرعی حصہ دینے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ سرکاری قانون سے قبل ہر حیلے اور بہانے سے ان کو محروم رکھا جاتا لہذا، جائیداد اور مال کے بعض انسانوں کے ہاتھ میں چلے جانے کے خطرے کے باعث جن کے ہاتھ میں چلے جانے کو

انسان پسند نہیں کرتا۔ علم میراث سے دلچسپی کمزور پڑ جائے گی تو علم آہستہ آہستہ ختم ہو گا۔ ایسے ہی امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ذیل کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

”قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلموا الفرائض وعلموه الناس فاني مقبوض والعلم سيقبض ويظهر الفتن حتى يختلف اثنان في فريضة لا يجدان احدا يفصل بينهما“

آپ نے فرمایا: ”علم الميراث (حصص کی تقسیم) کو سیکھو اور آگے دوسروں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ اس دنیا سے میرا رخصت ہو جانا ایک یقینی امر ہے اور اس علم کے ختم ہو جانے، نیز فتنوں کے ظاہر ہونے کا امکان ہے حتیٰ کہ مسئلہ وراثت میں دو انسانوں کے اختلاف کو مٹانے کے لئے کوئی عالم میراث نہ ملے گا جو ان کے اختلاف کو بالعلم دور کر سکے“

ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت میں علم الميراث کو ”نصف العلم“ قرار دینے سے جہاں اس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے وہاں اس کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور دوسری روایت تو اس کی اہمیت میں بالکل واضح ہے۔

علم الميراث کو نصف علم قرار دینے کی وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ انسان کی دو حالتوں ”حالة الحياة وحالة الممات“ میں سے اس کا تعلق اس کی حالت ممات سے ہے لہذا اس کی دو حالتوں کے اعتبار سے یہ علم نصف علم ہی ہوا جبکہ دوسرے تمام علوم انسان کی دوسری حالت ”حياة“ سے تعلق رکھتے ہیں۔

نتیجتاً دوسرے تمام علوم نصف کے برابر اور علم الميراث اکیلا ہی نصف کے برابر اور اس کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ آپ کو اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اسلام سے قبل وراثت میں عورت کا کوئی مقام ہی نہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں عورت اس لئے وراثت سے محروم سمجھی جاتی کہ وہ قبیلے کی حمایت میں اس کے دشمن سے مدافعت نہ کر سکتی اور عرب یہ سمجھتے کہ:

”كيف نعطى المال من لا يركب فرسا ولا يحمل سيفاً ولا يقاتل عدواً

فكانوا يمنعونها من الارث كما يمنعون الوليد الصغير“ (الموارث: ۱۸)

”یعنی ہم اس ذات (عورت) کو مال وراثت کیسے دیں جو تلوار سے مسلح گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن سے مقابلہ نہیں کر سکتی“
آگے صاحب الموارث لکھتے ہیں:

”ومن هنا يعلم الباحث المنصف ان الشريعة الاسلامية جاءت والعرب تظلم النساء ولا تعطينهن من ميراث ازواجهن او ابائهن شيئاً فقررت الشريعة السمحة بهذه الآيات الكريمة لهن حَقٌّ في الميراث‘ ياخذنه بعزة وكرامة“
”یعنی ایک منصف مزاج انسان بخوبی پہچان سکتا ہے کہ عرب جملاء کا عورت پر کس قدر ظلم تھا کہ اسے اپنے خاوند اور آباؤ اجداد کی وراثت سے محروم رکھا جاتا لیکن یہ شریعت اسلامیہ ہی ہے جس نے وراثت کی آیات میں اسے وراثت کا پورا پورا حق دیا ہے اور آج وہ بڑی عزت و احترام سے اپنا حق وصول کر رہی ہے“

تو اس صورت حال سے عورت کو وراثت میں جو مقام حاصل ہوا اس سے علم المیراث کی فضیلت اور اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

یہ اسلام ہی کا قانون وراثت ہے جس نے عورت سے ظلم وعدوان کو دور کرتے ہوئے اسے وارث بنایا اور اس کا اپنی اپنی جگہ ایک مخصوص حصہ متعین فرمایا۔ لیکن آج بعض بد مزاج غلط فکر کے مالک انسان عورت کو اسلام سے گمراہ کرنے کے لئے یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ نسبت مرد کے کم رکھا ہے لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ مرد پر عورت کے مقابلے میں مصارف کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس کے پاس کچھ بچتا ہی نہیں، بخلاف عورت کے اسے جو کچھ بھی وراثت میں ملتا ہے وہ سبھی کا سبھی اس کے پاس محفوظ رہ سکتا ہے۔

ذرا غور فرمائیے بچے کو باپ کی جائیداد سے بچی کی نسبت دو گنا ملتا ہے لیکن بچے پر بیوی بچوں کے نان و نفقہ اور بیوی کے مہر کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے جبکہ بچی پر یہ کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ وہ خاوند سے نان و نفقہ کے ساتھ ساتھ مہر کو بھی وصول کرتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ بچے نے خواہ دو گنا ہی پایا لیکن مصارف میں صرف ہو گیا اور بچی نے بیشک اس سے نصف پایا لیکن ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث مصارف

سے محفوظ پایا لہذا ایسی فکر رکھنے والے انسانوں کا طرز عمل سادہ لوح عورت کو گمراہ کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔



قال علماءونا رحمهم الله تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة مرتبة
الاول: يبدء بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضى ديونه
من جميع مابقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين ثم
يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة واجماع الامة

وفات پا جانے والے انسان کے ترکہ سے مندرجہ ذیل چار حقوق بالترتیب تعلق رکھتے ہیں:
اولاً: سب سے پہلے میت کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بلا اسراف و تبذیر پورے کئے جائیں۔
خیال رہے کہ تجہیز سے مراد ہر وہ فعل ہے جس کی میت وقت وفات سے لے کر دفن تک
محتاج ہو۔ مثلاً غسل، کفن اور دفن کے اخراجات اور یہ اخراجات میت کی مالی پوزیشن کے
مختلف ہونے کے باعث مختلف ہوں گے، نیز مرد و زن کے اعتبار سے بھی مختلف۔
ثانیاً: میت کے قرضہ کی تجہیز و تکفین کے بعد باقی مال سے ادائیگی خواہ اس میں تمام مال
میت صرف ہو جائے لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

”نفس المومن معلقة بدينه حتى يقضى عنه“ (مسند امام احمد)

”یعنی مومن کا نفس دین سے نجات نہیں پاسکتا جب تک وہ ادا نہ کر دیا جائے یا
(صاحب دین سے معاف نہ کروا لیا جائے)“

خیال رہے دین سے مراد دین العباد ہے جس کا مطالبہ کرنے والا کوئی انسان ہو لیکن
اللہ تعالیٰ کا دین جس کا مطالبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس کی ادائیگی
احناف کے نزدیک ترکہ سے نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قرضے کی ادائیگی بھی ایک
عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت ان کے ہاں نیت و اختیار کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی اور میت
سے چونکہ نیت و اختیار ممکن نہیں لہذا اس سے قرضہ کی ادائیگی بھی ممکن نہیں۔

بہر حال ایسا انسان جس نے اللہ تعالیٰ کے قرضہ کو زندگی میں ادا نہیں کیا مثلاً زکوٰۃ،
کفارات اور نذور کو وہ عند اللہ گنہگار اور قابل مواخذہ ہے تاہم اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے
سپرد ہو گا چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے یا اپنے کرم و لطف سے معاف فرمادے۔
اور جمہور فقہاء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قرضے کی ادائیگی بھی ترکے سے ایسے ہی

واجب اور ضروری ہے جیسے دیون الناس کی خواہ میت وصیت بھی نہ کرے حتیٰ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ”يجب اخراجها قبل ديون العباد“ یعنی دین اللہ کو دیون الناس سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ اور مالکیہ کے ہاں ”بعد ديون العباد“ ”لوگوں کے قرضے کی ادائیگی کے بعد“ اور حنابلہ کے ہاں: ”تساوی ہی دیون العباد“ ”دونوں قرضوں کی حیثیت برابر ہے“ لہذا انسان کو اختیار ہے خواہ اللہ تعالیٰ کا قرضہ پہلے ادا کرے خواہ انسانوں کا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے قرضہ کی ادائیگی بھی ضروری اور لازمی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے دین و قرضہ کی ادائیگی کی انسان وصیت کر جائے تو پھر بلا اختلاف تمام آئمہ کے نزدیک اس کی ادائیگی ترکہ سے واجب ہے۔

ثالثاً: قرضہ کی ادائیگی کے بعد اگر مال بیچ جائے تو اس مابقی کے ثلث (ایک تہائی) سے وصیت کا نفاذ یعنی وصیت پر عمل کرنا۔ اور اگر وصیت ثلث سے زیادہ ہو تو اس کا زیادتی میں نفاذ و رثاء کی اجازت کے بغیر ناممکن ہو گا کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو آپ کا یہ ہی فرمان تھا: ”الثلث: والثلث كثير“ انک ان تذر ورثتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكفون الناس“ لہذا ثلث سے زیادہ میں وصیت نادرست ہوگی۔

زابعاً: تجنیز و تکفین، قرضے کی ادائیگی اور مابقی کے ثلث میں وصیت کے نفاذ کے بعد جو مال بچے گا اس کی تقسیم و رثاء میں کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق ایسے ہوگی جس کا ذکر آگے بالترتیب آ رہا ہے۔



”فیبدء باصحاب الفرائض‘ وهم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب اللہ تعالیٰ ثم بالعصبات من جهة النسب‘ والعصبة کل من یاخذ ما ابقتہ اصحاب الفرائض وعند الانفراد یحوز جمیع المال ثم بالعصبة من جهة السبب‘ وهو مولی العتاقة ثم عصبتہ علی الترتیب ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیه بقدر حقوقہم“

خیال رہے! کہ تمام ورثاء درجہ میں برابر نہیں بلکہ ان کے کچھ مراتب ہیں جن کے مطابق ان میں مال تقسیم ہوگا۔ لہذا:

اولاً: سب سے پہلے مقدم اصحاب الفروض ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے حصص کتب وسنت اور اجماع امت میں مقرر اور متعین ہیں۔

ثانیاً: عصبات نسبیه ہیں۔ ”والعاصب النسبی هو کل قریب یاخذ ما ابقتہ الفرائض ویحوز کل المال عند الانفراد“ ”عصبۃ نسبی“ ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جو اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے جانے کے بعد باقی کا مالک ہو اور اصحاب الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں تمام مال متروکہ کا مالک ہو۔ جیسے بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور چچا وغیرہ۔

ثالثاً: ”عصبۃ سببی“ ”وهو المعتقد رجلاً کان اوامراً“ یعنی جس کے ”عصبۃ“ ہونے کا کوئی خارجی سبب ہو جیسے مولی عتاقہ یعنی معیت جس نے کسی کو آزاد کیا ہو۔ اگر معیت کے اپنے ورثاء نہ ہوں تو اس کی جائیداد کا مالک بوجہ ”ولاء“ معیت ہوگا۔ لیکن اس کا فی زمانہ کوئی وجود نہیں۔

رابعاً: اور اگر مولی عتاقہ (معتق) موجود نہ ہو تو پھر اس (معتق) کے عصبات اسی ترتیب کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یعنی اولاً اس کا عصبۃ نسبی مالک ہوگا وہ نہیں تو پھر اس کا عصبۃ سببی۔

خامساً: ”الرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقہم“ ”عصبات نسبیه اور سببیه کے نہ ہونے پر باقی مال کو دوبارہ اصحاب الفروض پر ان کے حصص کے مطابق رد کیا جائے گا۔ مثلاً:

جب میت کے ورثاء میں والدہ اور حقیقی بہن ہو تو انہیں ثلث اور نصف مال میت سے دینے کے بعد جو سدس بچے گا اسے بھی والدہ اور بہن ہی پر لوٹا دیا جائے گا، لیکن ان کے حق کے مطابق، جس کی صورت یہ ہے:

باقی سدس یعنی چھ حصوں میں سے ایک حصہ (جو وراثہ کو دینے کے بعد بچ گیا) اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر کے تین بہن کو اور دو والدہ کو دے دیئے جائیں گے۔

”ثم الرد علی ذوالفروض النسبیة“ میں ”النسبیة“ کی قید سے پتہ چلتا ہے کہ ”رد“ کی صورت میں مال ان اصحاب الفروض کو ملے گا جو نسبی ہوں گے، نہ کہ جو اصحاب الفروض سببی ہوں گے، جیسے ”زوجین“۔ میاں بیوی۔ یہ اصحاب الفروض سے تو ہیں لیکن سببی لہذا رد میں ”زوجین“ شریک نہ ہوں گے۔

لیکن متاخرین حنفیہ کے نزدیک ”موضی لہ بجمیع المال“ کے بعد بیت المال کی بجائے مال زوجین پر رد کیا جائے گا، کیونکہ ان کے زمانہ میں بیت المال کا کوئی وجود نہ تھا، یا اگر تھا تو اس کی کوئی صورت شرعی نہ تھی۔



ثم ذوی الارحام ثم مولی الموالاة ثم المقر له بالنسب علی الغیر بحیث لم یثبت نسبه باقراره من ذلك الغیر اذا مات المقر علی اقراره

سادسًا: ”ثم ذوی الارحام“ سابقہ اقسام وراثہ کے نہ ہونے پر ”ذووا الارحام“ کا مقام ہو گا۔ ”ذو الرحم“ ہر اس انسان کو کہتے ہیں جو نہ ”ذو سهم“ ہو اور نہ ہی ”عصبہ“ ان کی تورث میں اختلاف ہے، احناف ان کی تورث کے قائل ہیں، جبکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما اس کے قائل نہیں، ان کے ہاں اصحاب الفروض اور عصبات کے نہ ہونے پر مال بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

اس مسئلہ کی تفصیل اور اقسام آگے باب ”ذوی الارحام“ میں آئے گی۔

سابعًا: ”مولی الموالاة“ ساتویں نمبر پر مولی موالات کو میت کا مال ملے گا۔ ”مولی موالات“ ہر اس انسان کو کہتے ہیں جسے مرنے والے نے اپنی زندگی میں ”انت مولای ترثنی اذا مت“ وتعتقل عنی اذا جنیت“ کہا ہو، یعنی میرے مرنے کے بعد تم میرے وارث ہو گئے اور کسی ”جنایت“ پر تم ہی نے میری طرف سے دیت بھی دینی ہو گی۔

خیال رہے ”توارث بالموالاة“ شروع زمانہ ہجرت میں تو تھا لیکن بعد میں ”والوا الارحام بعضهم اولی ببعض“^(۱) کے نازل ہونے پر منسوخ ہو گیا۔

ثامنًا: آٹھویں نمبر پر ”مقر له بالنسب علی الغیر“ کا درجہ ہو گا۔ یعنی ایسا انسان جس کے لئے نسب علی الغیر کا میت نے زندگی میں اقرار کیا ہو۔

جیسے کسی اجنبی غیر معروف کو یوں کہنا..... ”هذا اخي او عمی“ یہ میرا بھائی ہے، یا چچا، تو بھائی کہنے میں اس اجنبی کا کہنے والے کے باپ سے نسب کا اقرار ہوا، جبکہ چچا کہنے سے اس کے دادا سے نسب کا اقرار ہوا، کیونکہ معنی ”هذا اخي“ کا یہی تو ہے ”هذا ابن ابی“

تو ایسی صورت میں اقرار کرنے والے میت انسان کی جائیداد کا وہ انسان جس کے حق میں اس نے اقرار کیا ہے وارث ہو جائے گا، لیکن جیسا کہ ذکر ہوا ہے، آٹھویں درجہ پر۔

(۱) سورة الانفال من الآية: ۷۵)

ثم الموصیٰ له بجميع المال، ثم بیت المال

خیال رہے! اس توریت کے لئے چار قیود ہیں، جن کے پائے جانے کے بغیر "مقرلہ" وارث نہ ہو سکے گا اور وہ یہ ہیں:

(۱) "ان یكون المقرله مجهول النسب" یعنی جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے وہ مجهول النسب انسان ہو، یعنی اس کا نسب نامہ کوئی نہ پہچانتا ہو۔

(۲) "ان یكون الاقارب بنسبه من المقر متضمنا بنسبه علی الغیر" یعنی مقرر جس انسان کی نسب کا اقرار کر رہا ہے اس کا نسب غیر سے ثابت ہو رہا ہو، نہ کہ مقرر سے، جیسے کہ "هَذَا اخي" کی صورت میں۔

(۳) "ان یكون ذلک الاقارب بحیث لا یثبت به نسب من ذلک الغیر اذا لم یصدقہ الغیر" یعنی صرف "مقرر" کے اقرار سے ہی "مقرلہ" کا نسب نامہ غیر سے ثابت نہ ہو جب تک "غیر" اس کے نسب کا اقرار نہ کرے۔

(۴) "ان یموت المقر علی اقاربه" یعنی اقرار کرنے والا موت تک اپنے اقرار پر قائم رہے۔

یہ وہ چار قیود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی مقرر کی جائیداد سے مقرلہ وارث ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر وراثت ممکن نہیں۔

تاسعاً: "ثم الموصیٰ له بجميع المال" پھر آٹھویں قسم کے ورثاء کے عدم میں اس انسان کا حق ہو گا جس کے لئے مرنے والا اپنے جمیع مال کی وصیت کر گیا ہو۔

عاشراً: "ثم بیت المال" سب سے آخر میں اگر سابقہ نو اقسام میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر "بیت المال" مالک ہو گا۔

خیال رہے اگر عصبۃ سببی (مولى العتاقة) اور اس کے عصبۃ کو ایک شمار کیا جائے تو پھر اقسام نو (۹) ہوں گی ورنہ دس (۱۰)۔

صاحب السراجی نے ورثاء کی جو فہرست علی الترتیب پیش کی ہے صاحب موارث نے اس سے قدرے مختلف بیان کی ہے۔ دونوں کو ذرا ایک نظر ملاحظہ فرمائیے:

مصنف سراجی اور صاحب موارث کے ہاں ورثاء اور ان کی ترتیب میں فرق

صاحب السراجی	صاحب الموارث
۱. اصحاب الفروض	۱. اصحاب الفروض
۲. عصبیات نسبیہ	۲. عصبیات نسبیہ
۳. عصبۃ سببی مولی العتاقہ (معتق)	۳. رد علی ذوی الفرض
۴. عصبۃ مولی العتاقہ	۴. ذووالارحام
۵. رد علی ذوی الفروض (بلا زوجین)	۵. رد علی احد الزوجین
۶. ذووالارحام	۶. عاصب سببی
۷. مولی موالاة	۷. موضی له بما زاد علی الثلث ولو
۸. مقرر له بالنسب علی الغیر	۸. بیت المال
۹. موضی له بجمیع المال	۹. بیت المال
۱۰. بیت المال	

صاحب سراجی وراثت میں مقررہ بالنسب، علی الغیر کو بیان کرتے ہیں جبکہ صاحب الموارث اس کا ذکر نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے وراثت میں شمار نہیں کرتے۔ ایسے ہی مولی موالاة کا بھی صاحب سراجی ذکر کرتے ہیں لیکن ان کی توریث بالاتفاق ”و اولوالارحام بعضهم اولی بعض“ (الانفال: ۷۵) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ لہذا اس کا ذکر وراثت میں مناسب نہیں۔ اسی لئے صاحب الموارث نے اس کا بھی ذکر نہیں کیا۔

ہاں صاحب الموارث پانچویں نمبر پر ”رد علی الزوجین“ میں زوجین کو حق دار سمجھتے ہیں جبکہ صاحب سراجی انہیں حق دار (وارث) نہیں سمجھتے۔ باقی ترتیب دونوں کی ایک جیسی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صاحب سراجی عصبۃ سببی کو تیسرے درجہ پر سمجھتے ہیں جبکہ صاحب الموارث چھٹے درجہ پر

”رد علی الزوجین“ کو ذکر کرنے اور عاصب سببی (معتق) کو چھٹے درجہ پر بیان کرنے میں صاحب الموارث کی رائے وزنی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ موضی له بجمیع المال اور بیت المال سے زوجان بہر حال بہتر ہیں کیونکہ موضی له بجمیع المال کا رشتہ دار ہونا ضروری

نہیں۔ وہ غیر بھی ہو سکتا ہے اور بیت المال سے تو رشتہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
ایسے ہی عاصب سببی (معق) بھی ذووا الفروض فی الرد، احد الزوجین اور ذووا الارحام
سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا مقام چھٹا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ان ورثاء کا تعلق میت سے
رشتے کا ہے جبکہ عاصب سببی کا ایسا تعلق ضروری نہیں۔ وہ غیر رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔
”تصریح“

اہل علم کے ہاں وفات پا جانے والے انسان کے ترکہ میں بالترتیب یوں عمل ہو گا۔
أَوَّلًا..... میت کی تجیز و تکفین جس میں نہ اسراف سے کام لیا جائے اور نہ کمی سے۔ یعنی جس
حیثیت کا انسان مالک ہو اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ اچھی حیثیت کا ہو، تو اچھی تجیز
و تکفین اور کمزور حیثیت کا مالک ہو، تو ادنیٰ مناسب اور اگر میانہ حیثیت کا ہے تو میانہ۔
مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے جس میں ایک خرقة، اگر یہ
میانہ قیمت کے ہوں تو پھر یہ میانہ کفن ہو گا۔

خیال رہے! ”تجیز“ سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی میت کو ضرورت ہو سکتی ہے۔
حتیٰ کہ قبر اور سواری کے اخراجات بھی اس میں داخل ہوں گے۔ بعض اہل علم کے خیال
میں مرد کو ایسے قیمتی کپڑے میں کفن دینا چاہئے جس قسم کا وہ جمعہ اور عید میں استعمال کیا
کرتا، اور عورت کو ایسے کپڑے میں جو وہ اپنے والدین کی زیارت و ملاقات میں استعمال کیا
کرتی۔

حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس قسم کے کپڑے میں انسان کو کفن دینا چاہئے جسے
وہ اپنی زندگی کے اکثر اوقات میں استعمال کیا کرتا۔

اور اگر میت مدیون ہو تو پھر اسے اہل علم کے ہاں ادنیٰ کفن دیا جانا چاہئے اور وہ مرد
کے لئے دو کپڑے اور عورت کے لئے تین کپڑے ہیں تاکہ غرباء کے لئے کچھ نہ کچھ ترکہ
سے بچ جائے، اور ایسی صورت میں غرباء کو قیمتی تکفین پر اعتراض کا بھی حق حاصل ہے۔
اور اگر میت مفلوک الحال ہے تو پھر اس کی تجیز و تکفین کی ذمہ داری اس انسان پر
ہو گی جو اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہو گا۔ خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت غنی ہو یا فقیر ہر حالت میں اس کی تجیز کی ذمہ
داری خاوند پر ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موت سے علاقہ زوجیت منقطع ہو جانے کے

باعث وہ بری الذمہ ہے۔ احناف کے ہاں مفتی بہ قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اگر نادار میت کے نفقہ کا ذمہ دار انسان بھی موجود نہ ہو، یا ہو لیکن وہ بھی فقیر اور محتاج ہو، تو ایسی صورت میں اس کی تجبیز و تکفین بذمہ بیت المال ہوگی۔ لیکن ان دنوں جبکہ بیت المال کا کوئی انتظام و انصرام نہیں، اس کی ذمہ داری حکومت وقت یا پھر اہل محلہ، اہل قریہ پر ہوگی۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! بعض ایسے حقوق جن کا تعلق میت کے مال سے اس کے ترکہ بننے سے پہلے ہو وہ امام رضی الدین کے ہاں تجبیز و تکفین پر مقدم ہوں گے۔ لہذا تجبیز و تکفین کی ابتداء علی الاطلاق نہ ہوگی بلکہ اضافی ہوگی، جیسے وہ دین جس کا تعلق میت کی کسی شی مرہون سے ہو بشرطیکہ میت کے لئے اس شی مرہون کے علاوہ کوئی دوسری شی موجود نہ ہو۔ یہ ہی حال میت کے غلام کی جنایت کی دیت کا ہے جس نے مولیٰ (میت) کی زندگی میں جنایت کی ہو اور میت کا کوئی اور مال غلام کے علاوہ نہ ہو۔

میع محبوب بالثمن جبکہ مشتری اس کی قیمت کی ادائیگی سے قبل وفات پاجائے اور غلام مازون مدیون جبکہ اس کا مولیٰ وفات پاجائے اور اس کے ترکہ میں غلام کے علاوہ کوئی اور شی نہ ہو۔

یہ دین اور حقوق کی وہ صورتیں ہیں جو امام رضی الدین کے ہاں میت کی تجبیز و تکفین پر مقدم ہیں، کیونکہ ان کے ہاں یہ حقوق میت کے مال کے ترکہ بننے سے پہلے اس کی زندگی میں اس سے متعلق تھے۔ یعنی مال تو ترکہ اس وقت بنتا ہے جب انسان وفات پاجاتا ہے اور یہ حقوق اس کی زندگی میں اس کے مال سے متعلق تھے۔ لہذا ان کا تعلق ترکہ سے نہ ہوگا بلکہ ترکہ کے ترکہ بننے سے قبل ہوگا۔ لہذا ان کی ادائیگی ترکہ میں کسی قسم کے تصرف سے قبل حتیٰ کہ تجبیز و تکفین سے بھی قبل ہوگی، کیونکہ وہ اشیاء جن سے غراء کے دین کا تعلق ہے وہ متعین اور موجود ہیں لہذا ان پر حق غراء کا ہی مقدم ہونا چاہئے۔ نتیجتاً یوں سمجھئے کہ میت اس مذکورہ صورت میں اشیاء مذکورہ کی قیمت ادا نہ کرنے کے باعث ان کی مالک ہی نہیں تو پھر ان اشیاء سے اس کی تجبیز و تکفین کیسے ہو سکتی ہے؟

ثانیاً: تجبیز و تکفین کے بعد جو مال بچے اس میں سے غراء کے دیون ادا ہوں گے، تجبیز سے

قضاء دین کی تاخیر کی معقول وجہ یہ ہے کہ کفن میت کے لئے وہ مقام رکھتا ہے جو لباس زندہ انسان کے لئے۔ لہذا جیسے زندہ کا لباس دین پر مقدم ہے تیے میت کا کفن دین پر مقدم ہے۔ اسی لئے زندہ انسان کے لباس کو دین کی ادائیگی میں فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ وہ قادر علی الکسب ہی کیوں نہ ہو۔

اور دین کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہوگی اگرچہ اس کا ذکر وصیت کے ذکر سے کتاب اللہ میں موخر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بدء بالدين قبل الوصية“ اترمذی ابن

ماجة)

گو دین عملاً وصیت پر مقدم ہے لیکن آیت میں وصیت کی تقدیم کا عقلاً نکتہ یہ ہے کہ وصیت کا حصول بلا عوض ایسے ہی ہے، جیسے میراث کا۔ لہذا اس پر عمل و رضاء کے لئے شاق گذرتا ہے، جو تفریط کا مظنہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اسے دین پر ذکر میں مقدم لاکر اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائی ہے اور اس بات پر تیسرہ فرمائی ہے کہ اس کی ادائیگی وجوب اور مسارعہ میں دین سے کم نہیں۔ بخلاف دین کے جس سے و رضاء مطمئن ہوتے ہیں اور اس کی ادائیگی میں بھی قلباً کوئی رکاوٹ نہیں پاتے کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ مورث نے اپنی کسی ضرورت میں غراء سے دین لیا ہوا ہے۔

نیز وصیت دو صورتوں سے خالی نہیں وصیت بالتبرعات یا بالفروض تبرعات کی صورت میں اگر ترکہ وصیت اور دین کے لئے کافی ہو تو فیہا ونعمت، نہیں تو دین کی ادائیگی مقدم ہوگی۔ کیونکہ دین کی ادائیگی فرض ہے جبکہ وصیت مذکورہ کی ادائیگی تطوع اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض تطوع سے اقویٰ ہے، اور اگر وصیت بالفرض ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جیسے نماز، صیام، حج، نذر اور کفارہ تو اس صورت میں بھی دین العباد کی ادائیگی اس وصیت پر مقدم ہوگی اگرچہ یہ دین اور وصیت فرضیت میں برابر ہیں کیونکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں انسان پر جبر ہو سکتا ہے جبکہ حقوق اللہ میں نہیں۔ لہذا دین العباد اس وصیت سے اقویٰ ہو گا۔

اگر وصیت بالفرض کا تعلق زکوٰۃ سے ہو، تو اجبار میں دین العباد اور زکوٰۃ کی ادائیگی اگرچہ برابر ہیں لیکن پھر بھی دین العباد اس لئے اقویٰ ہے کہ قاضی جب مدیون کے مال میں

کوئی ایسی چیز پائے جو دین کے ہم جنس ہو تو اسے وہ مالک کی رضا مندی کے بغیر بھی لے کر غریم کو دے سکتا ہے، جبکہ قاضی اور حاکم کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔
نیز جب اللہ تعالیٰ کا حق اور کسی انسان کا حق ایک چیز میں جمع ہو جائیں اور وہ چیز دونوں حقوق کی ادائیگی میں وافی نہ ہو تو حقوق العباد کو مقدم سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ انسان محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ محتاج نہیں بلکہ وہ مستغنی ہے۔

”تقدیم الدین علی الوصیۃ“ کی وجوہات کے بیان کے بعد قضاء دین کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ اگر دین دین العباد سے ہو اور تجبیز و تکفین کے بعد مال اتانچ جائے کہ وہ دین کی ادائیگی کے لئے وافی ہو تو فیہا ونعمت مکمل دین ادا کر دیا جائے۔

بصورت دیگر اگر مابقی مال دین کے لئے وافی نہ ہو اور غریم بھی ایک ہی ہو تو مابقی تمام اسے ادا کر دیا جائے گا اور جو دین میں سے باقی رہ جائے گا وہ غریم کی مرضی پر منحصر ہو گا۔ چاہے میت کو معاف کر دے یا الی دار الجزاء خاموش رہے۔

اگر غرماء زیادہ ہوں تو مابقی غیر وافی مال کو غرماء میں ان کے قرضہ کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ خواہ ان کا دین میت کے زمانہ صحت سے متعلق ہو جو بالبیئۃ یا بالاقرار ثابت ہو، یا زمانہ مرض سے، جو میت کے زمانہ مرض میں اس کے اقرار سے ثابت ہو۔

اگر میت پر زمانہ صحت اور مرض کے دونوں قرض لازم ہوں، تو زمانہ صحت کے دیون بوجہ اقویٰ ہونے کے زمانہ مرض کے دیون سے مقدم ہوں گے۔ کیونکہ زمانہ مرض کا اقرار بالبدین زمانہ صحت کے اقرار بالبدین سے کمزور ہے جس کا ثبوت زمانہ مرض میں مریض کو ثلث مال سے زیادہ میں تصرف سے مجبور قرار دینے سے ملتا ہے۔

اور جب کوئی مریض اپنے زمانہ مرض میں کسی ایسے دین کا اقرار کرے جس کا ثبوت کسی ایسی شے سے مل رہا ہے جو مریض کے ملک میں ہو یا اسے وہ ہلاک کر چکا ہو تو ایسا دین بھی دین صحت کے حکم میں ہو گا۔ کیونکہ اس کا ثبوت اس کے اقرار کے علاوہ بھی شے کے معائنہ سے مل رہا ہے۔

اور اگر دین کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو بلکہ حقوق اللہ سے ہو جیسے نماز، حج وغیرہ تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر اس کی ادائیگی کے لئے وصیت کر گیا ہے تو اسے حقوق العباد (اگر ہوں) کی ادائیگی

کے بعد باقی کے ثلث مال سے عند الحنفیہ ادا کر دیا جائے، جیسے اگر کسی سے نمازیں رہ جائیں تو ہر نماز کے بدلے نصف صاع گندم کا کسی فقیر کو دیا جائے اور ایسے ہی کسی مسافر کا روزہ رہ جائے اور قضاء کے بغیر وہ وفات پا جائے تو میت کی وصیت کے مطابق نصف صاع گندم کا ہر روزہ کے بدلے محتاج کو دیا جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مسافر کے روزوں کے بدلے جب متمکن ہونے کے باوجود وہ روزہ نہ رکھ سکے، ولی روزے رکھے جس کی دلیل یہ ہے:

”انه يستلّ لما سئل عن ذلك قال ان مات قبل ان يطبق الصوم فلا شئ عليه وان اطاعه ولم يصم فليقض عنه“

امام شافعی رحمہ اللہ ”فليقض عنه“ سے مراد وارث کی قضاء ہے جو روزہ رکھنے سے ہوگی۔ اور احناف کے نزدیک قضاء سے مراد قضاء بالا طعام ہے جس کی دلیل ان کے ہاں ایک مرفوع روایت ہے جس کے الفاظ ہیں ”لا يصوم احد عن احد ولا يصلي احد عن احد“ لیکن امام زیلعی نے ”نصب الراية“ میں اور علامہ عینی نے ”بنایة“ میں اسے غریب قرار دیا ہے۔

نیز وہ یہ کہتے ہیں کہ شیخ فانی کے حق میں جب فدیہ روزہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے تو ایسے انسان کے حق میں بھی اطعام روزہ کے قائم مقام کیوں نہ ہوگا؟ لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ شیخ فانی تو مطیق نہیں، بخلاف مسئلہ مذکور کے جس میں انسان مطیق ہے اور اس کے باوجود وہ روزہ رکھنے سے قاصر رہا۔

(۲) اور اگر میت حقوق اللہ کے بارے میں وصیت نہ کرے تو پھر ان کی ادائیگی عند الحنفیہ ورثاء پر واجب نہ ہوگی۔ ہاں مستحب ہوگی۔

ثالثاً: میت کے دین کی ادائیگی کے بعد باقی مال کے ثلث، سے اس کی وصیت کو ادا کیا جائے گا نہ کہ جمع مال کے ثلث سے کیونکہ تجبیز و تکفین اور قضاء دیون تو میت کی ایسی ضرورتیں ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ لہذا یوں سمجھئے کہ باقی مال ہی میت کا مال ہے جس کے ثلث میں وہ تصرف کر سکتا ہے۔

نیز اگر اسے جمع کے ثلث میں تصرف بالوصیت کا حق حاصل ہوتا تو پھر ممکن ہے۔ جمع کا ثلث تجبیز و تکفین اور قضاء دیون کے بعد باقی جمع کو اپنے ضمن میں لے لیتا اور ورثاء کے

لئے کچھ بھی نہ بچتا جس سے وہ بالکل محروم رہ جاتے۔ لہذا، انہیں محرومیت سے بچانے کے لئے شریعت نے باقی کے ثلث میں وصایا کے تصرف کی اجازت دی۔
 متن کی عبارت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دین کی ادائیگی کے بعد باقی کے ثلث میں وصیت کا نفاذ ارث پر مقدم ہو گا کیونکہ تنفیذ وصایا کا ذکر ارث سے قبل اسی پر دال ہے۔
 خواہ وصیت مطلقہ ہو یا معینہ۔ سید شریف رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔
 بعض اہل علم کے ہاں اس میں قدرے تفصیل ہے۔

اگر وصیت معینہ ہوگی، تو وہ ارث پر مقدم ہوگی، اور اگر مطلقہ ہوگی بایں طور کہ میت ثلث مال یا ربع مال سے وصیت کر جائے تو اس صورت میں موسیٰ لہ دوسرے ورثاء کے ساتھ وراثت میں شریک ہو گا، اور اسے تقدم حاصل نہ ہو گا۔ دین کی ادائیگی کے بعد باقی ورثاء اور موسیٰ لہ میں ان کے حصص کے مطابق مال تقسیم ہو گا۔

اس شیوع اور عدم تقدم پر دلالت اس امر سے ملتی ہے کہ وصیت کے بعد اگر بالفرض بہہ وغیرہ سے میت کے مال میں اضافہ ہو جائے تو موسیٰ لہ بھی ورثاء کے ساتھ اضافے میں شریک ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر کمی ہو جائے تو کمی میں بھی۔ مثلاً اگر وصیت کے بعد مال ایک ہزار سے تین ہزار ہو جائے تو موسیٰ لہ کو تین ہزار کا ثلث ملے گا، اور اس کے برعکس صورت میں اگر تین ہزار کی بجائے ایک ہزار رہ جائے، تو اسے ایک ہزار ہی کا ثلث ملے گا۔
 جب حصے کی کمی بیشی میں وہ دوسرے ورثاء کے ساتھ شریک ہے، تو پھر تقدم کا کیا معنی؟
 لیکن بعض اہل علم کی یہ بات کمزور ہے۔ اس لئے کہ موسیٰ لہ نے تو دین کے بعد باقی کا ثلث وصیت کے مطابق وصول کرنا ہے۔ خواہ اس میں اضافہ ہو یا نہ۔

داعیاً: تجیز، دین اور وصیت سے جو ترکہ بچے گا اسے ورثاء میت میں کتب و سنت اور اجماع امت کے ضابطے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا، جیسے بیٹی، ام اور زوجین وغیرہ کی ارث کتاب اللہ سے، جدات کی سنت سے اور جد، ابن الابن اور بنت الابن کی اجماع امت سے ثابت ہے۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! اجماع امت سے مراد اس کا متبادر مفہوم جمیع امت کا اتفاق نہیں۔ بلکہ اس سے مراد ایک ایسا معنی ہے جو کسی بھی مجتہد کے اجتہاد کو شامل ہو۔ لہذا، اس معنی میں

مصنف کی کلام مختلف فیہ وارث "ذووالارحام" اور "مولی الموالاة" کو بھی شامل ہو گی جن کے وارث ہونے میں تمام امت کا اتفاق نہیں۔ بلکہ بعض کے ہاں وہ وارث ہیں۔
حقوق ثلاثہ مذکورہ کے بعد مابقی مال کو ان ورثاء میں بالترتیب تقسیم کیا جائے گا جن کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔

ساتویں نمبر پر مصنف نے مولی الموالاة کا بیان فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مجہول النسب انسان کسی کو یوں کہے:

"انت مولای ترثنی اذا مت وتعلقل عنی اذا جنیت وقال الاخر قبلت"

"کہ جب میں وفات پا جاؤں تو تم میرے وارث ہو گے اور اگر زندگی میں کوئی جنایت کر بیٹھوں تو تم میری جنایت کی دیت دو گے"

جب دوسرا انسان اس بات کو قبول کرے تو اس کی وفات پر اس کے مال کا وہ وارث ہو گا اور یہ ہی وارث علم الفرائض کی اصطلاح میں "مول الموالاة" کہلاتا ہے۔

اور اگر دوسرا انسان بھی مجہول النسب ہو اور وہ بھی پہلے سے ایسا ہی کہے جیسے اس نے دوسرے سے کہا تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث "مولی الموالاة" ہوں گے۔

امام شعبی، امام شافعی رحمہما اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں ولاء العتاقۃ کا تو ثبوت ہے لیکن مولی الموالاة کا نہیں۔ لہذا وہ وارث بھی نہیں۔ لیکن احناف مولی الموالاة کی وراثت کو تسلیم کرتے ہیں۔

دسویں نمبر پر جب متقدمین میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو ترکہ کو بیت المال کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ جمیع اہل اسلام کے رفاہی امور کے کام آسکے اور یہ بیت المال کے سپرد کرنا "علی سبیل الارث للمسلمین" نہ ہو گا۔ بلکہ یہ ایسے ہی ہو گا جیسے لاوارث ذمی کا ترکہ بیت المال کے سپرد کیا جاتا ہے، حالانکہ مسلمان اس کا وارث نہیں۔

اور اس مال میں میراث کے جاری نہ ہونے کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس مال میں مسلمان مذکر اور مونث برابر ہیں۔ جبکہ میراث میں مونث مذکر کے برابر نہیں۔

"تنبیہات"

(۱) خیال رہے عند الشافعیہ اگر بیت المال منظم ہو تو وہ ذووالارحام اور اصحاب الرد پر مقدم ہو گا اور غیر منظم ہونے کی صورت میں ترکہ اولاً ذووالافروض النسبیۃ پر ان

کے حصص کے مطابق رد کرنے کے بعد، اگر بیچ جائے تو ذودا الارحام کو دے دیا جائے گا۔

(۲) شوافع کے ہاں مولیٰ موالاة، مقررہ اور موسیٰ لہ: جمع المال وارث نہیں۔



فصل فی الموانع

”المانع من الارث اربعة“

- (۱) الرق: وافرکان او ناقصاً۔
- (۲) والقتل الذی يتعلق به وجوب القصاص او الکفارہ
- (۳) اختلاف الدینین
- (۴) واختلاف الدارین‘ اما حقیقة کالحربی‘ والذمی او حکماً‘ کالمستامن والذمی‘ او الحربیین من دارین مختلفین‘ والدار انما تختلف باختلاف المنعة‘ والملك لانقطاع العصمة فیما بینهم

”موانع“ جمع ”مانع“ کی ہے جس کا لفظ معنی ”حائل“ ہے اور اصطلاحاً ”ما ینتفی لاجله الحکم عن شخص“ یعنی ایسے امر اور شے کو کہتے ہیں جس کے باعث کوئی حکم کسی انسان سے مستفی ہو جائے۔

موانع کی دو اقسام ہیں

- (۱) المانع عن المورثیة اور وہ ”نبوت“ ہے‘ جیسے بخاری شریف میں آمدہ روایت سے ثابت ہے:

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نورث‘ ماترکناہ فهو صدقة“^(۱)
 ”یعنی اللہ کے نبی مورث نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہوتا ہے۔“

- (۲) المانع عن الواریة: وهو ماتفوت به اہلیة الارث یعنی ایسا ”مانع“ اور ”حاجب“ جس کے ہوتے ہوئے وارث وارث نہ رہے۔

خیال رہے یہ دوسری قسم ہی یہاں ”باب میراث“ میں مراد ہے‘ جس کی ماتن نے چار

اصناف بیان کی ہیں اور جن کی تفصیل یوں ہے:

(۱) الرق: وافراکان او ناقصا: غلامی خواہ وہ مکمل غلامی ہو، جیسے کہ خالص مکمل غلام، یا ناقص، جیسے ”مدر“ اور ”معتق بالاقساط“۔

(۲) ”والقتل الذی.....“ یعنی ایسا قتل جس پر قصاص یا کفارہ لازم ہو۔ قتل عمد میں قصاص ہو گا، جبکہ قتل خطاء میں کفارہ (۱۰۰) میاں اونٹ، قتل عمد کی صورت، سوچ سمجھ کر کسی کو قتل کرنا، اور قتل خطاء، جس میں کسی کو قتل کرنے کا ارادہ نہ ہو بلکہ خطاء انسان مارا جائے، جیسے کسی شے کو شکار سمجھ کر تیر پھینکے لیکن وہ نفس الامر میں انسان ہو، جو تیر یا بدوق لگنے سے مر جائے۔

خیال رہے! قتل بالسبب، قتل عمد اور خطاء میں داخل نہیں، جیسے کسی انسان کے کنوئیں میں اس کے مورث کا گر کر مرجانا، پہلی دو صورتوں میں تو وارث اپنے مورث کا وارث نہ ہو سکے گا لیکن تیسری صورت، مورث کی وراثت سے مانع نہیں۔

(۳) اختلاف الدینین، یعنی اسلام و کفر میں وارث، و مورث کا مختلف ہونا، نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر مسلمان کا، ہاں کافر، کافر کا وارث ہو سکتا ہے جیسے مسلمان مسلمان کا، لیکن جب دونوں کافر دو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہوں تو پھر وہ بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، جیسے:

(۴) واختلاف الدارین اما حقیقة، کالحربی والذمی... سے معلوم ہوتا ہے یعنی دو کافر جو دو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہوں وہ بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، خواہ ان کا ”اختلاف دارین“ حقیقی ہو، جیسے دار الکفر کا حربی کافر اور دار الاسلام میں بالاجازہ رہنے والا کافر۔ یا ”اختلاف دارین“ حکمی ہو جیسے۔ متامن، اور ”ذمی“۔

”متامن“ وہ کافر ہے جو کچھ دیر کیلئے تجارت وغیرہ کی غرض سے دار الاسلام میں رہتا ہو اور ذمی وہ کافر ہے جو دار الاسلام کا باشندہ ہو اور اسلامی آئین و قانون کو تسلیم کرتا ہو۔ ایسے دو کافر بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، خواہ وہ آپس میں رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

”اختلاف دارین“ کی ایک تیسری صورت بھی ہے جبکہ دو حربی کافر دو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہوں، ان میں بھی توارث نہیں۔

خیال رہے ”اختلاف دارین“ کا تحقق دو امر پر مبنی ہے:-

(۱) دونوں کی عسکری (فوجی) طاقت علیحدہ علیحدہ ہو۔

(۲) بادشاہ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں وہ ایک دوسرے کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں۔

یہ وہ چار موانع کی صورتیں ہیں جن کو ماتن نے بیان کیا ہے، لیکن بعض علماء نے مزید تین اور بھی موانع بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) ”الارتداد“ یعنی انسان کا مرتد ہو جانا۔ مرتد ہو جانے پر مرتد اپنے مورث کا وارث نہیں بن سکتا۔

(۲) ”الجهالة بتاريخ الموت“ یعنی وارث اور مورث کی موت و وفات کا تقدم و تاخر کے اعتبار سے علم نہ ہو، ایسی صورت میں بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے جس کی تفصیل ”باب الغرقی“ میں آئے گی۔

(۳) ”جهالة الوارث“ یعنی وارث کسی دوسرے انسان سے مشتبہ ہو جائے، پتہ نہ چل سکے کہ ”اہل وارث“ کون ہے، جیسے کسی آزاد عورت اور لونڈی کا ایک ہی مظلم جگہ میں بچے جنما، لیکن معلوم نہ رہے کہ کون سا بچہ کس عورت کا ہے؟

آخری دونوں صورتیں چونکہ توہم پر مبنی ہیں لہذا بعض علماء نے ان کو موانع میں شمار نہیں کیا۔

”تصریح“

”الفرق بین المنع والحجب“ منع اور حجب میں فرق صرف اتنا ہے کہ ”حجب جلب النفع لنفسه ودفع الضرر والنقصان عن ذاته“ کو کہتے ہیں۔ یعنی حجب میں حاسب کے لئے نفع یا ضرر و نقصان سے دفاع ہوتا ہے جبکہ منع میں یہ ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی امر آخر کے لئے ہوتا ہے، جیسے جنایت اور انقطاع عصمت کی بنیاد پر کسی کو توریث سے ممنوع اور نااہل قرار دے دینا۔

”انواع الموانع اربعة“ قدرے ان کا ذکر گزر چکا ہے لیکن مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

الاول:

”الرق“ پہلا مانع غلامی ہے خواہ غلام کامل ہو یا ناقص جیسے مدبر، مکاتب اور ام ولدہ،

جس کی وجہ یہ ہے کہ غلام جب مطلقاً ملک کے اسباب بیع، شراء، ہبہ، ہدیہ وغیرہ میں سے کسی بھی سبب کے باعث مال کا مالک نہیں ہو سکتا تو بالارث بھی مالک نہ ہو گا۔ لہذا غلامی غلام کے لئے عن الارث مانع ہو گی۔

نیز جمع مال جو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ دراصل اس کے مولیٰ کا ہوتا ہے اگر بالفرض اسے اپنے اقرباء کا وارث بنایا جائے تو اس کا حصہ اس کے مولیٰ کے قبضہ میں ہی جائے گا جس سے تورث الاجنبی بلا سبب لازم آئے گی، جو اپنی جگہ پر باطل ہے۔

”فائدہ“

معق البعض امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مکمل مملوک کے قائم مقام ہو گا خواہ اس پر ایک ہی درہم باقی کیوں نہ ہو۔ لہذا نہ وہ کسی کا وارث ہو سکے گا اور نہ ہی حاجب۔ بخلاف صاحبین کے ان کے نزدیک وہ آزاد ہو گا۔ لہذا وہ وارث بھی ہو گا اور حاجب بھی۔ ذیل کی روایت سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے:

”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم قال

المكاتب عبد مابقي عليه من مكاتبته درهم“ (ابو داؤد، کتاب العتق)

”یعنی مکاتب غلام ہی ہو گا خواہ اس کی مکاتبت سے ایک ہی درہم باقی رہے

ہوئے (وہ وفات پا جائے یا عاجز آجائے)“

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی موطا میں یہی قول ہے: ”قال مالک وهو رائي“ (موطا، حضرت

عبد اللہ بن عمر، عمر، زید بن ثابت، حضرت عائشہ، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم اور امام زہری رحمہ اللہ

سے بھی ایسے ہی مروی ہے: ”انهم قالوا المكاتب عبد مابقي عليه درهم“ یعنی ایک درہم

کے ادا نہ کرنے پر بھی مکاتب غلام ہے۔ امام عطاء، قتادہ، ثوری، اوزاعی اور امام شافعی رحمہم اللہ

کا بھی یہی نظریہ ہے۔

وهكذا اخرج البخاري رحمہ اللہ في صحيحه تعليقاً قالت عائشة رضی اللہ عنہا هو عبد ما

بقي عليه شئ وقال ابن رشد اتفقوا على انه يخرج من الرق اذا ادى جميع

الكتابة، واختلفوا اذا عجز عن البعض، فقال الجمهور هو عبد ما بقي عليه من

كتابه شئ و روى عن السلف المتقدم سوى ذلك اربعة اقوال احدها: ان

المكاتب يعتق بنفس الكتابة والثاني: يعتق عنه بقدر ما ادى والثالث:

يعتق ان ادی النصف او اکثر والرابع: يعتق ان ادی الثلث الا فهو عبد

(اوجز المسالك شرح موطا امام مالک)

ابن رشد فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ مکاتب اگر جمع مال کتابت ادا کر دے تو وہ آزاد ہو گا لیکن ان کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر وہ کچھ مال کی ادائیگی رہتے ہوئے عاجز آجائے یا وفات پا جائے تو اس کی کیا پوزیشن ہو گی؟
جسور کا تو یہ مسلک ہے کہ ایک درہم بھی باقی رہ جانے پر وہ غلام ہی ہو گا۔ جسور کے علاوہ اہل علم کے اس میں چار اقوال ہیں:

(۱) مکاتب بوقت کتابت نفس کتابت سے آزاد ہو جائے گا اور مال کتابت اس کے ذمہ قرض ہو گا۔

(۲) جتنی اقساط اس نے ادا کر دیں اسی تناسب سے وہ آزاد ہو گا اور باقی غلام۔

(۳) اگر نصف مال کتابت یا اس سے زیادہ ادا کر چکا ہے تو پھر وہ آزاد، ورنہ غلام۔

(۴) مال کتابت سے ثلث یا زیادہ ادا کر چکا ہے تو وہ آزاد، بصورت دیگر، وہ غلام۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایسے مکاتب کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے ہاں غلام ہی ہو گا۔ نتیجتاً جب ایسا مکاتب آزاد نہیں تو وہ کسی مورث کا وارث بھی نہیں۔ صاحبین نے چونکہ اقوال اربعہ مذکورہ میں سے پہلے قول کو اختیار کیا ہے لہذا ان کے نزدیک وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ وارث بھی ہو گا۔

الثانی:

موانع ارث میں سے ثانی عند الحنفیۃ ایسا قتل ہے جس پر قصاص یا کفارہ واجب ہو۔ قتل جس پر قصاص واجب ہوتا ہے وہ قتل عمد ہے، جس کا تحقق تلوار جیسے ہتھیار یا کسی ایسی چیز سے ہو گا جو تلوار جیسی تیز دھار ہو۔ خواہ وہ لکڑی ہی کیوں نہ ہو یا پتھر۔ اس کا موجب قصاص اور گناہ ہے لیکن کفارہ نہیں۔

صاحبین کے نزدیک انسان کی ایسی ضرب جس سے غالباً مضروب انسان ختم ہو جائے، قتل عمد میں داخل ہے۔ خواہ وہ شے تیز دھار نہ بھی ہو، جیسے بڑا پتھر اور وہ قتل جس پر کفارہ لازم آتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شبه العمد بایں طور کہ انسان عمد کسی ایسی چیز سے ضرب لگائے جس سے غالباً مضروب

انسان کی موت واقعہ نہیں ہوتی لیکن واقعہ ہو جائے۔ اس کا موجب ”دیت علی العاقلہ“ گناہ اور کفارہ ہے لیکن اس میں قصاص نہیں۔

(۲) قتل الخطاء جس کی صورت یہ ہے کہ انسان تیریا گولی تو چلائے کسی شکار پر، لیکن اتفاق سے وہ لگ جائے کسی انسان کو، یا سوار انسان کی سواری کسی کو کچل دے، مثلاً گھوڑے، کار اور گاڑی کے نیچے آکر کوئی انسان کچلا جائے، یا پھر کسی کے ہاتھ سے کسی دزدنی چیز کے گرنے سے کوئی کچلا جائے۔ خطاء کی ان صورتوں کا موجب کفارہ اور دیت علی العاقلہ ہے لیکن گناہ نہیں۔

ان مذکورہ صورتوں میں یعنی قتل عمد، شبہ العمد اور خطاء میں حنفیہ کے نزدیک قاتل میراث سے محروم ہو گا بشرطیکہ قتل شرعاً ناجائز ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل مدینہ نیز امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ہاں قتل عمد میں قاتل مورث کی میراث سے محروم ہو گا لیکن قتل خطاء میں صرف دیت میں اپنے حصہ سے محبوب ہو گا اور باقی ماندہ اموال مورث میں اپنے حصہ کا وہ حق دار ہو گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یوں ہی مروی ہے۔

اگر قاتل، مورث کو قصاصاً، مدایا دفاعاً عن نفسه قتل کرے جو قتل حق کی اقسام ہیں تو ایسی صورت میں قاتل مورث کے ترکہ سے محروم نہ ہو گا۔ بلکہ اسے اس کا حصہ ملے گا۔ ایسے ہی اگر سلطان عادل، اپنے مورث باغی کو قتل کر دے تو وہ بھی اس کی میراث سے محروم نہ ہو گا، اور اگر باغی، اپنے مورث سلطان کو قتل کر دے تو اس کی توریث میں عند الحنفیہ اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وہ میراث سے محروم نہ ہو گا۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں وہ محروم ہو گا۔

قتل کی چار اقسام قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطاء نیز قتل حق کے حکم کے بیان کے بعد قتل بالسبب میں بھی یہی حکم ہے کہ قاتل، مقتول مورث کا وارث ہو گا جیسے کوئی کسی کے کھودے ہوئے کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس میں دیت علی العاقلہ تو ہو گی لیکن قصاص اور کفارہ نہ ہو گا لیکن حافر ایسے مورث کا وارث ضرور ہو گا۔

یوں ہی اگر قاتل بچہ یا کوئی مجنون ہو تو بھی حنفیہ کے نزدیک قاتل، مقتول مورث کی میراث سے محروم نہ ہو گا۔ شوافع کے ہاں حافر بزر، مجنون اور صبی پر قصاص اور کفارہ تو نہ ہو

گا صرف دیت علی العاقلہ ہی ہوگی، لیکن وہ ایسے مورث کی میراث سے محروم ہوں گے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

”القاتل لا يرث من المقتول“ (ترمذی، ابن ماجہ)

اس سے علی الاطلاق معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کا قتل خواہ کسی بھی حیثیت میں ہو وہ مقتول کے ترکہ کا وارث نہیں، لیکن احناف کے ہاں اس روایت کے عموم سے قاتل بحق کا اخراج اس لئے ہے کہ قتل پر وراثت سے محرومی قتل محظور کے باعث ہے اور یہ قتل محظور نہیں، بلکہ درست اور جائز ہے کیونکہ قاتل نے مقتول کو کسی جائز حد، قصاص یا اپنے دفاع میں قتل کیا ہے۔ لہذا قاتل بحق، مقتول کے ترکہ کا وارث ہو گا۔

اور مستبب کا اخراج:

أولاً: اس لئے ہے کہ وہ حقیقتاً قاتل نہیں جیسے اپنی ارض مملوکہ میں کھودے ہوئے کنوئیں میں اگر کوئی گر کر مر جائے تو حافر پر کوئی مواخذہ نہیں۔ حالانکہ قاتل خواہ کسی کو ارض مملوکہ میں قتل کرے یا غیر مملوکہ میں وہ قابل مواخذہ ہے۔

ثانیاً:

اس لئے کہ کنوئیں میں گر کر مرنے والے انسان کے قتل کو اگر وقت حفر سے متصل قرار دیا جائے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ مقتول اس وقت موجود نہیں بلکہ وہ بعد میں گرا ہے۔ لہذا قاتل کو قاتل نہیں قرار دیا جاسکتا، اور اگر قاتل کو مقتول کے وقوع فی البئر کے وقت کے اعتبار سے قاتل قرار دیا جائے تو ضروری نہیں کہ قاتل اس وقت زندہ موجود بھی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وفات پاچکا ہو۔ لہذا تبسیب کی صورت میں قاتل جب حقیقتاً قاتل نہ ہوگا، تو وہ مقتول مورث کے ترکہ سے بھی محروم نہ ہوگا۔

خیال رہے! ایسی صورت میں گو قاتل حقیقتاً قاتل نہیں لیکن مقتول کی دیت علی العاقلہ محض اس کے دم کو بطلان سے بچانے کے لئے ہے تاکہ ایک انسان کا خون رائیگاں نہ جائے۔

”تنبیہ“

خیال رہے محظی کی صورت مستبب سے قدرے مختلف ہے کیونکہ وہ مباشر للقتل ہے لہذا اس پر کفارہ اور حرمان عن الوراثة دونوں لازم ہوں گے۔ صبی اور مجنون کا اخراج

عن الحدیث اس بنیاد پر ہے کہ میراث سے حرمان، دراصل قتل مخطور پر سزا کے طور پر ہے جبکہ بچے اور مجنون کے کسی فعل کو شرعاً مخطور ہونے کے ساتھ متصف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ شرعاً مکلف ہی نہیں بخلاف محظی کے جو شرعاً مکلف ہے لہذا اس کا حکم بچے اور مجنون سے وراثت میں مختلف ہو گا۔

احناف کے ہاں خطاء مقتول کی دیت کا حکم وہی ہے جو اس کے باقی ماندہ اموال کا۔ یعنی جیسے اس کے دوسرے اموال سے دیون کی ادائیگی اور وصلیا کا نفاذ ہوتا ہے تیسی ہی دیت کے مال سے بھی یہ ادا ہو سکیں گے اور جو کوئی انسان اس کے دوسرے اموال کا مالک ہے وہ اس کی دیت کا بھی اپنے حصہ کے مطابق مالک اور وارث ہے، خواہ درثناء میں میاں بیوی ہی سے کوئی کیوں نہ ہو۔

لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں زوجان ایک دوسرے کی دیت کے وارث نہ ہوں گے۔ کیونکہ بالموت ان میں علاقہ زوجیت منقطع ہو چکا ہے اور دیت کا ثبوت ووجوب موت کے بعد ہوتا ہے۔ لہذا علاقہ زوجیت کے منقطع ہوجانے کے بعد جو چیز واجب اور ثابت ہوگی اس میں زوجان کیسے شریک اور وارث ہوں گے؟

احناف اپنے مدعی کے ثبوت میں آپ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں:

”انہ یرثہ امر بنتورث امرأۃ اشیم الضبابی من عقل زوجها موطا امام مالک“

”یعنی آپ نے اشیم رضی اللہ عنہ کی عورت کو اس کی دیت میں وارث بنایا جو خطاء مقتول ہوئے“

نیز احناف کے ہاں آپ کے فرمان: ”من ترک مالاً او حقاً فلورثته“ (ابو دائود) سے زوجان کا حق ایک دوسرے کے قصاص میں ثابت ہے کیونکہ وہ بھی ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جب ایک دوسرے کے قصاص میں وہ حق دار ہوں گے تو ظاہر ہے دیت میں بھی وہ ایک دوسرے کے حق دار اور وارث ہوں گے۔

عند المالکیہ قتل عمد ہی صرف وراثت سے مانع ہے اس کے علاوہ قتل کی کوئی صورت مانع من الارث نہیں۔

حنابلہ کے ہاں ہر وہ قتل جس میں قصاص، دیت یا کفارہ لازم آئے وہ ارث سے مانع ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ مانع نہیں۔

الثالث:

موانع ارث میں ثالث، وارث اور مورث کا اختلاف دین ہے۔ لہذا، کافر مسلمان کا وارث نہ ہو گا۔ لقولہ تعالیٰ: ”وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا“ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، امام شافعی اور احناف رضی اللہ عنہم کے نزدیک مسلمان کافر کا بھی اور آپ کے فرمان: ”لا یتوارث اہل ملتین شنی“ (ابو دانود، دارمی) کے مطابق وارث نہیں ہو سکتا۔ نیز آپ کے قول: ”لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ (متفق علیہ) کا تقاضا بھی یہی ہے۔

ابو طالب کے ترکہ میں سے آپ کا عقیل اور طالب کو دینا، لیکن حضرت علی اور جعفر کو (جو مسلمان تھے) نہ دینا اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمان کا کافر کے ترکہ میں حق نہیں۔ اگر مسلمان کا کافر کے ترکہ میں کوئی حق ہوتا تو آپ انہیں محروم نہ رکھتے اور یہ ہی آئمہ، اربعہ نیز جمہور کا مسلک ہے۔

اس کے برعکس حضرت معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن حسین اور مسروق رضی اللہ عنہم کے نزدیک آپ کا فرمان: ”الاسلام یعلو ولا یعلیٰ“ (طبرانی فی الاوسط، بیہقی دلائل النبوة) کے مطابق کافر مسلمان کا تو وارث نہیں۔ لیکن مسلمان کافر کا وارث ہے۔

احناف اور شوافع کی طرف سے اس کا جواب تین طریق پر دیا جاتا ہے۔ جس کا حاصل مقصد مخالفین کی بیان کردہ حدیث کی تاویل پر مبنی ہے:

طریق اول:

حدیث میں اسلام سے مراد نفس اسلام ہے نہ کہ توارث یعنی جب کوئی بچہ کسی ایسے میاں بیوی کے درمیان مولود ہو، جن میں سے ایک مسلمان ہو تو وہ اس حدیث کے پیش نظر مسلمان کے تابع ہو گا۔

طریق ثانی:

علو سے مراد علو بحسب الحجۃ ہے نہ کہ بحسب التوارث، یعنی اسلام اپنی حجت میں کفر پر غالب ہے۔

طریق ثالث:

علو سے مراد علو بحسب القہر والنصرۃ ہے یعنی بالآخر مسلمان ہی کفار پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غلبہ اور نصرت پاتے ہیں یا پھر آخرت میں ان کا انجام کافر کے مقابلہ میں بہتر ہو گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسی روایت مذکورۃ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ کو "فوائد ابو یعلیٰ الخلیلی" کے حوالے سے نقل کیا ہے جس سے قبل ایک ایسا واقعہ منقول ہے جس سے ان اصحاب کی تائید ہوتی ہے جو مسلمان کو کافر کے ترکہ سے وارث بنانے کے قائل نہیں۔ واقعہ کی روایت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"ان عائد بن عمر والمزنی جاء يوم الفتح مع ابی سفیان بن حرب' فقال الصحابة هذا ابو سفیان وعائد بن عمرو' فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا عائد بن عمرو وابو سفیان' الاسلام اعز من ذلك' الاسلام یعلو ولا یعلیٰ" (فتح الباری جزء الثالث، کتاب الجنائز)

"یعنی فتح مکہ کے دن جب حضرت عائز بن عمرو (جو مسلمان تھے) ابو سفیان بن حرب (جو اس وقت ابھی کافر تھے) کے ساتھ آپ کے پاس آئے تو صحابہ نے ابو سفیان کا نام حضرت عائذ سے پہلے بیان کیا اس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت عائذ کا نام پہلے لیا اور ابو سفیان کا بعد میں، اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ متقدم فی الذکر کو طبقاً جو فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ متاخر کو نہیں۔ لہذا، آپ نے عائذ کے نام کی تقدیم سے صحابہ کی اصلاح فرمائی"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت کا تعلق میراث سے نہیں بلکہ ایسے امور سے ہے جن سے کسی کی عزت و احترام مترشح ہوتی ہے۔ لہذا ایسے امور میں اہل اسلام کو غیر مسلموں پر تقدیم حاصل ہوگی۔ نیز اس واقعہ سے احتاف اور شوافع کی مذکورہ تین تاویلات بھی میراث کے مقابلے میں زیادہ اقرب الی الصحة ہوں گی۔

حافظ صاحب نے محلی ابن حزم رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک روایت ابن عباس سے موقوف بھی نقل کی ہے جس سے سابقہ تین تاویلات میں سے پہلی تاویل کی تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عكرمة عن ابن عباس رضي قال اذا اسلمت اليهودية والنصرانية تحت

اليهودى او النصرانى يفرق بينهما' الاسلام يعلو ولا يعلى" (فتح الباری)
 كتاب الجنائز

”یعنی اسلام کے علو کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عورت کافر کے ہاں نہ رہے۔ لہذا ان میں تفریق ضروری ہو گی۔ اسی تقاضے کے مطابق مولود بھی خیر الابین کے تابع ہو گا“

احناف کے ہاں مسلمان کافر کا وارث تو نہیں لیکن مرتد کا وہ وارث اس کی حالت اسلامیہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ حالت ارتداد کے اعتبار سے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ مسلمان ایک مسلمان کے ترکہ کا وارث ہو رہا ہے، نہ کہ کسی کافر کے ترکہ کا۔

اسی حالت اسلامیہ کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ مسلمان اس کے اس ترکہ کا تو وارث ہو گا جو اس نے حالت اسلامیہ میں کمایا ہو گا، اور جو حالت کفر میں اس نے حاصل کیا ہو گا، وہ عام مسلمانوں کے لئے فتنی ہو گا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک چونکہ مرتد کو حالت ارتداد پر قائم رہنے کی اجازت نہیں بلکہ بالجبر اسے حالت اسلام پر لانا ضروری ہے۔ لہذا اس کے ترکہ میں اہل اسلام ہی کا سا حکم ہو گا۔ یعنی ان کے ہاں حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے مرنے کے بعد مسلمان وارثوں کے لئے ہو گا لیکن مرتد اپنے مسلمان وارث کے ترکہ سے منتفع نہیں ہو سکتا۔

جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور صحیح مذہب حنابلہ میں مسلمان مرتد کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کافر ہے۔ لہذا اس کا مال مسلمانوں کے لئے غنیمت ہو گا، اور وہ بیت المال کو دے دیا جائے گا۔ احناف کی رائے حضرت ابوبکر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ چونکہ فی زمانہ بیت المال کا وجود نہیں لہذا احناف کے مسلک پر عمل ارجح الی الصحت ہو گا۔ ”توارث الکفار فیما بینہم“ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، خواہ ان کی دیانات اور علل مختلف ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ شرعاً ان کی دیانات مختلفہ ”الکفر ملۃ واحده“ کے باعث ایک ہی ہیں۔ امام مزنی رحمہ اللہ ”مختصر“ میں امام شافعی رحمہ اللہ سے اور ابو القاسم امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے ہیں ذکر کرتے ہیں۔

بعض فقہاء کے ہاں یہود اور نصاریٰ کا تو وارث بوجہ اتفاق علی التوحید، اقرار بنبوۃ موسیٰ علیہ السلام والتورۃ تو درست ہے لیکن ان کے اور مجوس کے درمیان نادرست کیونکہ مجوس توحید

کے منکر اور دو الہین ”یزدان“ خالق خیر اور ”اہرمن“ خالق شر کے معتقد ہونے کے ساتھ ساتھ کسی نبی اور کسی کتاب منزل کے قائل بھی نہیں۔ لہذا وہ اہل کتاب سے ایک علیحدہ ملت پر ہوں گے۔

بعض فقہاء کا یہ بھی خیال ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں بھی توریث نادرست ہے۔ کیونکہ ان میں بھی حضرت عیسیٰ ﷺ اور انجیل کے بارے اختلاف ہے۔ لہذا یہ بھی ایک ملت نہ ہوں گے، بلکہ دو ملتیں، جن میں توارث نادرست ہو گا۔ اور اہل الاہواء جو کتب و سنت کی تاویلات میں تو مختلف ہیں لیکن انبیاء اور کتب منزلہ کے معترف، وہ ایک ہی ملت پر ہیں۔ لہذا ان کا آپس میں توارث صحیح ہو گا۔

الرابع:

موانع ارث میں سے رابع عند المحنفیۃ اختلاف الدارین ہے۔ خواہ یہ اختلاف حقیقتاً ہو یا حکماً جیسے کوئی حربی دار الکفر سے تعلق رکھنے والا جو دار الحرب میں وفات پا جائے اور اس کا باپ اور بیٹا جو دار الاسلام میں لمحاظ ذمی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یا دار الاسلام میں وفات پا جانے والے ذمی کا باپ اور بیٹا جو دار الحرب میں رہ رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ ذمی دار الاسلام میں رہنے والوں میں سے ہے جبکہ حربی دار الحرب میں رہنے والوں میں سے۔ یہ دونوں اگرچہ کفر کے باعث متحد فی الملت ہیں لیکن حقیقتاً متحد فی الدار نہیں۔ لہذا نہ ان میں ولایت ہوگی اور نہ ہی توارث۔

اور اختلاف الدارین حکماً کی واضح صورت یوں ہوگی کہ کوئی حربی دار الاسلام میں امان لے کر داخل ہو اور اس کا کوئی وارث پہلے سے دار الاسلام میں بطور ذمی زندگی بسر کر رہا ہو۔ اب یہ حقیقتاً تو ایک دار (دار الاسلام) سے تعلق رکھتے ہیں لیکن حکماً وہ دارین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ متامن حکماً دار الحرب سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لئے تو وہ دار الحرب کو واپس جاسکتا ہے اور دار الاسلام میں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہر سکتا۔ بخلاف ذمی کے جو دار الاسلام میں ہمیشہ کے لئے ٹھہر سکتا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں بھی ان کے درمیان توارث نہ ہو گا بلکہ متامن کے مرنے پر اس کا ترکہ اس کے ان ورثاء کو دیا جائے گا جو دار الحرب میں رہتے ہوں گے۔

اختلاف الدارین حکماً کی دوسری مثال ”او الحربیین من دارین مختلفین“ قدرے غیر

واضح ہے۔ اس لئے کہ اگر ”دارین مختلفین“ سے مراد ان کے مختلف ممالک ہوں، جیسے ایک ہند میں اور دوسرا چین میں رہتا ہو تو پھر یہ اختلاف الدارین حکم کی مثال نہ ہوگی، بلکہ اختلاف الدارین حقیقتاً کی ہوگی۔ لہذا، اس مثال کو ”او حکم“ سے پہلے ذکر کرنا مناسب تھا۔ یا پھر اس کی صحت کے لئے اس تاویل کا سہارا لینا پڑے گا کہ تمام دنیا کے کفار چونکہ ”الکفر ملة واحدة“ کے اصول کے مطابق ایک ہیں لہذا، ان کا دار بھی باوجود مختلف ممالک میں ہونے کے حقیقتاً ایک ہی ہے۔ ہاں حکماً مختلف ہے اور اگر ”من دارین مختلفین“ سے مراد دو ایسے حربی ہوں جو حقیقتاً دو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہوں لیکن وہ دار الاسلام میں بالائتیمان رہتے ہوں تو دار الاسلام ان کا حقیقتاً دار واحد ہو گا لیکن وہ حکماً ”من دارین المختلفین“ ہوں گے۔ اس لحاظ سے یہ مثال اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہوگی اور اس کی تائید ”من دارین“ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں ”او الحربین“ کی جگہ ”او المستامنین“ کہنا اولیٰ اور بہتر تھا، لیکن ممکن ہے، اس اولویت کو ترک کرنے سے ماتن، اس بات پر اشارہ کرنا چاہتے ہوں کہ یہ مثال اختلافین یعنی اختلاف حقیقی اور اختلاف حکمی دونوں کی ہو سکتی ہے۔

حاصل مقصد یہ ہے کہ حربیین اگر دیار مختلفہ میں رہتے ہوں تو یہ اختلاف حقیقی ہوگا اور اگر دار الاسلام میں رہتے ہوں تو پھر ان کا اختلاف حکمی ہو گا۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں وہ باوجود آپس میں رشتہ دار ہونے کے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ ہاں اگر وہ حربی متامن دار الاسلام کے ذمی بن جائیں، تو پھر وہ دار واحد سے تعلق رکھنے کے باعث ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

ایسے ہی اگر دونوں متامن حربی ایک ہی دار الکفر سے تعلق رکھتے ہوں تب بھی وہ عدم اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

”ملاحظات“

(۱) خیال رہے! اختلاف دارین کا تحقق فوج، بادشاہ اور انتظامیہ کے مختلف ہونے پر مبنی ہے کیونکہ وہ اسی لحاظ سے ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے مال و متاع کو نقصان پہنچانے کے ساتھ لوٹ مار بھی کر سکتے ہیں اس قسم کے اہل الدارین میں وراثت کا سلسلہ منقطع ہو گا۔

ہاں اگر یہ صورت حال نہ ہو، بلکہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوں تو پھر ان کا دار و دار واحد ہو گا، جس کے باعث ان میں وراثت منقطع نہ ہوگی۔

(۲) نیز اس قسم کا اختلاف دارین صرف کفار میں مانع عن التوارث ہو گا نہ کہ مسلمانوں میں، کیونکہ اسلام ایک ایسی جامع شے ہے جس کے باعث مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمان ایک ہی دار میں متصور ہوتے ہیں۔ بخلاف دار الحرب کے جس کی یہ پوزیشن نہیں۔

مختلف ممالک میں رہنے والے کفار کا جبکہ ان کی افواج، بادشاہ اور انتظامیہ مختلف ہو، ایک دار یعنی دار واحد نہیں ہو سکتا لہذا وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے لیکن یہ فرق کوئی معقول نظر نہیں آتا کیونکہ کفار بھی ”الکفر ملة واحدة“ کے باعث مختلف ممالک میں رہنے کے باوجود دار واحد میں متصور ہو سکتے ہیں جیسے مسلمان اسلام کی جامعیت کے باعث مختلف ممالک میں رہنے کے باوجود عند الاحناف دار واحد میں متصور ہوتے ہیں۔

لہذا، ایسی صورت میں اگر مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں تو کفار کے توارث میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس کمزوری نیز اس مانع رابع کے مانع ہونے پر کسی منقول دلیل کے نہ ہونے کے باعث، اس کا مانع عن الارث ہونا خدشہ سے خالی نہیں۔ اسی لئے ”صاحب الموارث“ اور ”عدة الباحث“ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔



باب معرفة الفروض ومستحقیها ”الفروض المقدره فی کتاب اللہ تعالیٰ ستہ“

- (۱) النصف (۲) والربع (۳) والثلث (۴) والثلثان (۵) والثلث (۶)
والسدس علی التضعیف والتتصیف
واصحاب هذه السهام اثناء عشر نفراً اربعة من الرجال وهم:
(۱) الاب (۲) والجد الصحيح، وهو اب الاب، وأن علا (۳) والاخ لایم
(۴) والزوج

وثمان من النساء، وهن:

- (۱) الزوجة (۲) والبنت (۳) وبنت الابن وان سفلت (۴) والاخت لآب
وأم (۵) والاخت لآب (۶) والاخت لآم (۷) والام (۸) والجدة الصحيحة.
وهی التي لا یدخل فی نسبتها الی المیت جد فاسد

باب معرفة الفروض.....

”الفروض المقدره“ یعنی سام مقررہ فی کتاب اللہ چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس۔ ان حصص کو ابتداء سے آخر تک تضعیفاً بھی شمار کیا جاسکتا ہے اور آخر سے ابتداء کی جانب تضعیفاً بھی، یعنی نصف ربع کا دوگنا ہے، اور ربع ثمن سے دوگنا اور سدس ثلث کا نصف ہے۔ جیسے ثلث ثلثان کا نصف۔

ان اسامی مقدرہ کے مالک بارہ (۱۲) قسم کے انسان ہیں جن میں سے چار مردوں سے اور آٹھ عورتوں میں سے ہیں۔

مردوں میں سے ایک باپ، دوسرا جد صحیح (باپ کا باپ)، تیسرا اخیانی بھائی اور چوتھا خاوند ہے۔ عورتوں میں سے آٹھ مندرجہ ذیل ہیں:

زوجہ، بیٹی، پوتی خواہ اس سے بھی نیچے پڑپوتی۔ یعنی بسن، علاقائی بسن، اخیانی بسن، ماں اور جدہ صحیحہ یعنی دادی۔

”جدة صحيحة“ وہ ہے جس کی میت کی نسبت میں جد فاسد نہ آئے یعنی نانا واقع نہ ہو۔ اب مصنف ان بارہ ”اصحاب الفروض“ کی تفصیل بیان کرتے ہیں:



* اما الاب فله احوال ثلاث:

- (۱) الفرض المطلق 'وهو السدس' وذلك مع الابن او ابن الابن 'وان سفل
- (۲) والفرض والتعصيب معاً' وذلك مع الابنة او ابنة الابن وان سفلت
- (۳) والتعصيب المحض 'وذلك عند عدم الولد وولد الابن وان سفل

مردوں میں سے سب سے پہلے ”والد“ ہے جس کی تین مختلف حالتیں ہیں:

(۱) فرض مطلق (۲) فرض اور تعصیب (۳) تعصیب مطلق

پہلی حالت میں اسے سدس (چھٹا حصہ) میت کے مال سے ملے گا جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا یا اس سے بھی کوئی بیٹے ہو گا۔ ایسی صورت میں جائیداد کے چھ حصے بنا کر ایک باپ کو اور باقی ماندہ پانچ حصے بیٹے، پوتے یا پڑپوتے کو (جو بھی ہو گا) دے دیئے جائیں گے۔

دوسری صورت میں ”فرضیت“ اور ”عصوبت“ دونوں کی بنیاد پر اسے حصہ ملے گا جیسے مرنے والے کی صرف بیٹی یا پوتی یا اس سے بھی بیٹے کسی لڑکی کے ساتھ۔

بیٹی یا پوتی کو علی سبیل الفرضیۃ جمع مال میت سے نصف ملے گا اور باپ کو علی سبیل الفرضیۃ سدس (چھٹا حصہ) اور باقی ثلاث علی سبیل العصبۃ لئذا مسئلہ کی صورت چھ سے ہوگی اور مال کی تقسیم اس طرح ہوگی:

اصل مسئلہ (۶) سے

ورثاء	حصص	سبب
بیٹی	نصف (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
باپ	سدس (۱)	علی سبیل الفرضیۃ
باپ	باقی (۲)	علی سبیل العصبۃ

تیسری صورت میں اسے محض ”عصبہ“ ہونے کی بنیاد پر (جبکہ میت کی اولاد پوتے یا ان سے بیٹے کوئی نہ ہو) اصحاب الفروض کے حصص کے بعد باقی سارے کا سارا ملے گا جیسے ”فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث“ یعنی مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور صرف اس کے والدین ہی ہوں تو ماں کو ثلث مال دینے کے بعد باقی دو تہائی مال عصبہ ہونے کی بنیاد

پر باپ کو ملے گا جس کی تقسیم کی صورت (۳) سے ہوگی، یعنی جمع مال تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے گا پھر ماں کو ثلث ایک تہائی (۱/۳) باقی باپ کو دو تہائی (۲/۳) دیا جائے گا۔

اصل مسئلہ (۳) سے

ورثاء	حصص	سبب
ماں	ثلث (۱)	على سبيل الفرضية
باپ	ثلثان (۲)	على سبيل العصوية



* والجد الصحيح كالاب الا في اربع مسائل وسند كرها في مواضعها. ان شاء الله تعالى.

* ويسقط الجد بالاب لان الاب اصل في قرابة الجد الى الميت والجد الصحيح هو الذي لا تدخل في نسبته الى الميت ام
* واما لاولاد الام فاحوال ثلث:

(1) السدس للواحد

(2) والثلث للاثنتين فصاعداً ذكورهم واناثهم في القسمة والاستحقاق سواء

(3) ويسقطون بالولد وولد الابن وان سفل وبالاب والجد بالانفاق

(والجد الصحيح كالاب)

چار مسائل کے علاوہ باقی ماندہ جمیع مسائل میں جد صحیح باپ کے نہ ہونے کی صورت میں باپ ہی کے قائم مقام ہے اور جن چار مسائل میں وہ باپ سے جدا حیثیت میں ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(1) دادی باپ کی موجودگی میں وارث نہیں، جبکہ دادا کے ساتھ وہ بھی وارث ہے۔

(2) متوفی کے والدین اور احد الزوجین کی موجودگی میں والدہ کو احد الزوجین کا فرضی حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے کا اس سے ثلث ملے گا یعنی باقی کا ثلث۔ جبکہ باپ کی بجائے دادا کی موجودگی میں اسے جمیع مال متروکہ سے ثلث ملے گا۔

(3) باپ کی موجودگی میں یعنی اور علاقائی سبھی بھائی ساقط ہوتے ہیں لیکن دادا کی موجودگی میں وارث، ہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ساقط۔

(4) معق کا باپ بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی ولاء کا مالک ہے۔ لیکن دادا معق کے بیٹے کی موجودگی میں غیر مالک۔

خیال رہے! ”ويسقط الجد بالاب“ دادا باپ کی موجودگی میں ساقط ہے، کیونکہ باپ دادے کی میت سے رشتہ داری کے تعلق میں اصل ہے، یعنی میت اور دادے کے تعلق میں باپ کا واسطہ لازماً آتا ہے۔ لہذا باپ کے ہوتے ہوئے جو اقرب الی المیت ہے۔ دادا کیسے وارث ہو؟ اور وراثت میں یہ ایک ضابطہ ہے کہ ”اقرب“ کے ہوتے ہوئے ”ابعد“

محروم ہے، ہاں اس اصل کے خلاف اگر کوئی نص موجود ہو تو وہ معمول بہا ہوگی جیسے ”اولاد الام مع الام“ یعنی اخیانی بھائی جو ماں کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہیں۔

”والجد الصحيح هو الذی.....“ ”جد صحیح“ وہ ہے جس کے میت کی طرف منسوب کرنے میں ”ام“ نہ آئے اگر آئے گی تو وہ ”جد فاسد“ ہوگا۔

”واما لاولاد الام.....“ اخیانی بہنوں اور بھائیوں کی تین حالتیں ہیں:

(۱) اگر ایک بہن یا بھائی ہو گا تو اسے سدس، چھٹا حصہ، جمیع مال میت سے علی سبیل الفرضیۃ ملے گا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت، فلکلی واحدٍ منهما السدس“ سے ثابت ہے۔

(۲) دو یا دو سے زیادہ کو ثلث برطابق ”فان کانوا اکثر من ذلک فہم شرکاء فی الثلث“۔ یاد رہے اخیانی بہن بھائی ثلث کی تقسیم میں برابر ہوں گے کیونکہ ان کا انتساب الی المیت جب ماں کی وساطت سے ہے تو پھر مذکر کو مونث پر فضیلت کیسے حاصل ہوگی، بسبب برابر ہوں گے۔

(۳) متوفی کی اولاد، پوتوں، باپ اور دادا میں سے کسی ایک کی موجودگی میں یہ محروم ہوں گے۔



* واما للزوج فحالتان:

(۱) النصف: عند عدم الولد وولد الابن۔ وان سفل

(۲) والرابع: مع الولد او ولد الابن۔ وان سفل۔

”واما للزوج فحالتان.....“ اصحاب الفروض میں سے چوتھا خاوند ہے، جس کی دو حالتیں ہیں:

(۱) نصف، جبکہ متوفاء کی اولاد اور پوتے نہ ہوں۔ (۲) ”رابع“ جبکہ متوفاء کی اولاد ہو۔

”تصریح“

نصف کا ذکر کتاب اللہ میں تین مقامات پر ہے:

(۱) ”وان كانت واحدة فلها النصف“

(۲) ”ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد“

(۳) ”وله اخت فلها نصف ما ترک“

ربع کا ذکر دو مقام پر:

(۱) ”فان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن“

(۲) ”ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد“

ثمن کا ذکر ایک جگہ پر:

(۱) ”فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم“

ثلثان کا ذکر بھی دو مقام پر:

(۱) ”فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک“ (فی حق البنات)

(۲) ”فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان“ (فی حق الاخوات)

ثلث کا ذکر بھی دو مقام پر:

(۱) ”وان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث“

(۲) ”فان کانوا (اولاد الام) اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث“

سدس کا ذکر تین مقامات پر:

(۱) ”ولابویہ لكل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد“

(۲) ”فان كان له اخوة فلامه السدس“

(۳) ”وله اخ او اخت“ (من اولاد الام) فلكل واحد منهما السدس“

یہ تمام فروض مذکورہ سورۃ نساء کی آیت ۱۱ اور ۱۷ میں مذکور ہیں۔

”وجہ الترتیب“ اصحاب الفروض کی مذکور فی المتن ترتیب میں تقدم و تاخر کی معقول وجہ

یہ ہے:

* باپ کی تقدیم دادے پر تو اس لئے ہے کہ دادا محبوب بالاب ہے اور یہ امر واضح ہے کہ حاجب محبوب سے درجہ میں اقرب الی المیت ہوتا ہے۔ لہذا اس کا ذکر دادا سے پہلے ہی مناسب ہے۔

* ایسے ہی دادا چونکہ اخیانی بھائی بہنوں کے لئے حاجب ہے لہذا اس کا ذکر بھی اخیانیوں سے قبل مناسب ہے۔

* اولاد الام کی تقدیم علی الزوج اس لئے کہ ان کا رشتہ میت سے نسبی ہے جبکہ زوج کا سببی۔

* زوجہ کی تقدیم علی البنات کی اولاد..... وجہ یہ ہے کہ وہ ولادت میں اصل ہے جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ لہذا اس اولیت سے اسے اولاد پر اولیت حاصل ہے۔ ثانیاً..... تاکہ اس کا ذکر زوج کے ذکر سے قریب ہی ہو۔

* بیٹی کو پوتی سے تقدم اقرب الی المیت ہونے کی وجہ اور بیٹی کے عدم کے وقت اس کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے ہے۔

* حقیقی بہن کی پوتی سے تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ وہ پوتی کی بنسبت میت سے بعد ہے کیونکہ پوتی جزء المیت ہے جبکہ بہن جزء اب المیت۔

* اور حقیقی بہن کی علاقائی سے تقدم ایک تو قوت قرابت کی بنیاد پر ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ علاقائی اس کے نہ ہونے پر اس کے قائم مقام ہے۔

* علاقائی بہن کی اخیانی پر تقدم بوجہ باپ کی اقویٰ قرابت کے ہے اور اخیانی بہن کی علی الام اس لئے ہے کہ دو اخیانی بہنیں ماں کے لئے ثلث سے الی السدس حاجب ہیں اور حاجب کو جیسا کہ گزر چکا ہے علی المحجوب تقدم حاصل ہے۔

* ماں کا جدہ پر تقدم اس لئے ہے کہ وہ جدہ کی بنسبت اقرب الی المیت ہے خیال رہے!

اصحاب الفروض میں مردوں کے گروپ میں باپ کی تقدیم سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورتوں کے گروپ میں ماں کا ذکر بھی باقی ماندہ عورتوں کے ذکر پر مقدم ہو کیونکہ ماں کے حصہ کی معرفت جب اخوات کے وجود کی معرفت پر من وجہ موقوف ہے تو ان سے قبل ماں کا ذکر کیسے ممکن ہے؟

”فوائد“

(۱) جدۃ کی ”تقیید بالصحیحة“ سے معلوم ہوتا ہے کہ جدہ غیر صحیحۃ اصحاب الفروض سے نہیں جیسے جد فاسد بلکہ یہ دونوں ذوا الارحام سے ہیں جن کی وراثت بالقرابت ہے نہ کہ بالعصوبت اور بالفرض۔

(۲) جدۃ فاسدۃ وہ ہے جس کے انتساب الی المیت میں جد فاسد آئے اور جد فاسد وہ جس کے انتساب الی المیت میں ام آئے، اس لحاظ سے جدۃ صحیحۃ منسوب الی المیت بواسطہ اثاث یا بواسطہ ذکور یا بخلوط الاثاث والذکور ہو سکتی ہے جیسے علی الترتیب ذیل کی امثلہ سے واضح ہے:

* کام الام وام ام الام نانی اور نانی کی ماں۔

* کام الاب وام اب الاب دادی اور دادے کی ماں۔

* کام ام الاب، دادی کی ماں جو ذکر واثی دونوں کی وساطت سے منسوب ہے۔

ان تینوں طرح کا انتساب رکھنے والی جدۃ ”جدۃ صحیحۃ“ ہوگی اور ”جد صحیح“ کی طرح صاحب فرض۔ جدۃ فاسدۃ کے انتساب میں، جد فاسد کے باعث، وہ منسوب الی المیت ذکور واثاث دونوں سے ہوگی۔ جیسے: کام اب الام وام اب ام الاب نانے کی ماں اور دادی کی دادی۔ ان دونوں کے انتساب میں جد فاسد موجود ہے اور دونوں کا انتساب بالذکر والانثی ہے۔ لہذا یہ جدۃ فاسدۃ، جد فاسد کی طرح صاحب فرض نہیں۔

”وجہ سقوط اولاد الام بالاصل والفرع“

اولاد الام بالولد وولد الابن وبالبجد ساقط ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ارث ایسے مورث سے مشروط ہے جو وصف کلالۃ سے متصف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرء ہلک لیس لہ ولد ولہ اخت“ اور آپ کی حدیث: ”الکلالۃ من لیس لہ ولد ولا والد“ مراہیل ابو داؤد سے ثابت ہے۔

بہ یہ شرط بوجہ اصل اور فرع کے پائے جانے سے مفقود ہوگی تو اولاد الام وارث کیسے ہوگی؟ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ساقط الاعتبار عن الارث ہوگی۔



فصل فی النساء

- (۱) اما للزوجات فحالتان:
- * الربع، للواحد فصاعداً عند عدم الولد وولد الابن وان سفل
 - * والثلث، مع الولد او ولد الابن - وان سفل
 - (۲) واما لبنات الصلب، فاحوال ثلث:
 - * النصف للواحدة
 - * الثلثان للثنتين فصاعداً
 - * مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصيهن

النساء من اصحاب الفروض

اب عورتوں میں سے اصحاب الفروض کا بالترتیب مصنف بیان کرتے ہیں:

(۱) زوجات:

- بیویوں کے لئے خواہ ایک ہو یا زیادہ دو حالتیں ہیں:
- * ربع، چوتھا حصہ، جمع مال میت سے۔ (جبکہ میت کی اولاد یا پوتے یا ان سے بھی نیچے کوئی نہ ہو)
 - * ثمن، آٹھواں حصہ۔ جبکہ میت کی اولاد یا پوتے موجود ہوں، خواہ میت کی اولاد وارث بننے والی بیوی سے ہو یا کسی دوسری مطلقہ بیوی سے جس کی عدت ختم ہو چکی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے فرامین ”ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لکم ولد“ اور ”فان كان لکم ولد فلهن الثمن“ ان ہی مذکورہ دو حالتوں کی وضاحت کرتے ہیں جن میں ”للذكر مثل حظ الانثيين“ کی رعایت موجود ہے۔

خیال رہے! معتمدہ بطلاق رجعی ومعتمدہ بطلاق الفارعدت میں واٹ ہوں گی اور اگر کوئی ایسی صورت ہو جس میں طلاق کا مطالبہ عورت کی جانب سے ہو جیسے ”خلع“ وغیرہ تو ایسی صورت میں وہ وارث نہ ہوگی۔

”واما لبنات الصلب.....“ حقیقی بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں:

(۱) میت کی ایک بیٹی ہو تو اسے جمیع ترکہ کا نصف مثلاً اگر ایک بیٹی اور چچا ہوں تو مال کی تقسیم یوں ہوگی۔ کل مال کا نصف بیٹی کو اور باقی بوجہ عصبہ ہونے کے چچا کو۔

اصل مسئلہ (۲) سے

ورثاء	حصص	سبب
بیٹی	نصف (۱)	علی سبیل الفرضیۃ
چچا	باقی نصف (۱)	علی سبیل العصبۃ

(۲) جب بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں گی تو انہیں جمیع سے دو تہائی مال ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک“ سے صراحتاً تو ”فوق اثنتین“ کا حکم معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں دو تہائی میت کے ترکہ سے ملے گا لیکن دو کے حکم میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں دو کا حکم وہ ہی ہے جو ایک کا یعنی ان کو بھی ترکہ میں سے نصف ملے گا جیسے واحدہ کو نصف ملتا ہے۔ اس لئے کہ ”فوق اثنتین“ کے الفاظ ظاہراً اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ ثلثان دو سے زیادہ کا حق ہے نہ کہ دو کا۔

باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک دو اور جماعت کے حکم میں کوئی فرق نہیں جیسے جماعت کو ثلثان ملتا ہے تیسے دو بیٹیوں کو بھی ثلثان ملے گا جس کی تین وجوہات ہیں:

الوجه الاول وجه الاشارة:

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں اور بیٹیوں کے اختلاط کی صورت میں ترکہ کی تقسیم کا جو ضابطہ ”للذکر مثل حظ الانثیین“ بیان فرمایا ہے۔ اس اختلاط کا ادنیٰ مرتبہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ ظاہر ہے جب بیٹے کو اس ضابطہ کے مطابق دو گنا ملے گا تو وہ بیٹی کے حصہ کے مقابلہ میں ثلثان ہو گا اور بیٹی کو اس کے مقابلہ میں نصف، ایک ثلث تو اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب بیٹیاں دو ہوں گی تو انہیں ثلثان ملے گا۔

اولاً: اس لئے کہ جب دو بیٹیاں ایک بیٹے کے قائم مقام ہیں تو پھر جو کچھ ایک بیٹے کو ملے گا وہی کچھ دو بیٹیوں کو بھی، بیٹے کے نہ ہونے پر ملنا چاہئے۔

ثانیاً: اس اعتبار سے کہ جب بیٹے کے مقابلہ میں ایک بیٹی کو ایک ثلث ملتا ہے تو دو کو، بیٹے

کے نہ ہونے پر دو گنا (ثلثان) ملنا چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دو کے حکم کو بیان کرنے کی ضرورت نہ محسوس کرتے ہوئے مافوق کا حکم بیان فرمایا۔

یعنی جب لڑکیاں جماعت کی صورت میں ہوں، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہوں، انہیں اتنا کچھ ہی ملے گا جتنا دو کو ملتا ہے۔ یعنی ثلثان اس سے زیادہ کی وہ حق دار نہیں۔

الوجه الثانی:

جب دو بہنیں میت کا اصل اور فرع نہ ہونے پر ثلثان کا حق رکھتی ہیں تو دو بیٹیاں جو ان سے زیادہ اقرب الی المیت ہیں وہ کیونکر ثلثان کی حق دار نہ ہوں گی؟

الوجه الثالث:

متوفی کی مخلوط اولاد میں جب ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوں جو آپس میں بہن بھائی ہیں تو بہن کو ”للدکر مثل حظ الانثیین“ کے اصول کے مطابق بھائی کے مقابلہ میں ایک ثلث ملتا ہے تو کوئی وجہ نہیں اسے دوسری بہن کے ساتھ جب بھائی نہ ہو ثلث نہ ملے۔ ایسے ہی دوسری بہن کو بھی اپنی پہلی بہن کے ساتھ ثلث ملے گا۔ نتیجتاً دونوں بہنوں کا حق بھائی کے نہ ہوتے ہوئے ثلثان ہو گا۔ ایک بہن کو اس ضابطہ کے مطابق ایک ثلث ملتا ہے تو دو بیٹیوں کو بیٹے کے نہ ہونے کی صورت میں دو ثلث ملنا چاہئے۔

(۳) تیسری حالت میں جب بیٹی، بیٹیوں کے ساتھ میت کے بیٹے بھی ہوں تو پھر مال کی تقسیم ”علی سبیل العصبۃ“ ”للدکر مثل حظ الانثیین“ ہو گی، یعنی بیٹا بیٹیوں کو عصبہ بنا دے گا۔



- (۳) وبنات الابن کبنات الصلب' ولهن احوال ست:
- * النصف للواحدة
 - * والثلاثان للاثنتين فصاعداً' عند عدم بنات الصلب
 - * ولهن السدس مع الواحدة الصلبة تكملة للثنتين
 - * ولا يرثن مع الصليبتين
 - * الا ان يكون بحذانهن او اسفل منهن غلاماً فيعصبهن والباقي بينهم للذكر
 - مثل حظ الانثيين
 - * ويسقطن بالابن

”وَبَنَاتُ الْاِبْنِ كَبَنَاتِ الصَّالِبِ.....“

پوتیوں کی وراثت میں کل چھ حالتیں ہیں، تین سابقہ بیٹیوں والی اور تین مزید، لہذا اب بالترتیب مصنف ان کا ذکر کرتے ہیں:

- (۱) پہلی حالت میں بیٹی کی مانند اگر ایک پوتی ہو تو اسے نصف جمیع مال میت سے ملے گا۔
- (۲) اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں گی تو انہیں جمیع مال سے ثلثان۔ یعنی جمیع مال سے دو تہائی ملے گا، ان دو حالتوں میں انہیں مذکورہ حصہ تب ہی ملے گا جبکہ حقیقی دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں نہ ہوں، اگر دو حقیقی بیٹیاں ہوں گی تو وہ بالکلیہ محروم ہوں گی۔
- (۳) اگر حقیقی بیٹی ایک ہو جسے جمیع مال میت سے نصف ملتا ہے تو پھر پوتیوں کو مکملہ ثلثان کی بنیاد پر سدس۔ یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔ اس لئے کہ بیٹیوں کے حق ثلثان سے جب ایک بیٹی صلیبی کو نصف، ترکہ سے ملے گا تو باقی ان کے حق سے سدس ہی بچے گا جو پوتیوں کو دیا جاسکتا ہے خواہ پوتی ایک ہو یا زیادہ۔

بیٹی اور پوتیوں کے ثلثان کے بعد جو ترکہ میں سے ثلث بچے گا وہ اولیٰ عصبتہ کو دیا جائے گا۔ اولیٰ عصبتہ کے عدم پر اسے دوبارہ بیٹی اور پوتیوں پر ان کے حصص کے مطابق رد کر دیا جائے گا۔

”تنبیہ“

خیال رہے! پوتیاں ایک صلیبی بیٹی کے ساتھ ذوات الفروض سے ہوں گی لہذا، بیٹی کے

نصف حصہ کے بعد وہ سدس "تکملة للثلثین" وصول کریں گی۔ اگر پوتیوں کے ساتھ ان کے درجہ میں کوئی پوتا بھی ہو تو پھر وہ عصبات میں سے ہوں گی۔ لہذا بیٹی کے نصف کے بعد باقی ان میں "للدکر مثل حظ الانثیین عصبۃ" تقسیم ہو گا۔ اور اگر پوتیوں کے ساتھ کوئی ایسا پوتا بھی ہو جو درجہ میں ان سے اسفل ہو تو پھر بیٹی کو نصف اور پوتیوں کو سدس علی سبیل الفرض ملے گا اور باقی ثلث اسفل پوتے کو "علی سبیل العصبۃ" دیا جائے گا۔

(۴) "ولایرثن مع الصلیبیین....." عند عامة الصحابة رحمہم اللہ اگر دو حقیقی بیٹیاں ہوں گی تو پھر وہ وراثت سے محروم ہوں گی کیونکہ دو ثلث جو زیادہ سے زیادہ بیٹیوں کو دیا جاسکتا ہے وہ بیٹیوں کے قبضہ میں جا چکا ہے، لہذا یہ محروم۔ ہاں ابن عباس رحمہم اللہ کے نزدیک دو بیٹیوں کا حصہ جب ایک کے برابر ہے تو باقی سدس انہیں ملے گا۔

(۵) "الا ان یکون بحدانہن" ہاں اگر دو بیٹیوں کی موجودگی میں ان کے ساتھ کوئی پوتہ بھی ہو تو وہ ان کو عصبہ بنادے گا جس کی بنیاد پر باقی ایک ثلث پوتے اور پوتیوں میں "للدکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

عام ہے کہ وہ پوتا غلام ان کا حقیقی بھائی ہو یا پچازاد بھائی۔ ہر حال میں وہ انہیں عصبہ بنا دے گا جیسے صلبی (حقیقی) بیٹا حقیقی بیٹی کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ لہذا باقی ثلث پوتے اور پوتیوں میں "للدکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہو گا جس کی دلیل یہ ہے کہ جب پوتا اپنے درجہ کی پوتیوں کو جبکہ میت کا حقیقی بیٹا نہ ہو جمع ترکہ کے استحقاق میں عصبہ بنا لیتا ہے تو پھر حقیقی دو بیٹیوں سے بچے ہوئے ایک ثلث کے استحقاق میں ان کو عصبہ کیوں نہ بنائے گا؟

عام صحابہ کرام رحمہم اللہ اور جمہور علماء کا یہی خیال ہے لیکن حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ کے نزدیک:

أَوَّلًا: وہ اپنے درجہ کی اناث کو عصبہ نہیں بنا سکتا کیونکہ اناث کے عصبہ بن جانے سے جب باقی ان میں تقسیم کیا جائے تو اناث کا حصہ ثلثان سے زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ دو حقیقی بیٹیوں کو ثلثان تو پہلے ہی مل چکا ہے۔ اب پوتیوں کے عصبہ بن جانے پر باقی ثلث پوتے اور پوتیوں میں تقسیم ہو گا تو ظاہر ہے بنات (بیٹیوں اور پوتیوں) کا حصہ ثلثان سے زیادہ ہو گا۔ لہذا حضرت ابن مسعود رحمہم اللہ کے ہاں وہ عصبہ نہیں بن سکتیں اس لئے باقی ثلث بتمامہ پوتے کو دیا جائے گا۔

ثانیاً: انہی اس وقت عصبتہ بالذکر ہوتی ہے جبکہ وہ اس کے بغیر صاحب فرض ہو جیسے بیٹیاں اور اخوات اپنے اپنے بھائی کے نہ ہونے پر صاحب فرض ہیں لہذا یہ بھائی کے ساتھ عصبتہ ہوں گی لیکن جب انہی کی یہ پوزیشن نہ ہو تو وہ بالذکر عصبتہ نہیں ہو سکتی جیسے بنات الاخوة والاعمام اپنے اپنے بھائی کے ساتھ عصبتہ نہیں کیونکہ وہ بھائیوں کے بغیر صاحب فرض نہیں۔

بہر اہل علم نے ان دونوں اولیٰ کا بالترتیب مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔ پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ دو حقیقی بیٹیوں کا استحقاق بالثبثین بالفرض ہے جبکہ پوتیوں کا بالتعصیب لہذا جب استحقاق کے دو علیحدہ علیحدہ اسباب ہوں گے تو ایک کو دوسرے سے ضم کرنا کیسے درست ہوگا؟ اور جب انضمام ہی نادرست ہو گا تو پھر ثلثان پر زیادتی کیسے لازم آئے گی؟ دوسرے استدلال کا جواب یوں ہے کہ پوتی پوتے کے نہ ہونے پر صاحب فرض ہے لیکن اس جگہ دو حقیقی بیٹیوں کے وجود سے محبوب ہے لہذا جب وہ عند الانفراد عن ابن الابن صاحب فرض ہے تو پھر وہ کیونکر عصبتہ نہ ہوگی؟

باقی حجب کا معاملہ امر عارض ہے جو ناقابل اعتبار ہے اور بنات ابن کا قیاس علی بنات الاخوة والاعمام قیاس مع الفارق ہے کیونکہ بنات الاخوة والاعمام عند الانفراد عن بنہم ای اخوانہن صاحب فرض نہیں لہذا ان پر مسئلہ مذکور کا قیاس صحیح نہیں۔

خیال رہے! یہ اختلاف تو اس وقت ہے جبکہ غلام معصوب پوتیوں کے درجہ کا ہو اور اگر ان سے اسفل ہو تو پھر بھی عند الحنفیہ حکم یہی ہے کہ اسفل کے درجہ اور اس سے اعلیٰ درجہ کی سبھی پوتیاں عصبتہ ہو جائیں گی اور باقی مال ان میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو گا۔ بعض متاخرین کے ہاں اسفل غلام اپنے سے اعلیٰ درجہ کی پوتیوں کو عصبتہ نہیں بنا سکتا۔

اولاً: اس لئے کہ مذکر اپنے درجہ کی اناث کو تو عصبتہ بناتا ہے لیکن اپنے سے اعلیٰ درجہ کی اناث کو نہیں جیسے پوتا حقیقی بنات کو جو درجہ میں اس سے اعلیٰ ہیں عصبتہ نہیں بناتا۔

ثانیاً: اگر کوئی مذکر اپنے سے اعلیٰ درجہ کی اناث کے لئے معصوب ہو تو پھر اس سے خود اس کی وراثت سے محرومی لازم آئے گی کیونکہ عصبیت کی ارث میں اقرب فالاقرب کا لحاظ ہوتا ہے۔ خواہ اقرب مومن ہو یا مذکر جیسے اخت مع البنت کے عصبتہ ہونے پر ابن اللخ محروم ہو

جاتا ہے لہذا جب غلام اسفل خود بوجہ اعلیٰ پوتی کے عصبتہ بن جانے پر جمیع ترکہ پر عصبتہ قبضہ کر لینے سے محروم ہو گا تو اس میں دوسرے کو عصبتہ بنانے کی صلاحیت کیسے ہوگی؟ نتیجتاً ایسا اسفل غلام اپنے سے اعلیٰ درجہ کی کسی پوتی کے لئے معصوب نہ ہو گا اور جمیع مابقی ترکہ کا وہ خود مالک ہو گا۔

صاحب شریفیہ کے ہاں:-

أَوَّلًا: اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ اعلیٰ درجہ کی انثیٰ غلام کے درجہ پر ہونے کی صورت میں عصبتہ ہو جاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں غلام سے اقرب الی المیت ہونے کی صورت میں وہ عصبتہ نہ ہو بلکہ وہ عصبتہ ہونے میں اولیٰ ہوگی۔

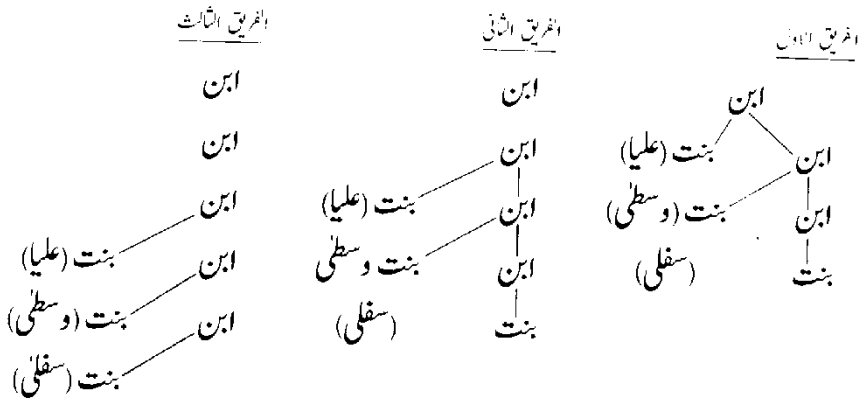
ثَانِيًا: یہ کیسے ممکن ہے کہ غلام کے درجہ کی انثیٰ ٹو مستحق للارث ہو لیکن جو اس سے اقرب ہے وہ نہ ہو۔ کافی حد تک یہ محال سی بات نظر آتی ہے۔

(۶) پوتیوں کی چھٹی حالت یہ ہے کہ اگر میت کا کوئی حقیقی بیٹا ہو گا تو پھر وہ ساقط الاعتبار یعنی وراثت سے محروم ہوں گی۔



ولو ترك ثلاث بنات ابن بعضهن اسفل من بعض وثلاث بنات ابن ابن آخر بعضهن اسفل من بعض وثلاث بنات ابن ابن آخر بعضهن اسفل من بعض بهذه الصورة:

میت



العليا من الفريق الاول لا يوازيها احد، والوسطى من الفريق الاول توازيها العليا من الفريق الثاني، والسفلى من الفريق الاول توازيها الوسطى من الفريق الثاني والعليا من الفريق الثالث، والسفلى من الفريق الثالث لا يوازيها احد اذا عرفت هذا فنقول: للعليا من الفريق الاول النصف، وللوسطى من الفريق الاول مع من يوازيها السدس تكملة للثلثين، ولا شئني للسفليات الا ان يكون معهن غلام فيعصبهن من كانت بحذانه ومن كانت فوقه ممن لم تكن ذات سهم ويسقط من دونه

ولو ترك ثلاث بنات ابن

مسئله التشبيب

اس مسئله اور اس كى شكل وصورت بيان كرنے سے غرض صرف اتنى ہے كہ جب پوتيوں كے احوال ستہ كے بيان ميں ان كى حالت رابعہ كا ذكر يوں آيا كہ ”ولا يرثن مع

الصلبتین“ تو اس سے یہ سوال، استفسار پیدا ہوا کہ جب پوتیاں درجات میں مختلف ہوں گی تو کیا وہ تقسیم مال میں برابر ہوں گی یا متفاوت؟ لہذا پوتیوں کی اس مختلف درجات کی شکل و صورت کے حکم اور اس کی وضاحت کے لئے مصنف اس مسئلہ کو لائے ہیں جسے اہل فن کے ہاں ”مسئلة التشييب“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اپنی دقت و حسن، نیز تشييد اذان اور ميلان آذان میں تشييب شاعر سے مشابہت رکھتا ہے، تو اس کی صورت و وضاحت یوں ہے کہ:

ایک انسان متوفی اپنے پیچھے تین مختلف بیٹوں سے مختلف مدارج کی تین تین پوتیاں چھوڑ جاتا ہے۔ متوفی کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب مختلف درجات کی پوتیاں وراثت میں برابر ہوں گی یا اقرب فالاقرب کا خیال رکھتے ہوئے صرف اقرب پوتیوں میں مال تقسیم ہوگا؟ تو اس کا جواب مصنف ان الفاظ میں دیتے ہیں:

”للعيا من الفريق الاول“ یعنی پہلے بیٹے کی پہلی بیٹی جو سب سے میت کے اقرب ہے اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف مال کی مالک ہوگی اور اس کی دوسرے درجے کی بیٹی یعنی پوتی دوسرے بیٹے کی پوتی کے ساتھ مل کر جو مرتبے میں اس کے برابر ہے۔ سدس مال میت۔ یعنی چھٹا حصہ۔ آپس میں تقسیم کریں گی اور جو ان سے نیچے ہوں گی وہ مال سے محروم رہیں گی کیونکہ بیٹیوں اور پوتیوں کا جو زیادہ سے زیادہ حصہ ہے وہ دو تہائی ہی ہے اور وہ پہلے درجے کی پوتی اور دوسرے درجے کی پوتیوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔

ہاں اگر نچلے درجے کی پوتیوں کے ساتھ کوئی پوتا بھی ہو تو وہ ان پوتیوں کو جو اس کے برابر یا درجے میں اوپر کی ہوں گی ماسوائے ان پوتیوں کے جو اصحاب الفروض سے ہیں سب کو عصبہ بنا دے گا، لہذا مابقی ایک ثلث مال میت ان میں عصبہ ہونے کی بنیاد پر ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا اور جو پوتیاں اس پوتے سے نیچے ہوں گی وہ عصبہ نہ بن سکیں گی لہذا وہ مال سے بھی محروم ہوں گی۔

تنبیہ:

خیال رہے! لبنات الابن میں سے علیات خواہ وہ کسی بھی درجہ میں ہوں جب وہ ثلثان کو اخذ کر لیں تو بعدہ ذکور و اناث کے اختلاط کی صورت میں عام صحابہ مجتہدین کے ہاں اناث بالذکور عصبہ ہوں گی اور مابقی ثلث ان میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں باقی من انثین یعنی ایک ثلث صرف ذکور کے لئے ہو گا جیسا کہ پیچھے لایونٹن مع الصلبتین کی بحث میں گزر چکا ہے کیونکہ ان کے ہاں ابن الابن، پوتوں کے لئے معصب نہیں اور اگر ایک علیا کے بعد ذکور و اناث کا اختلاط موجود ہو جس نے اپنا حصہ نصف اخذ کیا ہے تو ایسی صورت میں اگر ذکور کی تعداد اناث سے زیادہ یا مساوی ہے تو پھر باقی ان میں بالاتفاق بین عامۃ الصحابہ وابن مسعود رضی اللہ عنہم "للذکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہو گا کیونکہ اس صورت میں اناث کا حصہ ثلثان سے زیادہ نہیں بڑھتا۔ مثلاً: کسی متوفی کے ورثاء میں ایک پوتی، تین پڑپوتے اور تین پڑپوتیاں ہوں تو جمع ترکہ سے پوتی کو نصف اور پڑپوتوں کو "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق سداں اور پڑپوتوں کو سدس حصہ میں آئے گا۔

ظاہر ہے پوتی کے نصف اور پڑپوتوں کے سدس کو جمع کرنے سے جمع ترکہ میں سے بنات (پوتی اور پڑپوتوں) کو ثلثان ہی حاصل ہوا۔ لہذا معلوم ہوا مساوات کی صورت میں بنات کا حصہ ثلثان سے نہیں بڑھتا اور اگر پڑپوتے زیادہ ہوں پھر تو بنات کا حصہ ثلثان سے بھی کم ہو گا ہاں اگر پڑپوتیاں پڑپوتوں سے زیادہ ہوں تو پھر ان کا حصہ ثلثان سے بڑھ سکتا ہے۔

اس صورت میں بھی عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک باقی کی تقسیم "للذکر مثل حظ الانثیین" ہو گی لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ایسی صورت میں اناث کے لئے سدس ہو گا۔ کیونکہ ان کا یہ نظریہ ہے کہ مقاسمہ اور سدس میں سے جو بھی کم ہو اناث کو اس کے مطابق دیا جائے اس لئے کہ وہ ثلثان سے زیادہ بنات کو دینے کے حق میں نہیں۔



واما للاخوات لاب وام' فاحوال خمس:

- (۱) النصف للواحدة
- (۲) والثلاثان للاثنتين فصاعداً
- (۳) ومع الاخ لاب وام للذكر مثل حظ الانثيين' يصرن به عصبه لاستوانهم في القرابة الى المیت
- (۴) ولهن الباقي مع البنات' او بنات الابن لقوله عليه السلام: "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبه"

یعنی بہنوں کی پانچ حالتیں ہیں لیکن مصنف نے چار کا تو ذکر کیا ہے اور پانچویں کو اختصار کا خیال رکھتے ہوئے علاقائی بہنوں کے حالات میں بیان کریں گے:

(۱) پہلی حالت میں جب بیٹی بن ایک ہو' اولاد نہ ہونے کی صورت میں اسے "نصف" مال میت سے ملے گا' جیسے ایک حقیقی بیٹی کو نصف ملتا ہے۔ لقوله تعالیٰ: "وله اخت فلها نصف مما ترک"

(۲) اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ دو تہائی مال میت سے حصہ دار ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فان كانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک" کا یہی تقاضا ہے۔

"فواند"

* "فان كانتا اثنتین" سے مراد یعنی یا علاقائی اخوات ہیں کیونکہ اخیا فی اخوات کے احوال کا علم آیت الموارثہ میں پیچھے حاصل ہو چکا ہے۔

* اخوات کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے دو کے استحقاق للثلاثین کی تفصیل کی ہے جبکہ بنات کے بیان میں بمافوقہما کے استحقاق للثلاثین کی اس سے بطریق اولیت معلوم ہوتا ہے کہ دو بیٹیوں کا استحقاق دو بہنوں کے استحقاق للثلاثین سے کم نہیں کیونکہ بیٹیاں بہنوں کی بنسبت اقرب الی المیت ہیں۔

* یعنی بھائی کی موجودگی میں "وان كانوا اخوات رجالاً ونساءً فللذكر مثل حظ الانثیین" کے مطابق عصوبہ ترکہ میں حصہ دار ہوں گی۔

بعض اہل علم متوفی کے مندرجہ ذیل ورثاء بنت' واخ لاب وام' واخت لاب وام میں

سے بنت کو نصف دینے کے بعد مابقی نصف، بہن کو محروم رکھتے ہوئے بھائی کو دینے کے حق میں ہیں جس کی دلیل میں وہ آپ کا فرمان "فما افنته الفرائض فلا ولی رجل ذکر" پیش کرتے ہیں۔ یعنی اصحاب الفروض سے جو ترکہ بچے وہ اقرب الی المیت مذکر عصبہ کے لئے ہے نہ کہ کسی مونث کے لئے خواہ وہ عصبہ بالاخ ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن یہ قول اس لئے مردود ہے کہ اہل علم کا متوفی کے ورثاء بنت، و بنت ابن، وابن ابن میں سے بیٹی کو نصف دینے کے بعد اس بات پر اجماع ہے کہ مابقی نصف پوتی اور پوتے میں "للمذکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہو گا۔ ایسے ہی اس بات پر بھی اجماع ہے کہ متوفی کے ورثاء میں جب بنت، وعم اور عمت ہوں تو بیٹی کو نصف دینے کے بعد مابقی نصف، صرف عم کے لئے ہو گا۔ عمت کو کچھ نہ ملے گا۔

یعنی یہ دونوں مسائل اجتماعی ہیں جن میں سے پہلے میں پوتی مابقی میں پوتے کے ساتھ "للمذکر مثل حظ الانثیین" کے اعتبار سے شریک ہوگی اور دوسرے میں پھوپھی چچا کے ساتھ شریک نہ ہوگی۔ لیکن اس کے ساتھ اہل علم کا اخ اور اخت مع البنات میں اختلاف ہے کہ آیا بنت کے حصہ کے بعد مابقی میں، اخت مع الاخ وارث ہوگی یا نہیں۔

حنفیہ اس مختلف فیہ مسئلہ کا الحاق پہلے مسئلہ سے دوسرے کی بنیست اولیٰ سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے اہل علم دوسرے مسئلہ کے ساتھ جس کی دلیل امام طحاوی رحمہ اللہ "شرح الآثار" میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب متوفی کی پوتی اور پوتے کے ساتھ بیٹی نہ ہو اور ایسے ہی جب بھائی اور بہن کے ساتھ بھی بیٹی نہ ہو تو ترکہ پوتے اور پوتی نیز بھائی اور بہن میں تقسیم ہوتا ہے بخلاف چچا پھوپھی کے، جب ان کے ساتھ بیٹی نہ ہو تو جمع ترکہ چچا کو ملتا ہے۔ لہذا یہ ہی حال بیٹی کے ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کے بعد مابقی میں بھی ہو گا۔

(۴) اگر میت کی بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو ایسی صورت میں ان کے حصہ کے بعد جو کچھ ترکہ میں سے بچے گا، اسے اخوات، آپ کے فرمان "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبہ" آپس میں تقسیم کریں گی۔

اس صورت میں بھی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور اہل علم کے نزدیک اخوات مع البنات عصبہ ہوں گی لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی مع البنات تعصیب کے قائل نہیں بلکہ جب بیٹی

اور اخت جمع ہوں تو وہ صرف بیٹی کو نصف حق دار سمجھتے ہیں جبکہ اخت کو بالکلیہ محروم۔ کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے دریافت کیا کہ وہ تو بنت کے نصف کے بعد باقی نصف اخت کو دینے کے قائل ہیں تو اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”انتم اعلم ام اللہ تعالیٰ؟“ ”کیا اللہ تعالیٰ زیادہ علم رکھتا ہے یا تم؟“

استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما:

اللہ تعالیٰ کی کلام ”ان امرء ہلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترک“ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متوفی کی اولاد اخت کے لئے حاسب ہے اور اولاد میں جیسے مذکر داخل ہے تیے مونث بھی داخل ہے لہذا بنت حاسب ہوگی جیسے فی حجب الام من الثلث الی السدس اور حجب الزوج من النصف الی الربع نیز حجب الزوجة من الربع الی الثمن ان تینوں جہات میں لفظ ”ولد“ مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہے کیونکہ بیٹی بھی ان صورتوں میں حاسب ہے۔ لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں اخت مع البنت عصبۃ حق دار نہ ہوگی۔ بخلاف بھائی کے جو مابقی من البنت کا بالعصبۃ حق دار ہوگا۔

بہن کی عصبۃ چونکہ بنفسہا نہیں بلکہ وہ بالغیر عصبۃ ہوتی ہے بشرطیکہ غیر عصبۃ ہو لہذا بہن بیٹی کے ساتھ عصبۃ نہ ہوگی کیونکہ بیٹی عصبۃ بنفسہا نہیں۔ نتیجتاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بہن کو بیٹی کے حصہ کے بعد باقی سے کچھ نہ ملے گا۔

جواب عن استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما:

اللہ تعالیٰ کے فرمان ”لیس له ولد“ سے مراد مذکر ہے جس کی دلیل ”وہو یرثہا ان لم یکن لہا ولد“ میں ولد سے مراد بالاقاق بیٹا ہے۔ کیونکہ بھائی بیٹی کے ہوتے ہوئے وارث ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا وہاں بھی ولد سے مراد بیٹا ہے۔ اس کی تائید ذیل کی روایت سے بھی ہوتی ہے:

”عن ہذیل بن شرحبیل ان رجلاً سئل ابا موسیٰ الاشعری عن عمہ خلف بنتہ و بنت ابن واختہ فقال للبنت النصف والباقی للاخت“ ثم قال للسانل سل عن ذلک ابن مسعود عنہما واخبرنی عما یحبیب بہ الخ“ (بخاری شریف)

”یعنی جب کسی نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ ورثاء کی میراث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا بیٹی کو نصف ترکہ اور باقی نصف اخت

کو ملے گا لیکن ان کے فرمانے پر جب سائل نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس تکملاً للثلثین اور ما بقی ثلث اخت کو دیا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمانے لگے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اخت مع البنت عصبة ہے لہذا اسے ما بقی عصبة ملے گا۔



والاخوان لاب كالأخوات لاب وام' ولهن احوال سبع:

(١) النصف للواحدة

(٢) والثلاثان للثنتين فصاعداً عند عدم الاخوات لاب وام

(٣) ولهن السدس مع الاخت لاب وام تكملة للثنتين

(٤) ولا يرثن مع الاختين لاب وام الا ان يكون معهن اخ لاب فيعصبهن

(٥) والباقي بينهم للذكر مثل حظ الانثيين

(٦) والسادسة: ان يصرن عصبه مع البنات او بنات الابن لما ذكرنا

(٧) وبنو الاعيان والعلات كلهم يسقطون بالابن' وابن الابن' وان سفل' وبالباب

بالاتفاق وبالجهد عند ابي حنيفة رحمہ اللہ ويسقط بنو العلات ايضاً بالاخ لاب وام'

وبالاخت لاب وام اذا صارت عصبه

علاقى بنين، عيني بنون كى سابقه مذكوره پانچ حالتوں كے علاوہ مزید دو حالتیں ركھتى ہيں:

(١) جب ايك ہوگى تو اسے جمع مال ميت سے نصف ملے گا۔

(٢) جب دو يا دو سے زيادہ ہوں گى تو ثلثان يعنى دو تہائى جمع مال سے۔ بشرطيكہ عيني بنين

موجود نہ ہوں۔

(٣) اگر حقيقى بہن ايك ہوگى تو پھر "تكملة للثنتين" كے بنياد پر "سدس" جمع مال سے

انہیں ملے گا۔

(٤) اگر دو بنين حقيقى ہوں گى تو پھر وہ وراثت سے محروم، كيونكہ وہ دونوں ثلثان كو تملك

طور پر حاصل كر چكى ہيں لہذا، اخوات لاب كے لئے كچھ بچا ہي نہیں كہ انہیں ملے۔

(٥) اگر ان كے ساتھ كوئى علاقى بھائى ہو جو انہیں عصبه بنا دے تو پھر باقى ثلث ان ميں

"للذكر مثل حظ الانثيين" تقسيم ہو گا۔ اس لئے كہ عيني بہن بھائيوں كى ميراث كا

عمل قائم مقام صلبى اولاد كے ہے اور علاقى بہن بھائيوں كا قائم مقام اولاد الابن كے۔

يعنى اور علاقى بھائى، اولاد الابن اور اولاد صلبى ميں سے بمنزلہ ان كے ذكر كے ہيں

جبكہ ان كى اناث، اولاد الابن اور اولاد صلبى ميں سے بمنزلہ ان كى اناث كے۔ لہذا

ايك عيني بہن كى موجودگى ميں علاقى بنون كو سدس ملے گا جبكہ دو كى موجودگى ميں

علاقہ بنیں محروم۔ ہاں اگر ان کے ساتھ کوئی معصوب بھائی ہو تو پھر باقی ثلث ان میں "للدکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہو گا۔

(۶) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ" کے مطابق عصبہ ہو جائیں گی۔ یہی قول اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل علم کا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اخوات کی مع البنات تعصیب کے قائل نہیں۔ یہاں ماتن رحمہ اللہ نے لفظ "السادۃ" کی تصریح محض اس لئے کی ہے کہ "الا ان یکون منهن اخ" کے استثناء سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حالت رابعہ کا تتمہ ہے بلکہ یہ حالت خامسہ ہے۔

(۷) یعنی اور علاقہ بھائی، بیٹیوں، پوتیوں اور باپ کے ہوتے ہوئے وراثت سے ساقط یعنی محروم ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں تو دادا کی موجودگی میں بھی وہ محروم ہیں نیز علاقہ، یعنی بہن، بھائی کی موجودگی میں بھی محروم ہیں۔ جبکہ عینی بہن مع البنت یا مع بنت الابن عصبہ ہو۔

خیال رہے! سقوط کا یہ حکم جیسے بنو العلات کو شامل ہے تیہ بنو الاعیان کو بھی شامل ہے یعنی دونوں اقسام کے بھائی، بیٹے، پوتے اور اب کے ساتھ بالاتفاق اور بالجہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ساقط عن المیراث ہیں۔

سقوط الاخوة بالابن کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے فرمان "وهو یرثہا ان لم یکن لہا ولد" سے ملتا ہے جبکہ اخوات کا سقوط "لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ما ترک" سے ملتا ہے۔ یعنی اخت کا ارث مشروط بعدم الولد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی موجودگی میں وہ وارث نہیں۔

ملاحظہ:

ان دونوں جگہوں پر "ولد" سے مراد بیٹا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور اخوة کا سقوط باہن الابن اس لئے ہے کہ ایک تو پوتا بیٹے کے قائم مقام ہوتا ہے اور ثانیاً اس لئے کہ اس پر بھی بیٹے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ان کا سقوط بالاب اس بنیاد پر ہے کہ ان کی توریث علی سبیل الکالۃ ہے۔ یعنی جب ان کا مورث لا اصل لہ ولا فرع لہ کے مطابق ہو۔ اگر اس کا باپ ہے تو پھر وہ کالہ نہیں۔ لہذا ایسی صورت میں بھائی خواہ عینی ہوں یا علاقہ وہ وارث نہیں اور ان کے سقوط بالجہ وعدم سقوط کا ذکر انشاء اللہ مقاسمۃ الجہ میں آئے گا۔

خیال رہے! بنو العلات جیسے بیٹے، پوتے اور باپ کے ہوتے ہوئے ساقط عن المیراث ہیں تیہ وہ عینی بھائی کی موجودگی میں بھی ساقط عن المیراث ہیں اس لئے کہ بنو الاعیان کی میراث جیسا کہ گزر چکا ہے صلیبی اولاد کی میراث کے قائم مقام ہوتی ہے اور بنو العلات کی اولاد الابن کی میراث کے قائم مقام۔ لہذا جیسے اولاد الابن محبوب بالابن ہوتی ہے تیہ اولاد العلات عینی بھائی کے ہوتے ہوئے محبوب ہوگی اور عینی بن سے بھی محبوب ہوگی بشرطیکہ وہ مع البنات یا مع بنات الابن عصبتہ ہو ایسی صورت میں وہ عینی بھائی کے حکم میں ہوگی۔



واما للام: فاحوال ثلث:

- (۱) "السدس" مع الولد او ولد الابن- وان سفل او مع الاثنین من الاخوة والاحوات نصاعداً من ای جهة كانا.
- (۲) "وثلث الكل" عند عدم هؤلاء المذكورین-
- (۳) "وثلث ما بقی" بعد فرض احد الزوجین-

"واما للام....."

والده کی تین حالتیں ہیں:

- ۱ جمع ترکہ میں سے ام کو چھٹا حصہ مندرجہ ذیل کی بنیاد پر ملے گا۔
- * جب میت کی اولاد یا پوتے پوتیاں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا یوہ لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد" اسی پر دال ہے۔ اس لئے کہ لفظ "ولد" و "ولد الابن" پوتے اور پوتیوں کو بھی شامل ہے نیز اس لئے بھی کہ وہ تورث الام میں بالاجماع بیٹے اور بیٹیوں کے قائم مقام ہیں یعنی اولاد کے ہوتے ہوئے جو کچھ ام کو (سدس) ملتا ہے وہ ہی کچھ اولاد الابن کے ہوتے ہوئے ملتا ہے۔
- * کسی بھی جانب سے دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کے ساتھ ام کو اللہ تعالیٰ کے قول "فان کان له اخوة فلامه السدس" کے مطابق سدس ہی ملتا ہے۔ خواہ بھائی یعنی ہوں، علاقہ یا اخیانی کیونکہ کلمہ "اخوة" سبھی کو شامل ہے اور یہی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء کا نظریہ ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھائی اور بہنیں اگر دو سے زیادہ ہوں تو وہ ام کے لئے "من الثلث الی السدس" حاجب ہوں گے اور اگر دو ہوں گے تو وہ حاجب نہ ہوں گے اور ام کو ثلث ملے گا کیونکہ کلمہ "اخوة" جمع ہے جو تشنیہ کو شامل نہیں۔ یعنی جمعیت تو ام کے لئے "من الثلث الی السدس" حاجب ہوگی لیکن "اثنینیت" نہیں۔

جواب: ☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نظریہ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ میراث میں دو کا حکم وہی ہے جو تین کا جیسے دو بیٹیاں اور دو بہنیں، استحقاق اثنین میں، تین بیٹیوں اور

تین بہنوں کے برابر ہیں۔ ایسے ہی باب جب میں بھی یہی کیفیت ہے کہ ان میں سے دو دو جب میں، تین تین کے برابر ہیں۔ جیسے دو بیٹیوں کے ہوتے ہوئے پوتیوں کو کچھ نہیں ملتا اور دو یعنی بہنوں کی موجودگی میں بھی علاقائی بہنیں وارث نہیں جبکہ پوتیوں اور علاقائی بہنوں کے ساتھ کوئی مذکر معصوب نہ ہو۔ پھر اس سدس میں جس سے بھائیوں بہنوں نے ام کو محبوب کیا ہے اختلاف ہے۔ آیا وہ بھائیوں بہنوں کو ملے گا یا والد کو۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ والد کے لئے ہو گا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں بھائیوں کے لئے۔

مثلاً ذیل کے مسئلہ میں جبکہ متوفی والدین اور بھائی چھوڑ جائے تو جمہور کے نزدیک ام کو جمع ترکہ کا سدس ملے گا اور مابقی خمسہ اسداس والد کو، اور بھائی محروم، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ام کو سدس، اخوة، اخوات کو بھی سدس اور والد کو ثلثان۔ جیسے ذیل کی اشکال سے واضح ہے:

اصل مسئلہ عند الجمہور من (۶)

متوفی

ورثاء	ام	اب	اخ
حصص	سدس	مابقی	محروم
	۱	۵	x

عند ابن عباس رضی اللہ عنہما من (۶)

ورثاء	ام	اب	اخ
حصص	سدس	ثلثان	سدس
	۱	۴	۱

طاؤس بن کيسان سے ایک مرسل روایت بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ ”انہ اعطی الاخوة السدس من الابوين“ لیکن اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان اخوة فلامه السدس“ کے سیاق و سباق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ کلام کے ابتداء حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ام کے ثلث کے بعد باقی جمع ترکہ باپ کا ہو گا لہذا آخری حصہ کلام کا بھی یہی مفہوم ہو گا کہ ام کے سدس کے بعد باقی جمع ترکہ باپ کا ہو گا۔ اور حضرت طاؤس سے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید میں مرسل روایت آتی ہے تیے ان سے یوں بھی منقول ہے:

”عن طائوس انه قال لقيت ابن رجل من الاخوة الذين اعطاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم السدس مع الابوين وسئلته عن ذلك فقال كان ذلك وصية“

یعنی جن بھائیوں کو نبی کریم ﷺ نے ابوین کے ساتھ سدس دیا ان میں سے کسی ایک سے جب حضرت طاؤس نے اس بارے دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے متوفی کی وصیت کے مطابق دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کو سدس آپ نے وصیتاً دیا نہ کہ وراثتاً۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں بھائی وارث نہیں کیونکہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

مذہب الزیدیہ:

فرقہ زیدیہ کے خیال میں اخینانی بھائی ام کے لئے حاسب نہیں۔ بخلاف عینی اور علاقوں کے جو حاسب ہیں۔ اس لئے کہ عینی اور علاقوں کے باپ کے عیال میں داخل ہونے کے باعث اسے برائے نفقہ زیادہ مال کی ضرورت ہے۔ لہذا عینی اور علاقائی بھائی ام کے لئے ”من الثلث الى السدس“ حاسب ہو کر باپ کے حصہ میں سدس کا اضافہ کریں گے اور اخینانی چونکہ اس کے عیال میں داخل نہیں لہذا باپ کو نفقہ میں زیادتی کا کوئی خطرہ نہ ہونے کے باعث ان کے حاسب ہونے کی ضرورت نہیں۔ لہذا وہ ام کے لئے حاسب نہ ہوں گے۔

تردید الزیدیہ:

اخوة اور اخوات کے حاسب ہونے کے بارے میں زیدیہ کا بیان کردہ فرق اس لئے

معقول نہیں کہ عینی اور علاقائی بھائی اس وقت بھی ام کے لئے من الثلث الی السدس حاجب ہوتے ہیں جبکہ ان کے نفقہ کی ذمہ داری باپ پر نہ ہو مثلاً باپ کی وفات کے بعد یا جب وہ جوان بالغ ہو جائیں لہذا معلوم ہوا زیدیہ کی بیان کردہ کثرت عیال اور ان کے نفقہ کی کثرت کی وجہ کوئی معقول وجہ نہیں جس کی بنیاد پر ان کے حکم میں فرق کو قائم کیا جائے اسی لئے جمہور نے تمام بھائیوں کو بلا تفریق ام کے لئے حاجب قرار دیا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ لفظ ”اخوة“ کی شمولیت جیسا کہ گذر چکا ہے تمام بھائیوں کو عام ہے۔

(۲) دوسری حالت میں ام کو جبکہ حالت اولیٰ کے درثناء میں سے کوئی بھی نہ ہو جمع ترکہ میت سے ثلث ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فان لم یکن له ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث“ سے ثابت ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ والدین کے ساتھ احد الزوجین نہ ہوں۔

(۳) اگر احد الزوجین میں سے کوئی ہو تو پھر ان کے فرضی حصہ کے بعد باقی سے ام کو ثلث دیا جائے گا۔



وذلك في مسئلتين:

زوج وابوين

زوج وابوين

ولو كان مكان الاب جد فلام ثلث جميع المال: الا عند ابى يوسف رحمه الله فان لها ثلث الباقي.

اور یہ صرف دو صورتوں میں ہی ممکن ہے:

- (۱) عورت فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے زوج اور والدین چھوڑ جائے ایسی صورت میں زوج کو جمع ترکہ میں سے نصف اور مابقی میں سے ام کو ثلث، زوج اور ام کے حصص کے بعد جو کچھ بچے وہ علی سبیل العصبۃ اب کو لہذا مسئلہ کی صورت یوں ہوگی۔

اصل مسئلہ کی تحصیل (۶) سے

ورثا	حصص	
زوج	نصف (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
ام	ثلث مابقی (۱)	علی سبیل الفرضیۃ
اب	مابقی (۲)	علی سبیل العصبۃ

- (۲) زوج کے فوت ہو جانے کی صورت میں زوجہ اور والدین رہ جائیں تو مسئلہ کی تحصیل ۴ سے ہوگی۔

اصل مسئلہ (۴) سے

ورثا	حصص	
زوجہ	ربع (۱)	علی سبیل الفرضیۃ
ام	مابقی سے ثلث (۱)	علی سبیل الفرضیۃ
اب	جمع ترکہ کا مابقی (۲)	علی سبیل العصبۃ

خیال رہے! ماتن کی دو مسئلوں سے مراد ایک مسئلہ کی دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں اس

مع الزوج باقی نصف کا ثلث، جو جمیع ترکہ کا سدس ہے ام کو ملتا ہے اور مع الزوجۃ باقی تین ارباع میں سے ثلث جو جمیع ترکہ کا ربع ہے ام کو ملتا ہے لہذا ممکن ہے ان دونوں صورتوں میں ام کے متفاوت ثلث کے باعث دو مسئلے قرار دیئے گئے ہوں جبکہ مع البعد واحد الزوجین ام کو جمیع ترکہ میں سے ثلث ملتا ہے جس میں کوئی تفاوت نہیں۔ لہذا اسے ایک مسئلہ قرار دیا گیا ہو۔

”رای اکثر الصحابة“..... اکثر صحابہ اور فقہاء کا یہی خیال ہے کہ مع احد الزوجین ام کو باقی کا ثلث ملے گا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ام کو جمیع ترکہ سے ثلث ان دونوں صورتوں میں ملے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ام کے لئے جمیع ترکہ ہی سے مع الولد سدس کا تعین اپنے اس فرمان میں کیا ہے: ”ولا یوہ لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان لہ ولد“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مع عدم الولد ثلث کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے: ”فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث“ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے نہ ہونے پر اسے جمیع ترکہ سے ثلث ملے گا۔ نیز اصحاب الفروض کے سهام دین اور وصیت کے بعد چونکہ اصل ترکہ کے اعتبار سے مقدر ہیں لہذا ام کو اصل ترکہ کے اعتبار سے ہی ثلث ملے گا نہ کہ احد الزوجین کے حصہ کے بعد۔

”رای ابو بکر“ ابو بکر اصرم رضی اللہ عنہ کی رائے میں مع الزوج ام کو مابقی من الزوج سے ثلث دیا جائے گا جبکہ مع الزوجة اصل ترکہ سے ثلث تاکہ پہلی صورت میں ام کا حصہ اب کے حصے سے بڑھنے نہ پائے۔ کیونکہ اگر ام کو مع الزوج جمیع ترکہ کا ثلث دیا جائے تو پھر ام کا حصہ اب کے حصہ سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ زوج کے نصف اور ام کے ثلث کے جمع ہو جانے سے مسئلہ کی تاصيل و تشکيل ”۲“ سے ہو گی۔ جس میں سے زوج کو نصف ”۳“ اور ام کو جمیع کا ثلث ”۲“ دینے کے بعد اب کے لئے ایک ”۱“ بچا جو ام کے حصہ سے نصف

ہے اور یہ صورت نادرست ہے کیونکہ انٹی کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مذکر کا حصہ دو گناہ متعین فرمایا ہے لہذا ابوبکر اصم مع الزوج ام کو مابقی کا ثلث دینے کے قائل ہیں۔ اگر مابقی کا ثلث دیا جائے تو ام کو زوج کے نصف کے بعد مابقی سے ثلث میں ایک ملے گا جو اب کے مقابلہ میں نصف ہو گا کیونکہ اس صورت میں اب کو دو ”۲“ ملیں گے۔ اور مع الزوجۃ ام کو اصل ترکہ سے ثلث دینے میں اب پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ اس لئے اصل ترکہ سے اسے ثلث دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں جیسے زوجۃ کے ربع اور ام کے ثلث کے جمع ہو جانے پر مسئلہ کی تاصیل ”۱۲“ سے ہوگی جس میں زوجۃ کو ربع ”۳“ علی سبیل الفرضیۃ ام کو ثلث ”۴“ علی سبیل الفرضیۃ اور مابقی اب کو ”۵“ علی سبیل العصبۃ ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ اب کا مابقی اس صورت میں ام سے زیادہ ہے لہذا ابوبکر اصم کے ہاں مذکورہ تفصیل کے مطابق ام کو حصہ دیا جائے گا۔

”تردید“

لیکن ابوبکر اصم رضی اللہ عنہ کی یہ رائے:

اولاً: اللہ تعالیٰ کے قول: ”فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث“ کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ”ورثه ابواه“ کلام کا ایک ایسا حصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین جس ترکہ کے حقدار ہوں گے اس میں سے ام کو ثلث ملے گا خواہ ترکہ جمع ہو یا بعض مسئلہ متنازعہ فیہ میں چونکہ وہ احد الزوجین کے حصہ کے بعد وارث ہوتے ہیں لہذا ام کو مابقی کا ثلث ہی مل سکتا ہے۔

ثانیاً: اگر ”فلامه الثلث“ سے مراد جمع ترکہ کا ثلث ہوتا تو کلام یوں ہونی چاہئے تھی: ”فان لم یکن له ولد فلامه الثلث“ جیسے حق البنات ”فان کن نساء فوق الاثنین فلھن ثلثا ما ترک“ کے بعد ”وان کانت واحده فلھا النصف“ ہے۔ لہذا ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا قول ”وورثه ابواه“ بلا فائدہ ہو گا۔

ثالثاً: ابوبکر کی پوزیشن اصول میں ایسے ہے جیسے ابن اور بنت کی فروغ میں۔ نیز ہر ایک ان میں سے میت کے ساتھ بلا واسطہ تعلق رکھتا ہے اس لئے فروغ کو جب احد الزوجین کے حصہ کے بعد مابقی ملتا ہے تو اصول کو بھی احد الزوجین کے حصہ کے بعد ہی مابقی ملنا چاہئے۔ لہذا احد الزوجین کے حصہ کے بعد مابقی والدین میں املاًئاً ایسے ہی تقسیم ہو گا جیسے بیٹی اور

بیٹے میں یا جیسے ابون میں زوج اور زوجہ کے بغیر اثلاً تقسیم ہوتا ہے۔ نتیجتاً ام کا حصہ اب کے حصہ سے بڑھنے نہیں پائے گا لہذا اہم کی رائے ناقابل التفات ہوگی۔

”ولو كان مكان الاب جد فلام ثلث جميع المال“ اگر باپ کی جگہ دادا ہو بایں طور کہ ورثاء میں ام، جد اور احد الزوجین ہوں تو پھر ام کو ما بقی سے ثلث کے بجائے جمع ترکہ سے ثلث دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اہل کوفہ کی روایت کے مطابق مع الزوج تو ام کو جمع ترکہ سے ثلث دیا جائے گا لیکن مع الزوجہ نہیں۔ آئمہ میں سے امام ابو حنیفہ صاحب اور امام محمد رحمہما مع الزوجین جمع ترکہ سے ثلث دینے کے قائل ہیں۔ لہذا دادا کی صورت میں مسئلہ کی شکلیں ہوگی:

اصل مسئلہ (۶) سے

ورثا	حصص	
زوج	نصف (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
ام	جمع ترکہ کا ثلث (۲)	علی سبیل الفرضیۃ
جد	جمع ترکہ کا ما بقی (۱)	علی سبیل العصبۃ

یہ اس صورت میں ہے جبکہ زوجہ کے فوت ہو جانے پر خاوند ام اور جد موجود ہوں اور زوج کے فوت ہو جانے پر زوجہ ام اور جد کی موجودگی میں صورت یوں گی:

اصل مسئلہ (۱۲) سے

ورثا	حصص	
زوجۃ	ربع (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
ام	جمع کا ثلث (۴)	علی سبیل الفرضیۃ
جد	جمع کا ما بقی (۵)	علی سبیل العصبۃ

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ مع الجد ام کو ما بقی میں سے ثلث دینے کے قائل ہیں جیسے

مع اللاب۔ ان کے نزدیک پہلی صورت میں مسئلہ کی تاحیل و تشکیل تو (۶) سے ہی ہوگی لیکن زوج کے نصف کے بعد مابقی کا ثلث، ایک ام کے حصہ میں آئے گا جبکہ جد کو دو اور دوسری صورت میں مسئلہ کی تشکیل (۴) سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو ربع یعنی ایک ام کو مابقی کا ثلث ایک اور جد کو دو حصہ میں آئیں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جو دوسری روایت نقل کی جاتی ہے وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نظریہ کے مطابق ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت اور اس کے مطابق آئمہ کے خیال کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فلامہ الثلث“ کے ظاہر کو اب کے حق میں محض اس لئے ترک کیا گیا کہ ام کو تساوی فی القرب کے باوجود اب پر فضیلت لازم نہ آجائے۔ لیکن جد کے حق میں بوجہ عدم تساوی فی القرب کے ظاہر آیت کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مع الجد ام کو جمیع ترکہ میں سے ثلث دیا جائے گا۔ اور مع الجد ام کو تفاوت درجہ کے ہوتے ہوئے فضیلت لازم آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ام بنسبت جد کے اقرب الی المیت ہے جیسے کوئی متوفی اپنے ورثاء میں زوجہ، اخت لاب وام اور اخ لاب چھوڑ جائے تو زوجہ کو ربع، اخت کو نصف اور علاقائی بھائی کو مابقی ملے گا۔

ظاہر ہے کہ یہاں اخت لاب وام کو بنسبت اخ لاب کے زیادہ ہی حصہ میں آئے گا جس سے انہی کی مذکر پر فضیلت لازم آئے گی لیکن یہ فضیلت تفاوت فی القرب کے پیش نظر لازم آرہی ہے لہذا یہ کوئی ممنوع نہیں۔ ایسے ہی اگر ام کو جد پر فضیلت لازم آئے تو کوئی حرج نہیں۔



وللجدّة السدس‘ لام كانت او لاب‘ واحدة كانت او اكثر‘ اذا كن ثابتات متحاذايات فى الدرجة۔ ويسقطن كلهن بالام‘ والابويات ايضا بالاب‘ وكذلك بالجد الام الاب۔ وان علت‘ فانها ثرت مع الجد لانها ليست من قبله۔ والقربى من اى جهة كانت تحجب البعدى من اى جهة كانت وارثة كانت القربى او محجوبة۔

جدات کی دو حالتیں ہیں:

(۱) جدات خواہ ماں کی طرف سے ہوں، خواہ باپ کی جانب سے ایک ہو یا زیادہ انہیں جمیع ترکہ سے سدس ”چھٹا“ حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ ثابتات ہوں۔ یعنی جدات فاسدہ نہ ہوں نیز مرتبہ میں میت کے برابر ہوں۔

(۲) تمام طرح کی جدات خواہ ”امویات“ ہوں یا ”ابویات“ ماں کی موجودگی میں حصہ سے محروم ہوں گی۔ اور باپ کی جانب سے جدات باپ کی موجودگی میں بھی محروم ہوں گی۔ ایسے ہی ابویات دادے کی موجودگی میں بھی محروم ہوں گی لیکن باپ کی ماں، دادی اور اس سے اوپر کی جدات محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان کا رشتہ میت سے دادا کی وساطت سے نہیں۔

”والقربى تحجب البعدى.....“

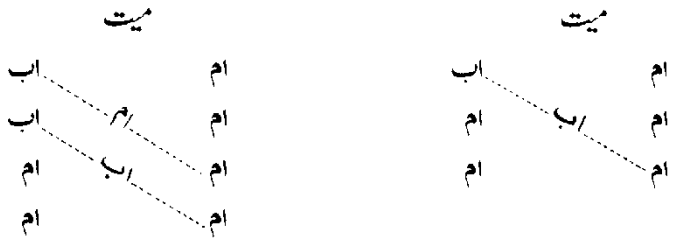
اقرب جدہ خواہ کسی جانب سے ہو وہ البعد کے لئے حاجب ہوگی البعد بھی خواہ کسی جانب سے ہو عام ہے کہ قربی وارث ہو یا مجبوب۔



واذا كانت الجدة ذات قرابة واحدة كام ام الاب۔ والاخرى ذات قرابتين او اكثر كام
ام الام وهي ايضا ام اب الاب بهذه الصورة

صورة ذات قرابتين

صورة ذات قرابتين



يقسم السدس بينهما عند ابی یوسف رحمہ اللہ انصافا باعتبار الابدان وعند محمد رحمہ اللہ
اثلاثا باعتبار الجهات۔

جب ایک دادای ایک قرابت رکھتی ہو اور دوسری دو، جیسے پڑتانی جو دادے کی بھی
ماں ہو تو ایسی صورت میں وہ دو قرابتوں کی مالک ہوگی لہذا امام یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ان
دونوں دادیوں میں باعتبار ابدان کے نصف نصف مال تقسیم ہوگا یعنی ان کا چھٹا حصہ ان میں
برابر تقسیم ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جہات کے اعتبار سے چھٹے حصے میں سے ایک ثلث
اس دادی کو دیا جائے گا جو ایک قرابت رکھتی ہو اور دو ثلث ”دو تہائی“ مال اس کو جو دو یا
زیادہ قرابتیں رکھتی ہو۔

تصریح اوللجدة السدس

جدة کی دو حالتیں ہیں خواہ جدہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے:

(۱) اسے مجمع ترکہ میت سے سدس (چھٹا حصہ) دیا جائے گا خواہ جدہ ایک ہو یا زیادہ بشرطیکہ
وہ جدات صحیحہ ہوں کیونکہ فاسدات کا تعلق ذوات الارحام سے ہے نہ کہ ذوات
الفروض سے جبکہ مسئلہ زیر بحث ذوات الفروض سے متعلق ہے۔ زیادہ ہونے کی
صورت میں ان کا محتازی فی الدرجہ ہونا بھی ضروری ہے ورنہ قربی بعدی کے لئے
حاجب ہوگی۔

جدة واحدة کے لئے سدس کی دلیل حضرت ابو سعید خدری، مغیرہ بن شعبہ، اور قیسہ

بن ذویب رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آپ نے جدہ کو سدس عنایت فرمایا۔ (حاکم) اور جب وہ ایک سے زیادہ ہوں گی تو وہ سدس میں ذیل کی دلیل سے شریک ہوں گی:

”ان ام الام جاءت الى الصديق رضى الله عنه وقالت اعطني ميراث ولد ابنتي فقال اصبري حتى اشاورا اصحابي فاني لم اجد لك في كتاب الله تعالى نصاً ولم اسمع فيك من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ثم سألهم فتشهد المغيرة بن عمرو باعطائها السدس فقال هل معك احد فشهد به ايضاً محمد بن مسلمة بن عمرو فاعطاها ذلك ثم جاءت ام الاب وطلبت الميراث فقال اري ان ذلك السدس بينكما وهو لمن انفردت منكما“ (اخرجه الاربعة)

”یعنی کسی نانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے نواسے کے ترکہ سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن و حدیث میں آپ کے بارہ میں کوئی نص موجود نہیں لہذا صبر کیجئے تاکہ میں صحابہ سے اس بارے مشورہ کر سکوں۔ جب انہوں نے صحابہ سے مشورہ لیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے اسے سدس دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب کی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے اسے سدس دیا۔ اس کے بعد دادی اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہوئے آئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں سدس اگر آپ میں سے ایک ہو تو اس کا حق ہے اور اگر دونوں ہوں تو دونوں کا۔ یعنی دونوں اس میں شریک ہوں گی۔“

ایسے ہی ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ام الاب (دادی) ان کے پاس آکر کہنے لگی ”انا اولی بالميراث من ام الام“..... الخ کہ میں نانی سے میراث کی اس لئے زیادہ حق دار ہوں کہ اگر نانی وفات پا جائے تو اس کا نواسا اس کے ترکہ کا وارث نہیں اور اگر میں وفات پا جاؤں تو میرا پوتا عصبہ ہونے کی حیثیت میں میرے ترکہ کا وارث ہے بشرطیکہ اس کی صلبی اولاد نہ ہو یا دو بیٹیاں ہوں۔

جواباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”خذی ذلک السدس فان اجتمعما فهو بینكما وایتکما خلت به فهو لهما“ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں سدس میں شریک قرار دیا۔

محصول الکلام یہ ہے کہ جدات صحیحہ متخاضیات فی الدرہ سدس مال میت میں برابر شریک ہوں گی اور اگر ایک ہوگی تو وہ اکیلی سدس کی حق دار ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں میت کی اولاد اور بھائی (خواہ وہ کسی بھی طرف سے ہوں) نہ ہونے پر جدۃ ام الام قائم مقام ام کے ہوتی ہے جیسے جد اب الاب باپ کے نہ ہونے پر اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور ایسے ہی پوتا بیٹے کی جگہ جبکہ وہ نہ ہو اور جیسے ام کے حصے میں جدات سے کوئی بھی حصہ دار نہیں ایسے ہی ام الام (ثانی) کے ساتھ بھی جدات میں سے کوئی بھی حصہ دار نہ ہوگی لیکن یہ قول ناقابل التفات ہے۔ اس لئے کہ اولاء بالانسی کسی مدلی کے لئے مدلی بہ کے فریضہ کے استحقاق کا سبب نہیں جیسے بنات البنات (نواسیاں) اور بنات الاخوات (بھانجیاں) بنات اور اخوات کے ساتھ مدلی ہونے کے باوجود ان کے فریضہ کی حق دار نہیں لہذا ام الام بھی ام کے ساتھ مدلی الی المیت ہوتے ہوئے ام کے فریضہ کی حق دار نہ ہوگی۔ تو پھر اس کے حصہ میں دوسری جدہ کیونکر شریک نہ ہوگی؟

(۲) دوسری حالت میں تمام طرح کی جدات خواہ امویات ہوں یا ابویات ام کی موجودگی میں ساقط الاعتبار یعنی حصہ سے محروم ہوں گی۔ امویات کا سقوط اولاء بالام اور اتحاد فی سبب الامومۃ کے باعث ہے جبکہ ابویات صرف اتحاد فی سبب الامومۃ کے باعث اور ابویات بالاب بھی ساقط ہیں۔ حضرت عثمان، علی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ عمرو بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے ہاں ام الاب (دادی) باپ کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی ایک روایت منقول ہے: "انه اعطى ام الاب السدس مع وجود الاب" (ادامی) ممکن ہے دادی کے مع الاب استحقاق کے قائل اسم جدۃ میں اشتراک کے باعث دادی کو مع الاب وارث سمجھتے ہوں۔ یعنی جیسے نانی باپ کے ہوتے ہوئے وارث ہے تیہ دادی بھی وارث ہے لیکن یہ دلیل اس لئے کمزور ہے کہ مجرد اشتراک فی الاسم ہی استحقاق اور قرابت کے لئے کافی نہیں بلکہ میراث میں اولاء کا اعتبار ضروری ہے لہذا باپ کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگی کیونکہ وہ باپ کی وساطت سے مدلی الی المیت ہے لہذا دادی باپ کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگی کیونکہ وہ باپ کی وساطت سے مدلی الی المیت ہے لہذا باپ اس کے لئے حاجب ہو گا بخلاف ام الام (ثانی) کے جو میت کے باپ کی وساطت

سے مدلی اہل المیت نہیں لہذا باپ اس کے لئے حاجب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ اس کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہوگی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میت کا باپ رقیق یا کافر ہو چونکہ رقیق اور کافر حاجب نہیں ہو سکتے لہذا اس بنیاد پر دادی وارث ہوگی۔ بہر حال روایت میں احتمال مذکورہ کا امکان ہے لہذا روایت قابل حجت نہیں۔

”وَكَذَلِكَ بِالْجَدِّ الْأُمِّ وَالْأَبِّ وَانْ عَلَتْ.....“

ایسے ہی ابویات (دادیاں) دادا کے ہوتے ہوئے ساقط عن المیراث ہیں لیکن دادی اور اس کی اوپر کی جدات ساقط نہیں بلکہ وہ دادا کے ساتھ اپنے حصہ کی وارث ہوں گی۔ پہلی جدہ تو اس لئے کہ وہ دادا کی بیوی ہے وہ تو ایسے ہی وارث ہوگی جیسے ام مع الاب وارث ہوتی ہے اور اس سے اوپر کی اس لئے کہ ان کی قرابت من المیت دادا کی دساعت سے نہیں۔ لہذا دادا ان کے لئے حاجب نہیں۔ ایسے ہی دادا میت سے جتنے درجات بعید ہو گا اسی قدر اس کے محاذی اور اس سے نیچے کی دادیاں وارث ہوں گی۔

”وَالْقُرْبَىٰ مِنْ أَيْ جِهَةٍ كَانَتْ تَحْجِبُ الْبَعْدَىٰ مِنْ أَيْ جِهَةٍ كَانَتْ.....“

جنت کے اعتبار سے جب قربی بعدی کے لئے حاجب ہوگی تو اس سے چار اقسام سامنے آئیں گی:

(۱) قربی من جهة الام: بعدی ایضاً من جهة الام

(۲) قربی من جهة الام: بعدی من جهة الاب

(۳) قربی من جهة الاب: بعدی ایضاً من جهة الاب

(۴) قربی من جهة الاب: بعدی من جهة الام

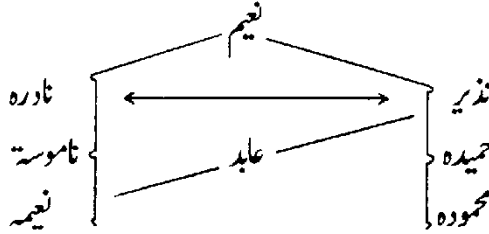
ان چاروں اقسام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور احناف کے ہاں قربی بعدی کے لئے حاجب ہوگی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں دوسری روایت کے مطابق چوتھی قسم جس میں قربی من جهة الاب اور بعدی من جهة الام ہو تو وہ دونوں برابر ہیں نتیجتاً دونوں برابر سدس میں شریک ہوں گی لہذا اس روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابت کے ہاں جب باقی تین اقسام میں ہو گا۔ امام مالک کا عمل اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ان کے صحیح قول کے مطابق اسی روایت ثانیہ پر ہے جس کی

دلیل یہ ہے کہ جدۃ کا استحقاق بالارث امومتہ کے سبب ہے اور یہ اس جدۃ میں جو ام کی جانب سے ہے اظہر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی جدۃ ہے جو ام کی وساطت سے مدلی الی المیت ہے۔ بخلاف دوسری جدۃ کے جو مدلی بالاب ہے۔ لہذا قریبی من جهة الام میں جب دو اوصاف زیادۃ القرب اور بوجہ انتساب بالام قوۃ الامومتہ ہوں گے تو وہ اس بعدی سے اولیٰ ہو گی جو من بہتہ الاب ہونے کے باعث صرف ایک کمزور صفۃ الامومتہ رکھتی ہوگی لیکن چوتھی صورت میں جب قریبی من جہۃ الاب اور بعدی من جہۃ الام ہو تو قریبی میں صرف زیادۃ القرب ہوگی جبکہ بعدی میں صرف قوۃ الامومتہ لہذا وہ دونوں برابر ہوں گی اور استحقاق ارث میں بھی مساوی۔

لیکن احناف کے ہاں استحقاق جدۃ میں اعتبار امومتہ کا ہے اور یہ وصف جتنی ام اقرب الی المیت میں اصلیت کے مطابق ہے اتنی بعدی میں نہیں لہذا وہ خواہ کسی بھی جانب سے ہو بعدی کے لئے حاجب ہوگی لیکن یہ قائل تسلیم نہیں اس لئے کہ اگر قوۃ الامومتہ اور اس کے ظہور کو موجب للتقدیم سمجھا جائے تو پھر ام الام کی ام الاب پر بھی تقدیم لازم آئے گی جو مسانی فی الدرجہ ہونے کے باعث بالاتفاق باطل ہے۔ ”وارثۃ کانت القریبی او محجوبۃ“ جیسے دادی باپ کے نہ ہوتے ہوئے نانی کی ماں کے لئے حاجب ہے یا جیسے نانی دادی کی ماں کے لئے حاجب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں دادی اور نانی وارث ہیں۔ اور اگر قریبی خود محجوب ہو تو پھر بھی وہ بعدی کے لئے حاجب ہوگی جیسے دادی باپ کی موجودگی میں خود تو محجوب ہے لیکن اس کے باوجود وہ نانی کی ماں کے لئے حاجب ہے۔ متوفی کے باپ، دادی اور نانی کی ماں کی موجودگی میں تمام ترکہ باپ کو ملے گا اس لئے کہ دادی قریبی نانی کی ماں کے لئے حاجب ہے اور دادی کے لئے باپ۔

محجوب کے حاجب للغیر ہونے کی نظیر اخوات ہیں جبکہ وہ ام اور اب کی موجودگی میں خود تو بالاب محجوب ہیں لیکن اس کے باوجود ام کے لئے من الثلث الی السدس حاجب بھی ہیں۔ لیکن حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صورت مذکورہ میں تمام تر میراث (ترکہ) نانی کی ماں کے لئے ہو گا کیونکہ ان کے نزدیک ایسی قریبی جو خود محجوب بالغیر ہو کسی دوسرے انسان کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی۔ لہذا دادی جب خود باپ کی موجودگی میں محجوب ہوگی تو وہ نانی کی ماں کے لئے حاجب کیسے ہوگی؟

توضیح جلد ذات قرابتین

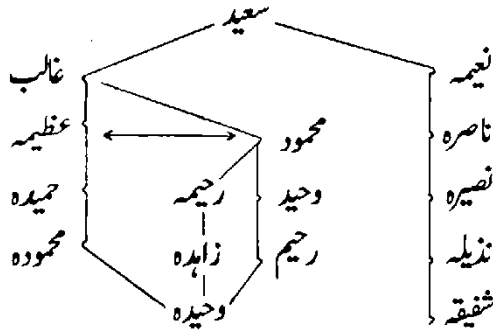


ذات قرابتین

ذات قرابة واحدة

نعمہ کا تعلق نعم سے دو طرفہ ہے لہذا نعمہ کی دو قرابتیں ہوں گی ایک اس اعتبار سے کہ وہ اس کی نواسی نادرہ کا بیٹا ہے دوسری اس اعتبار سے کہ وہ اس کے پوتے نذیر کا بیٹا ہے اور محمودہ کا تعلق نعم سے یکطرفہ ہے کہ وہ اس کے نواسے نذیر کا بیٹا ہے۔ لہذا اس کی قرابت ایک ہوگی۔

توضیح جلد ذات القرابات الثلثہ



وحیدہ کا سعید سے تعلق تین اطراف سے ہے:

* ایک تو وہ اس کے پوتے وحید کا پڑوتا ہے۔

* دوسرے وہ اس کی نواسی رحیمہ کا پڑوتا ہے۔

* تیسرے وہ اس کی نواسی حمیدہ کے نواسے غالب کا بیٹا ہے۔

لیکن شفیقہ کا سعید سے تعلق ایک ہے کہ وہ اس کی نواسی نصیرہ کی نواسی نعمہ کا بیٹا ہے۔

باب العصبات

العصبة النسبية ثلاثة:

(۱) عصبه بنفسه (۲) وعصبه بغيره (۳) وعصبه مع غيره
اما العصبه بنفسه: فكل ذكر لا تدخل في نسبته الى الميت انثى وهم اربعة اصناف:

(۱) جزء الميت (۲) واصله (۳) جزء ابيه (۴) وجزء جده
الاقرب فالاقرب يرجحون بقرب الدرجة اعنى اولهم بالميراث جزء الميت .
اى البنون- ثم بنوهم وان سفلوا ثم اصله .. اى الاب- ثم الجد اى: اب الاب وان
علا

”باب العصبات ...“

”عصبات“ جمع عصبه اور عصبه جمع عاصب کی بھی ہو سکتی ہے جیسے طلبہ جمع طالب گو
عاصب کا استعمال عربوں کے محاورات میں معروف نہیں۔

لغة ”عصبه الرجل“ انسان کے والد کی جانت سے قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں اور وہ
ماخوذ من عصب القوم بالرجل سے ہے جس کا معنی اجتماع اور احاطہ ہے کیونکہ قوم اپنے فرد
کے دفاع اور حمایت میں اس کے ارد گرد مجتمع ہوتی ہے اور اس کا اطلاق قوی جماعت پر بھی
ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وَنَحْنُ غُصْبَةٌ“ سے معلوم ہو رہا ہے۔ خیال رہے! انسان
کا اصل اور فرع اس کی ایسی اطراف ہیں جو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں لہذا یہ اور ان کی
اولاد عصبات میں شمار ہوتے ہیں۔

اصطلاحاً ”هو كل وارث ليس له سهم مقدر صريح في الكتاب والسنة“ کو کہتے ہیں
یعنی جس کا حصہ کتاب وسنت میں مقرر نہ ہو۔ اہل الفرائض کے ہاں عصبہ کی یوں بھی
تعریف بیان کی جاتی ہے ”كل من يأخذ كل المال عند الانفراد ويأخذ الباقي بعد اخذ
اصحاب الفروض فروضهم“ یعنی عصبہ وہ ہے جو اصحاب الفروض کے نہ ہونے پر جمع ترکہ
کا اور اصحاب الفروض کی موجودگی میں ان کے حصص کے بعد ما بقی ترکہ کا مالک ہو جیسے

صاحب الریة کی منظوم کلام سے بھی واضح ہے ۔

و حق ان نشرح بالتعصیب بكل قول موجز مصیب
فكل من احذر كل المال من القربات او الموالی
او كان ما يفضل بعد الفرض له فهو اخو العصوبة المفضلة
عصبات نسبية کی تین اقسام ہیں:

* عصبۃ بنفسه * عصبۃ بغيره

* عصبۃ مع غيره

(۱) ”عصبۃ بنفسه“: ہر وہ مذکر ہے جس کا انتساب الی المیت کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو کیونکہ انٹی عصبۃ بنفسہا نہیں ہوتی بلکہ وہ بغیرہا یا مع غیرہا عصبۃ ہوتی ہے لہذا اس کی وساطت سے منسوب الی المیت عصبۃ نہیں ہو سکتا جیسے ”اولاد الام“ ماں کی وساطت سے منسوب الی المیت تو ہے لیکن وہ عصبات سے نہیں بلکہ اصحاب الفروض سے ہے۔ ایسے ہی اب الام اور ابن البنت ذوا الارحام سے تو ہیں لیکن عصبات سے نہیں۔

اعتراض وجواب:

”اخ لاب وام“ بیشک عصبۃ بنفسہ ہے اور اس کا انتساب الی المیت ام کی وساطت سے بھی ہے جیسے اب کی وساطت سے لیکن استحقاق عصوبت میں اصل قرابت الاب ہے نہ کہ قرابت الام۔ اسی لئے جو انسان اب کی وساطت سے صرف انتساب رکھتا ہے وہ عصبۃ ہے لیکن صرف ام کی وساطت سے انتساب رکھنے والا عصبۃ نہیں۔ لہذا ام کا واسطہ استحقاق عصوبۃ میں ناقابل اعتبار ہے ہاں ترجیح قرابت میں یہ وصف زائد قابل اعتبار ہے جس کی بنیاد پر یعنی بھائی علاقہ پر ترجیح رکھتا ہے۔ عصبۃ بنفسہ کی چار اقسام ہیں:

(۱) جزء المیت میت کی اولاد۔

(۲) اصل المیت میت کا والد‘ دادا۔

(۳) جزء ایہ متوفی کے باپ کی اولاد یعنی اس کے بھائی۔

(۴) جزء جدہ متوفی کے دادا کی اولاد یعنی اس کے چچا۔

”فالاقرب یرجحون بقرب الدرجة“ ان اقسام میں سے جو میت کے اقرب ہو گا وہ

اولی بالمیراث ہو گا۔

ثم جزء ابیه۔ ای: الاخوة، ثم بنوهم۔ وان سفلوا ثم جزء جدہ۔ ای: الاعمام، ثم بنوهم وان سفلوا۔ ثم یرجحون بقوة القرابة، اعنی به: ان ذات القرابتین اولی من ذی قرابة واحدة ذکرنا کان او انشی لقوله ﷺ "ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات کالاخ لاب وام او الاخت لاب وام اذا صارت عصبة مع البنت اولی من الاخ لاب وابن الاخ لاب وام اولی من ابن الاخ لاب وكذلك الحکم فی اعمام المیت، ثم فی اعمام ابیه ثم فی اعمام جدہ۔

لذا پہلی قسم "جزء المیت" اخذ میراث میں مقدم ہوگی اگر وہ نہیں تو پھر ان کی اولاد یعنی میت کے پوتے یا ان سے بھی بچے۔ دوسرے درجہ پر "اصل المیت" یعنی میت کا باپ اگر وہ نہیں تو پھر میت کا دادا اور اس سے اوپر کے اجداد۔

اولاد اصل (باپ) سے عصبات میں اس لئے مقدم ہے کہ وہ متوفی کی فرع ہے اور فرع کا اتصال اپنے اصل سے نسبت اصل کے اتصال بالفرع سے زیادہ واضح ہے۔ لہذا فرع اصل پر مقدم ہوگی۔ اسی لئے فرع اصل کے تابع ہوتی ہے اور اصل کے ذکر میں وہ مذکور سمجھی جاتی ہے لیکن اس کا عکس ایسے نہیں جیسے زمین کی فروخت میں اس کے درخت اور مکان بھی بالتبع شامل اور داخل سمجھے جاتے ہیں بخلاف مکان اور درختوں کی فروخت میں زمین داخل اور شامل نہیں سمجھی جاتی۔ اولاد کا اظہر اتصال بالاب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حکماً درجہ میں اقرب الی المیت ہے اگرچہ "اتصال بین الفرع والاصل و بین الاصل والفرع حقیقۃً" بلا واسطہ برابر ہے۔

خیال رہے پوتے بھی باپ پر بوجہ استحقاق بنوۃ مقدم ہیں کیونکہ بیٹوں اور پوتوں کے استحقاق کی وجہ ایک ہی استحقاق بنوۃ ہے جو استحقاق ابوت پر مقدم ہے۔

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ:

جد سے مراد اب الاب ہے کیونکہ اب الام جد فاسد ہے جو عصبات میں داخل نہیں اور ماتن کی قید "لاندخل فی نسبته الی المیت انشی" کا بھی یہ ہی تقاضا ہے۔

تیسرے درجہ میں "جزء ابیه" یعنی میت کے باپ کی اولاد یعنی مرنے والے کے بھائی ہوں گے اگر وہ نہیں تو پھر ان کی اولاد ہے۔ وراثت میں بھائیوں کے درجہ کی تاخیر عن الجد

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ امام شافعی اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں بھائی اور ان کی اولاد جد سے مقدم ہیں جس کی تفصیل ”باب المقاسمۃ“ میں آئے گی۔ چوتھے درجہ میں ”جزء جدہ“ میت کے دادا کی اولاد۔ یعنی میت کے چچا ہوں گے اگر وہ نہیں تو پھر ان کی اولاد۔

اس ترتیب مدارج کے بعد اگر کسی صنف میں کوئی ذیل قرابت رکھتا ہے تو وہ غیر ذیل پر مقدم ہو گا۔ اسی لئے یعنی بھائیوں کی موجودگی میں علاقائی محروم ہوتے ہیں کیونکہ عینیوں کی قرابت علاقائیوں کی نسبت قوی ہے۔

لہذا عینی بھائی یا بہن جبکہ بیٹی کی موجودگی میں عصبتہ بن جائے علاقائی بھائی سے اخذ وراثت میں زیادہ حق دار ہوں گے اور عینی بھائی کی اولاد علاقائی بھائی کی اولاد سے اور ایسے ہی سمجھ لیجئے میت کے چچوں کی وراثت کو خواہ اس کے چچا ہوں یا اس کے باپ کے یعنی اولاً: جو درجہ میں اقرب ہو گا وہ مقدم علی الابد ہو گا۔

ثانیاً: جو قوت قرابت میں اقویٰ ہو گا وہ مقدم علی غیر الاقویٰ ہو گا۔ لہذا عم المیت میت کے باپ کے چچا پر مقدم ہو گا کیونکہ وہ درجہ میں اقرب الی المیت ہے اور عم المیت لاب وام یعنی میت کا عینی چچا علاقائی سے بوجہ قوت القرابت اولیٰ ہو گا اور یہ ہی حال ان کی فروع میں معتبر ہو گا۔ لہذا میت کے چچا کا بیٹا اس کے پوتے سے بوجہ قرب درجہ مقدم ہو گا اور میت کے عینی چچا کا بیٹا اس کے علاقائی چچا کے بیٹے سے بوجہ قوت قرابت اولیٰ ہو گا۔



واما العصبۃ بغيره فاربع من النسوة وهن اللاتی فرضهن النصف والثلثان یصرن عصبۃ باخواتهن كما ذكرنا فی حالاتهن، ومن لافرض لها من الاناث واخوها عصبۃ لاتصیر عصبۃ باخيها كالعم والعمۃ المال كله للعم دون العمۃ۔

”أما العصبۃ بغيره.....“

- جو خود تو بنفسه عصبۃ نہیں لیکن غیر کے وجود سے عصبۃ ہیں وہ چار قسم کی عورتیں ہیں:
- (۱) البنت الصلیبۃ، حقیقی بیٹی جو اکیلی ہونے کی صورت میں نصف مال کی ”علی سبیل الفرضیۃ“ مالک ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو دو ثلث کی۔
- (۲) بنت الابن پوتی، بیٹی کے نہ ہونے کی صورت میں وہ احکام وراثت میں بیٹی کے قائم مقام ہے۔

- (۳) ”الاخت لاب وام الخالیۃ عن البنات“ یعنی حقیقی بہن جس کے ساتھ میت کی بیٹیاں نہ ہوں اور نہ پوتیاں۔
- (۴) الاخت لاب اذا لم توجد الثلث المتقدمة علاقۃ بہن جبکہ مذکورہ تینوں اقسام موجود نہ ہوں۔

ان مذکورہ چاروں اقسام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے ان میں سے جب ہر ایک منفرد ہو تو وہ نصف مال میت کی مالک ہے اور اگر دو دو ہوں تو دو ثلث مال کی ”علی سبیل الفرضیۃ“ اور جب ان کے ساتھ ان کے حقیقی بھائی بھی موجود ہوں تو پھر عصبۃ ہیں یعنی ایسی صورت میں انہیں ”علی سبیل الفرضیۃ“ کچھ نہ ملے گا بلکہ عصبۃ ہو جانے کی صورت میں انہیں ”علی سبیل العصبۃ“ ”للذکر مثل حظ الانثیین“ ملے گا جن کی عصبۃ مندرجہ ذیل دو آیات سے ثابت ہے:

(۱) ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“

(۲) ”وان کانوا اخوة رجالاً ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین“

خیال رہے! ایسی عورت جو اصحاب الفروض میں سے نہیں خواہ اس کا بھائی عصبۃ ہی کیوں نہ ہو وہ اس کے طفیل عصبۃ نہیں بن سکتی کیونکہ قرآن مجید کی نصوص مذکورہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عصبۃ بغيره وہی عورت ہوگی جو پہلے اصحاب الفروض سے ہوگی جیسے چچا کے

ساتھ پھوپھی، پھوپھی چونکہ اصحاب الفروض سے نہیں لہذا چچا عصبتہ کے ہوتے ہوئے بھی وہ عصبتہ نہیں اور نہ ہی وہ مال میت سے کسی حصہ کی حق دار ہے بلکہ تمام مال میت پر حق چچا کا ہی ہوگا۔

عصبتہ بغیرہ میں بھائی کی موجودگی میں بہن کی تعصیب کو شرعاً اس لئے تسلیم کیا گیا ہے تاکہ حصہ میں بہن کو بھائی پر فضیلت یا مساوات لازم نہ آجائے۔ یعنی اگر اسے عصبتہ تسلیم نہ کیا جائے بلکہ وہ صاحب فرض ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھائی کی نسبت زیادہ حصہ کی مالک ہو جائے جیسے کوئی متوفی دو بیٹیاں اور دو بیٹے چھوڑ جائے تو دو بیٹیوں کو ثلثان علی سبیل الفرضیت ملنے کے بعد بیٹیوں کے لئے ایک ثلث ہی بچے گا جو دو بیٹیوں میں تقسیم کرنے سے ہر ایک کو سدس $(\frac{1}{6} + \frac{1}{6})$ ملے گا اور یہ ہر بیٹی کے حصہ کے مقابلہ میں نصف ہے۔ لہذا ایسی صورت میں بیٹی کی تعصیب کو تسلیم نہ کرنے سے بیٹی کی بیٹی پر تفضیل لازم آئے گی جو کہ ”للدکر مثل حظ الانثیین“ کے منافی ہے۔ لہذا ایسی انٹی بھائی کے ہوتے ہوئے عصبتہ ہو گی اور عصوبت کی صورت میں اس کا حصہ بھائی سے نصف ہی ہو گا اور اگر دو بہنوں کے ساتھ ایک بھائی ہو، پھر مساوات لازم آئے گی کیونکہ دو بہنوں کو ثلثان اور باقی ایک ثلث بھائی کو عصبتہ ملے گا اور یہ صورت بھی ”للدکر مثل حظ الانثیین“ کے منافی ہے۔

بخلاف اس انٹی کے جو صاحب فرض نہ ہو وہ چونکہ بھائی پر فضیلت حاصل نہیں کر سکتی لہذا وہ عصبتہ نہ ہو گی جیسے پھوپھی چچا کی موجودگی میں عصبتہ نہیں کیونکہ وہ چچا کے نہ ہونے کی صورت میں صاحب فرض نہیں۔ لہذا اس کی فضیلت کا کوئی خطرہ نہیں خواہ اسے عصبتہ نہ بھی تسلیم کیا جائے اور اسی لئے وہ عصبات میں سے نہیں لہذا جمع باقی ترکہ کا مالک، چچا ہی ہو گا۔ اور یہی کیفیت ابن العم مع بنت العم لاب وام او لاب اور ابن الاخ مع بنت الاخ لاب میں ہے۔



واما العصبۃ مع غیرہ فکل انثی تصیر عصبۃ مع انثی اخری کالاخت مع البنت
لما ذکرنا۔

”واما العصبۃ مع غیرہا۔۔۔“

عصبۃ مع غیرہ ہر وہ عورت ہے جو دوسری عورت کی وجہ سے عصبۃ ہو جیسے یعنی بہن
بٹی کے ساتھ مل کر عصبۃ ہو جاتی ہے جس کا ذکر اجعلوا الاخوات مع البنات میں گذر چکا ہے
اور جس کا ثبوت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ فی البخاری سے ملتا ہے۔
لہذا جب متوفی کی بٹی، پوتی اور بہن مجتمع ہوں گی تو وراثت کی تقسیم یوں ہوگی:
بٹی کو نصف اور پوتی کو ”تکملۃ للثلثین“ کی بنیاد پر سدس اور مابقی ثلث عصبۃ کی
بنیاد پر بہن کو لہذا مسئلہ ۶ کے اصل سے حل ہو گا۔

اصل مسئلہ (۶) سے

ورثاء	حصص	سبب
بٹی کو	نصف (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
پوتی کو	سدس (۱)	تکملہ للثلثین
بہن کو	مابقی ثلث (۲)	علی سبیل العصبۃ ملے گا۔



وأخر العصابات مولی العتاقة ثم عصيته على الترتيب الذی ذکرنا لقوله عليه السلام الولاء لحمه كلمة النسب. ولا شیئی للاناث من ورثة المعتق لقوله ﷺ ليس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او كاتبن او كاتب من كاتبن اودبرن اودبر من دبرن او جر ولاءً امتعقهن او معتق معتقهن

”وأخر العصابات مولی العتاقة.....“

عصابات میں سب سے آخر وراثت کا حق دار معتق ہو گا جب کہ مورث آزاد شدہ غلام ہو۔ اس کے بعد معتق کے عصابات اسی ترتیب سے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ یعنی سب سے مقدم اس کا عصبتہ بنفسہ اور اس میں اس کی چاروں اقسام اسی ترتیب کے مطابق جس کا ذکر کتاب میں مذکور ہے اس کے بعد عصبتہ بغيره بعدہ عصبتہ مع غيره اور آخر میں عصبتہ مولی العتاقة جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے ”الولاء لحمه كلمه النصب“ یعنی ”ولاء“ بھی نسبى رشتہ کی مانند ایک ایسا تعلق اور رشتہ ہے جو عتاق کے بعد ”معتق“ اور ”معتق“ میں ایسے ہی قائم ہو جاتا ہے جیسے ولادت سے باپ بیٹے میں ”فکما ان الولد بصیر منسوباً الی ابيه بالنسب کذا لک المعتق بصیر منسوباً الی معتقه بالولاء“ لہذا معتق کے اگر اپنے ورثاء نہ ہونگے تو پھر معتق اپنے اس تعلق ولاء کے پیش نظر اس کی وراثت کا مالک اور حق دار ہو گا۔

حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ اور حنفیہ کے ہاں وراثت میں مولی العتاقة کا مقام اور درجہ ذووا الارحام اور ”رد علی ذوی الفروض“ سے مقدم ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک اس کا مقام اور درجہ ذووا الارحام سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فی کتاب اللہ“ کے باعث موخر ہے۔ یعنی اولوا الارحام بعض بعض سے وراثت میں زیادہ اقرب ہیں بنسبت اس انسان کے جو ذو رحم نہیں۔ ظاہر ہے کہ مولی المتافقة بھی ذووا الارحام سے نہیں۔ لہذا، کسی ذو رحم کی موجودگی میں وہ کیسے وارث ہو سکتا ہے؟

نیز آپ کے فرمان ”لمن اعتق عبداً هو مولاک فان شکوک فهو خیر له“ وان کفرک فهو شر له وان مات ولم یترک وارثاً کنت انت عصبتہ“ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولی العتاقة اسی وقت وارث ہو گا جبکہ معتق کا اپنا کوئی وارث نہ ہو گا ظاہر ہے کہ ذووا الارحام

بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ورثاء میں سے ہیں۔ لہذا ان کی موجودگی میں مولیٰ العتاقۃ وارث نہ ہو گا۔

حنفیہ جو ابایوں کہتے ہیں کہ آیت اپنے شان نزول کے اعتبار سے مہاجرین و انصار کی مواخاۃ سے متعلق ہے جس کے باعث وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے تو آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس توریث کو منسوخ کرتے ہوئے یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ رشتہ رحم مواخاۃ اور موالاة پر مقدم ہے نہ یہ کہ مولیٰ العتاقۃ پر بھی مقدم ہے اور حدیث میں ”لم یتبرک وارثاً“ سے مراد یہ ہے کہ ”لم یدع وارثاً ہو عصبۃ“ یعنی وارث سے مراد مطلق وارث نہیں بلکہ ایسا وارث مراد ہے جو عصبۃ ہو اور اس تقیید پر دال حدیث کے آخری الفاظ ”كنت انت عصبته“ ہیں۔ کیونکہ آپ نے ”عصبته“ کہا ہے نہ کہ كنت وارثه لہذا جب ”مولیٰ العتاقۃ عصبۃ“ ہو گا اور وہ بھی آخر العصبات جیسا کہ حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہو رہا ہے تو پھر وہ ذودا الارحام اور رد پر مقدم ہو گا کیونکہ عصبات کو ذودا الارحام اور رد پر میراث میں تقدم حاصل ہے۔

خیال رہے! حنفیہ کے ہاں معین معین کا مطلقاً وارث ہو گا خواہ اسے لوجہ اللہ آزاد کرے یا غیر اللہ یہ کہتے ہوئے اعتقک للشیطان یا اسے سائبۃ آزاد کرے اور یا پھر اس شرط کے ساتھ کہ لا ولاء لی علیک یا بالمال او بلا مال او بطریق الکتابۃ ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک معین معین کا اس لئے وارث ہو گا کہ سبب وراثۃ ان کے ہاں اعتاق ہے جو آپ کے فرمان ”الولاء لمن اعتق“ سے ثابت ہے۔ لہذا جب سبب ان مذکورہ صور میں موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں مسبب موجود نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر معین غلام کو غیر اللہ کے نام پر یا اس شرط کے ساتھ کہ ”ان لا ولاء لی علیک“ آزاد کرے تو وہ مستحق للولاء نہ ہو گا۔ نتیجتاً وہ ایسی صورت میں وارث بھی نہیں ہو گا کیونکہ ایسا انسان مرتکب معصیت ہے لہذا وہ اس صلہ شرعیۃ (ولاء) کا مستحق نہ ہو گا اور جب وہ ولاء ہی سے انکار کر دے تو بھی وہ مستحق نہ ہو گا۔

خیال رہے معین کی وراثت سے عورتیں حصہ دار نہیں ہوں گی ”لقولہ ین : لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن“ یعنی عورتوں کے لئے ”ولاء“ میں کوئی حصہ نہیں ہاں اس صورت میں ہو گا جبکہ وہ خود کسی غلام کو آزاد کریں یا ان کا آزاد کردہ

غلام آگے کسی اپنے غلام کو آزاد کرے یا اس کی طرف سے ”کتابت“ کی کوئی صورت ہو یا پھر ”تدبیر“ کی۔



ولو ترك ابا المعتق وابنه عند ابي يوسف - رحمه الله - سدس الولاء للاب والباقي للابن وعند ابي حنيفة ومحمد عليهما السلام الولاء كله للابن ولا شيء للاب ولو ترك ابن المعتق وحده فالولاء كله للابن بالاتفاق ومن ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه ويكون ولاء له بقدر الملك

ان مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ ولاء میں عورت کا کوئی حق نہیں یا پھر ان کا معتق یا معتق کا معتق ولاء کو عورت کی طرف بھیج کر لانے کا سبب بن جائے تو پھر بھی عورت کی طرف ولاء کا انتساب ہو سکتا ہے۔

حدیث سے حاصل مقصد یہ ہے کہ عورت ولاء کی حق دار نہیں ماسوائے اس صورت کے جبکہ وہ کسی کو آزاد کرے یا اس کا آزاد غلام یا لونڈی آگے کسی اپنے غلام یا لونڈی کو آزاد کریں۔ یا پھر وہ ایسی ولاء کی مالک ہو سکتی ہے جو اس کے آزاد کردہ غلام، لونڈی یا آگے اس کے آزاد کردہ غلام، لونڈی کے آزاد کردہ غلام، لونڈی یا آگے اس کی آزاد کردہ غلام، لونڈی کی آزاد کردہ غلام لونڈی کی مجرور ہو۔

معتق اور مکاتب کی ولاء کا معاملہ تو واضح ہے اور ان کے معتق المعتق کی ولاء کی صورت یہ ہے۔ مثلاً:

خالدہ نامی عورت نے اپنے غلام بکر کو آزاد کیا۔ آزادی کے بعد بکر نے ایک غلام خالد نامی خرید کر آزاد کر دیا۔ پھر معتق ثانی خالد وفات پا گیا جس کا اپنا کوئی عصبتہ النسبۃ موجود نہیں۔ خالد سے قبل معتق اول بکر بھی بلا وارث وفات پا گیا۔ اب خالد معتق ثانی کی میراث من جهة الولاء خالدة کے لئے ہوگی اور ایسے ہی صورت اس کے مکاتب المكاتب کی بھی ہو سکتی ہے۔

اور عورت کے مدبر کی ولاء کی صورت یہ ہوگی کہ کوئی عورت اپنے غلام کو مدبر قرار دینے کے بعد مرتد ہو کر دار الحرب کو چلی گئی جس کے بعد قاضی نے اس کے مدبر کی آزادی کا حکم دے دیا بعدہ اگر وہ عورت تائب ہو کر دار الاسلام واپس چلی آئے تو وہ اپنے مدبر غلام کی وفات پر اس کی ولاء کی مالک ہوگی۔ بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے کوئی عصبتہ نسبۃ نہ چھوڑ جائے۔ ایسے ہی حکم مدبر المدبر کا بھی ہوگا اور اس کے معتق کی جز ولاء کی صورت یہ ہوگی۔

مثلاً: کسی عورت کے غلام نے اس کی اجازت سے کسی کو آزاد شدہ لونڈی سے نکاح کیا اب جو ان کی اولاد ہوگی وہ ماں کی حیثیت کے تابع ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگی کیونکہ ان کی ماں آزاد ہے اور ان کی ولاء بھی ان کی ماں کے مولیٰ کی ہوگی لیکن اگر یہ عورت اپنے غلام کو آزاد کر دے تو پھر اس کا آزاد غلام اپنی اولاد کی ولاء کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ بعدہ اپنی مولاء کی طرف حتیٰ کہ اگر معتق غلام وفات پا جائے اور اس کے بعد اس کا لڑکا بھی جو اپنے پیچھے اپنے والد کی معتقہ کو چھوڑ جائے تو اس کی ولاء کی مالک اس کے والد کی معتقہ ہوگی۔

ایسے ہی صورت معتق المعتق کی جر ولاء کی بھی ہو سکتی ہے جیسے کسی عورت کا آزاد غلام اپنا غلام خرید کر کسی کی آزاد لونڈی سے نکاح کر دے تو ان کی جو اولاد ہوگی وہ آزاد ہوگی اور اس کی ولاء کا مالک ان کی ماں کا مولیٰ ہوگا لیکن جب آزاد شدہ غلام اپنے غلام کو آزاد کر دے گا تو وہ اپنی اولاد کی ولاء کو اپنی طرف کھینچ کر اپنی مولاء کی طرف منتقل کر دے گا۔

جر ولاء حدیث مذکورہ کے علاوہ موطا امام مالک، رحمہ اللہ کی ذیل کی روایت سے بھی ثابت ہے:

”عن ربيعة ان الزبير بن عوام اشترى عبداً فاعتقه وللعبد بنون عن امرأة حرة فقال الزبير هم موالی‘ وقال موالی امهم هم موالینا فاختصموا الى عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقصی للزبير“

”یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ لونڈی سے اولاد کو دیکھا تو وہ انہیں اچھی صحت کے باعث کام آنے والی نظر آئی۔ چونکہ ان کا باپ کسی کا غلام تھا لہذا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے خرید کر اس کی اولاد کو اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کی ماں کو آزاد کرنے والے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے مزاحمت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا انتساب میری طرف ہی رہے گا کیونکہ ان کی ماں کو میں نے آزاد کیا ہے جب فیصلہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جر ولاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا۔“

یعنی گو اولاد کی ولاء کے مالک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ تھے لیکن اب ان کے والد کو خرید کر آزاد کر دینے سے ان کی ولاء حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ نیز اس اعتبار سے بھی بچوں کی ولاء کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہونا ضروری ہے کہ اولاد کا انتساب ماں کی بجائے باپ کی طرف ہوتا ہے اور ماں کی طرف انتساب کسی ضرورت کی بنیاد پر ہوتا ہے جیسے ولد الزنا اور ولد الملاءنہ میں۔ اسی لئے جب ملاعن اپنی تکذیب کرے تو بچے کا انتساب فوراً ماں سے منتقل ہو کر باپ کی طرف ہو جاتا ہے۔ لہذا باپ کی وساطت سے جر ولاء کی بنیاد پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بچوں کی ولاء کے انتقال کا فیصلہ ماں کو آزاد کرنے والے حضرت رافع بن خدیج سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف دیا۔

”ولو ترک.....“ یعنی اگر معتق آزاد شدہ غلام مرتے وقت اپنے پیچھے معتق آزاد کرنے والے کا باپ اور اس کا بیٹا چھوڑ جائے تو ایسی صورت میں امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ولاء کا سدس (چھٹا) حصہ باپ کے لئے ہو گا باقی ماندہ پانچ انماس بیٹے کے لئے ہوں گے، لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما کے نزدیک تمام ولاء بیٹے کے لئے ہو گی اور باپ بالکل محبوب ہو گا اور اگر معتق معتق کا بیٹا اور اس کا دادا چھوڑ جائے تو پھر ایسی صورت میں بالاتفاق تمام آئمہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ صاحب اور صاحبین کے نزدیک ولاء بیٹے کے لئے ہو گی، دادا کا اس میں کوئی حق نہیں ہو گا۔

”ومن ملک ذارحم محرم.....“ یعنی جو کوئی اپنے کسی ایسے رشتے دار کا مالک ہو جائے جس سے اس کا بصورت عورت ہونے شرعاً نکاح نادرست ہے تو وہ خرید دار پر آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء کا بقدر ملک حق دار ہو گا۔



كثلت بنات للكبرى ثلثون، وللصغرى عشرون ديناراً، فاشترتا اباهما بالخمسين ثم مات الاب وترك شيئاً فالثلثان بينهما اثلاثاً بالفرض والباقي بين مشتريتي الاب اخماساً بالولاء ثلاثة اخماسه للكبرى وخمساء للصغرى وتصح من خمسة واربعين

جیسا کہ کسی انسان کی تین لڑکیوں میں سے صغریٰ اور کبریٰ مل کر اپنے غلام باپ کو خریدیں جس میں کبریٰ کے تیس روپے اور صغریٰ کے بیس روپے ہوں تو باپ کے مرنے پر جمع مال کے دو ثلث "علی سبیل الفرضیۃ" تینوں بیٹیوں کو ملیں گے اور باقی ایک ثلث صغریٰ اور کبریٰ کو اپنے حصص کے مطابق "علی سبیل الولاء" ملے گا۔ لہذا مسئلہ کی صورت اور مال کی تقسیم یوں ہوگی:

اصل مسئلہ "۳" سے

جس میں سے "ثلثان علی سبیل الفرضیۃ" تینوں بیٹیوں میں تقسیم ہوں گے اور باقی ایک ان دو بیٹیوں یعنی صغریٰ اور کبریٰ میں جنہوں نے دو اور تین کی نسبت سے اپنے باپ غلام کو خریدا تقسیم ہو گا لیکن نہ ہی تو "ثلثان" یعنی "دو" بلاکسر تین بیٹیوں پر تقسیم ہوتے ہیں اور نہ ہی ایک بیس اور تیس روپے باپ کی خریداری میں خرچ کرنے والی بیٹیوں کے مجموعی تناسب "۵" پر لہذا "۵" کے مجموعی تناسب کو "۵" روس فرض کرتے ہوئے تین بیٹیوں کے روس سے ضرب دی جائے گی جن پر ان کا حصہ "ثلثان" یعنی "۳" بلاکسر تقسیم نہیں ہوتا لہذا $15=3 \times 5$ اب ان "15" کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے "45" کی تعداد سے مسئلہ کی بلاکسر تصحیح ہوگی۔ اب جبکہ اصل مسئلہ "3" سے تمام بیٹیوں کو "علی سبیل الفرضیۃ" "2" ملے تھے انہیں مضروب "15" میں ضرب دینے سے "45" میں سے "30" حاصل ہوں گے جو تینوں بیٹیوں پر "علی سبیل الفرضیۃ" بلاکسر دس دس کی صورت میں تقسیم ہوں گے۔ اور خریدار بیٹیوں کے اصل مسئلہ سے "1" کو مضروب میں ضرب دینے سے "45" میں سے "15" حصص حاصل ہوں گے جنہیں ان کے تناسب "2" اور "3" پر تقسیم کرنے سے صغریٰ کو "6" اور کبریٰ کو "9" ملیں گے۔

مزید وضاحت:

اصل مسئلہ ”3“ لیکن بلاکسر مال کے تقسیم نہ ہونے سے تصحیح ”45“ سے لہذا جمع مال میت کے ”45“ حصص کرنے کے بعد ”علی سبیل الفرضیہ“ ”3“ بیٹیوں کو ”30“ جو دس دس کی صورت میں انہیں ملیں گے۔ اور خریدار بیٹیوں کو ”علی سبیل الولاء“ ”15“ حصص ملیں گے جو ان میں بقدر الملک صغریٰ کو ”6“ اور کبریٰ کو ”9“ کی تعداد میں تقسیم ہوں گے:

لہذا کبریٰ کو علی سبیل الفرضیہ والولاء: $19 = 9 + 10$

صغریٰ کو علی سبیل الفرضیہ والولاء: $16 = 6 + 10$

اور متوسطہ کو صرف علی سبیل الفرضیہ: $10 = +$

ملیں گے۔

کل حصص: $(45) =$

حافظ ابو اسحاق کے ہاں مسئلہ مذکورہ میں اگر کبریٰ اور صغریٰ اپنے باپ کا حالت جنون میں نکاح کر دیں تو یہ نکاح درست ہو گا کیونکہ باپ کی ولاء کی مالک بن جانے سے وہ عصبت بالولاء قرار پائیں گی جس سے انہیں ولایۃ الانکاح حاصل ہو جائے گی۔ چونکہ اس مسئلہ میں بیٹی، باپ کی ولیہ بن گئی لہذا حافظ ابو اسحاق اسے غرائب میں شمار کرتے ہیں۔

”تنبیہ“

”ومن ملک ذارحم محرم“ کی بحث کا تعلق اگرچہ باب ذوا الارحام سے ہے لیکن اس جگہ اس کا ذکر ایک تو اس لئے ہے کہ وہ عصبات نسبتہ کی بحث کا تتمہ اور حصہ ہے ثانیاً ماتن اس بات پر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عتق غیر اختیاری بھی ولاء کا سبب ہے۔ لہذا اس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:

قربت کی تین انواع ہیں:

- (۱) قربت ذی رحم محرم، خواہ اس کا تعلق اصل، آباء اجداد سے ہو یا فرع اولاد سے۔
- (۲) قربت متوسطہ، ایسی قربت محارم جس کا تعلق اصل و فرع سے نہ ہو بلکہ قربت اخوة، اخوات اور ان کی اولاد، قربت اعمام عمت، احوال اور خالات سے ہو۔
- (۳) قربت بعیدہ ایسی قربت جس کا تعلق محارم سے نہ ہو بلکہ ذو رحم سے ہو جیسے اولاد الاعمام والاحوال والخالات۔

قربت کی نوع اول سے تعلق رکھنے والے انسان کا جب کوئی مالک ہو گا تو وہ انسان باتفاق الاحناف والشافع آزاد ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”ما یبغی للرحمن ان یتخذ ولدا ان کل من فی السموات والارض الا انی الرحمن عبدا“ میں عبودیت کے اثبات سے بنوۃ کے ملک کی نفی ہوتی ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہو رہا ہے کہ عبودیت اور بنوۃ آپس میں منافی ہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں جب بنوۃ ثابت ہو گی تو عبودیت کی از خود نفی ہو جائے گی۔ لہذا بیٹے کو جب کوئی انسان خریدے گا تو وہ از خود فوراً آزاد ہو جائے گا ایسے ہی دوسرے محارم، ہاں اس کی ولاء کا مالک، خریدار ضرور ہو گا کیونکہ ولاء کا تعلق نسبتی ایک ایسا تعلق ہے جو کسی کی نفی سے بھی منفی نہیں ہو سکتا۔

اہل الظاہر کے نزدیک صورت مذکورہ میں غلام از خود آزاد نہیں ہو گا جب تک کہ باپ اسے آزاد نہ کرے کیونکہ آپ کے فرمان ”لن یجزی ولد والدہ الا ان یجده مملوکا فیستریہ فیعتقه“ میں کلمہ ”فیعتقه“ سے معلوم ہو رہا ہے کہ محرم غلام از خود آزاد نہ ہو گا بلکہ آزاد کرنے سے آزاد ہو گا۔ ہاں اہل الظاہر کے ہاں یہ ضروری ہے کہ ایسے ذو رحم کو آزاد کر دینا چاہئے۔ قربت کی نوع ثانی سے تعلق رکھنے والے ذو رحم کا جب کوئی انسان مالک ہو گا تو وہ بھی خفیہ کے نزدیک از خود آزاد ہو جائے گا لیکن امام شافعی رحمہ اللہ از خود اس کی آزادی کے قائل نہیں جب تک کہ خریدار اسے آزاد نہ کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید ذیل کے امور سے ہوتی ہے:

- (۱) صورت مذکورہ میں مالک اور مملوک کے درمیان کسی قسم کا علاقہ جزئیت نہیں جیسے اصل و فرع باپ بیٹے میں ہوتا ہے۔ لہذا مملوک مالک پر از خود آزاد نہ ہو گا۔
- (۲) ان کی شہادت کا ایک دوسرے کے حق میں مقبول ہونا۔
- (۳) ایک دوسرے کے لئے زکوٰۃ کا حلال ہونا جیسے بھائی کی زکوٰۃ بھائی کے لئے حلال ہے۔
- (۴) جانہین سے قصاص کا تحقق یعنی ایسے محارم میں قصاص کا اجراء۔
- (۵) ہر ایک کی بیوی کا دوسرے کے لئے حلال ہونا جیسے ایک بھائی کی مطلقہ یا متوفی عنہا بیوی، دوسرے کے لئے حلال ہے بخلاف الوالد والمولود ان کی بیویاں ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں۔

احناف اپنی تائید میں ذیل کی روایت پیش کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رجلاً قال لرسول اللہ ﷺ انی وجدت اخی یباع فی السوق فاشتريته وانی ارید ان اعتقه فقال قد اعتقه اللہ

یہ روایت عند الخفییہ بھی ضعیف ہے اسی لئے مسلک کی تائید میں ان کی طرف سے نسائی شریف کی وہ روایت پیش کی جاتی ہے جو اپنے عموم کے لحاظ سے محارم متوسطہ کو بھی شامل ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں: "من ملک دارحم محرم فهو حر" نیز مندرجہ ذیل عقلی دلائل کو بھی وہ پیش کرتے ہیں:

اولاً: احناف کا کہنا ہے کہ آزادی کی اصل علت ملک اور قرابت متایدہ بالمحرمیت ہیں۔ لہذا نوع ثانی میں اس کے پائے جانے سے مملوک محرم، از خود آزاد ہو جائے گا۔

ثانیاً: اس قرابت متوسطہ میں حرمت مناکحت کی علت جب ذلۃ الاستفراش ہے تو پھر ملک یمین میں ذلت تو اس سے کہیں زیادہ ہے لہذا وہ ملک کیونکر جائز ہو گا۔ نتیجتاً اس قرابت میں بھی مملوک از خود آزاد ہو جائے گا۔

ثالثاً: جمع بین الاحتمین میں جب حرمت کی وجہ قطع رحم ہے جو ضرائر میں منافرت سے واضح ہے تو یہی قطع رحم قرابت مذکورہ میں ملک کے برقرار رکھنے میں کہیں زیادہ ہے۔ لہذا اس قطع رحم کا بھی تقاضا ہے کہ مملوک بالفور آزاد ہو جائے۔

لہذا ان وجوہات مذکورہ کی بنیاد پر مملوک کی بالفور آزادی کے راستے میں علاقہ جزئیت کا انتضاء مضر نہ ہو گا۔ نیز احد الاخوان کا اتصال بالآخر بواسطۃ الاب ایسے ہی ہے جیسے نافلہ "اولاد الابن والبنت" کا بالجذ، تو پھر جو حکم نافلہ کا ہو گا وہی حکم احد الاخوان کا ہو گا۔ یعنی جب نافلہ میں سے مملوک از خود آزاد ہو جاتا ہے تو اخوین میں سے آزاد کیوں نہ ہو گا؟ بلکہ بعض فقہاء نے بعض تشبیہات میں اخوین کے اتصال بالاب کو بنسبت نافلہ کے اتصال بالجذ اتوی قرار دیا ہے۔ لہذا مملوک بھائی کی آزادی نافلہ سے اولیٰ ہو گی۔

ملاحظہ:

خیال رہے! اولاد الاعمام والاخوان کی بوجہ واسطات کثیرہ کے وہ حیثیت نہیں جو اعمام واخوان کی ہے۔ لہذا وہ قرابت متوسطہ میں داخل نہ ہوں گے بلکہ قرابت ثالثہ بعیدہ میں داخل ہوں گے۔ قرابت کی نوع ثالثہ بعیدہ سے تعلق رکھنے والے انسان کا جب کوئی مالک ہو گا تو بالاتفاق بین الاحناف والشافع مملوک از خود آزاد نہ ہو گا کیونکہ زیادہ وسائط کے

باعث جب وہ محارم سے نہ رہا تو اس نعمت کا بھی وہ مستحق نہ رہا۔ اسی لئے اس قرابت میں حرمة النکاح اور حرمة الجمع فی النکاح ثابت نہیں جیسے جمع بین بنت العم و بین بنت العم الاخر ممنوع نہیں۔
”تصریح“

عصبات کی توریث پر کتاب و سنت سے ذیل کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں:
 ”ولابویہ لكل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث“

آیت سے نصاً معلوم ہو رہا ہے کہ میت کی اولاد کی موجودگی میں والدین میں سے ہر ایک کو ”علی سبیل الفرضیة“ سدس ملے گا اور اگر اولاد نہ ہو تو پھر والدہ کو ”علی سبیل الفرضیة“ ثلث، لیکن باپ کا حصہ آیت میں مذکور نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ما بقی ثلثان بالتعصیب“ باپ ہی کے لئے ہو گا۔ لہذا آیت سے اس کی وراثت بالتعصیب ثابت ہوئی۔

(۲) ”ان امرءً هلك ليس له ولدٌ ولدٌ اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد“

آیت کے آخری حصہ ”وہو یرثها“... الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر ہمیشہ کی اولاد نہ ہو تو اس کے جمع ترکہ کا وارث یعنی بھائی ہو گا۔ کیونکہ اس کے لئے آیت میں کوئی متعین حصہ مذکور نہیں اور یہ ہی معنی عصبتہ کا ہے۔

(۳) ”الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فلا ولی رجل ذکر“ (بخاری شریف)

یعنی اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اقرب عصبتہ مذکر کے لئے ہو گا۔

فائدہ

”ذکر“ کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ عصبتہ خواہ بچہ ہی کیوں نہ ہو وہ باقی کا وارث اور مستحق بالتعصیب ہو گا۔

”اقسام العصبۃ“

عصبتہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عصبۃ نسبیہ - جو بسبب نسب عصبۃ ہو۔

(۲) عصبۃ سببیہ - جو کسی سبب سے عصبۃ ہو جیسے عقن۔

غلام کو آزاد کرنے کی صورت میں اگر اس کا اپنا کوئی وارث من اصحاب الفروض والعصبات نہ ہو تو معتق اس کا بالولاء عصبۃ سببیہ ہونے کے باعث وارث ہو گا۔
”اقسام العصبۃ النسبیۃ ثلاثة“

(۱) عصبۃ بالنفس (۲) عصبۃ بالغیر

(۳) عصبۃ مع الغیر

”ملاحظہ“

خیال رہے! علم میراث میں جب عصبۃ بلاقید مذکور ہو تو اس سے مراد عصبۃ بنفسہ ہوتا ہے اور اگر ثانی اور ثالث مراد ہوں تو پھر وہ مقید مذکور ہوں گے یعنی ”عصبۃ بالغیر“ اور ”عصبۃ مع الغیر“ کی صورت میں۔

اصناف العصبۃ بالنفس اربعة:

(۱) عصبۃ بالنفس کی چار اصناف جن کا ذکر بالترتیب پیچھے گذر چکا ہے جب ان میں سے کوئی ایک صنف موجود ہوگی تو وہ اصحاب الفروض کے سام سے مالقی کی حق دار ہوگی اور اگر اصحاب الفروض ہی جمیع ترکہ پر حاوی ہو جائیں تو پھر وہ میراث سے محجوب رہیں گے جیسے کوئی عورت اپنی وفات پر ذیل کے ورثاء جھوڑ جائے۔

زوج، اخت، لاب و ام، اخ، لاب تو زوج اور اخت شقیقہ کو نصف نصف ترکہ ملنے پر اخ، لاب کے لئے کچھ نہ بچا۔ لہذا وہ محجوب رہے گا۔ اور اگر ان اصناف میں سے دو یا زیادہ موجود ہوں تو پھر ذیل کی ترجیحات پر عمل ہو گا۔

أولاً: ترجیح بالجهة للذا جهة البنوة باقی ماندہ حیات و اصناف پر تقدیم کے پیش نظر مقدم ہوگی۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! ترجیح بالجهة میں یعنی اور علاتی بھائی کی جت گو جتہ بالاوۃ سے متاخر ہے لیکن مختار مذہب کے مطابق مع الجد وہ وارث ہوں گے۔

ثانیاً: ترجیح بالدرجہ جب عصبۃ بنفسہ متعدد ہوں اور جت میں بھی متحد ہوں تو پھر

ان میں ترجیح بالدرجہ ہوگی یعنی جو درجہ میں اقرب ہو گا وہ وارث اور دوسرا محبوب، جیسے بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں ترکہ تمام تر بیٹے کے لئے ہو گا کیونکہ وہ پوتے کی نسبت اقرب الی المیت ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایک طرف علاقائی بھائی اور دوسری طرف عینی بھائی کا بیٹا تو جمع تر ترکہ، علاقائی بھائی کو حاصل ہو گا کیونکہ وہ درجہ میں رائج اقرب الی المیت ہے۔

ثالثاً: ترجیح بقوة القرابة جب عصبیت جہت اور درجہ میں برابر ہوں تو پھر ترجیح بوجہ قوت قرابت ہوگی جیسے ایک طرف حقیقی بھائی ہو اور دوسری طرف علاقائی تو میراث تمام تر حقیقی بھائی کے لئے ہوگی کیونکہ وہ قرابت میں علاقائی سے قوی تر ہے۔ ایسے ہی حقیقی چچا اور علاقائی چچا میں ترجیح حقیقی چچا کو ہوگی اور وہ ہی جمع ترکہ کا وارث ہو گا۔

”فوائد“

- (۱) خیال رہے! ترجیح بقوة القرابة جہت بنوۃ اور جہت ابوت میں نہیں پائی جاسکتی۔
- (۲) جب عصبت بالنسب اور عصبت بالسبب جمع ہو جائیں تو وراثت میں عصبت بالنسب مقدم ہو گا کیونکہ جہت نسب نسبت جہت سبب اقویٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اقویٰ اضعف پر مقدم ہی ہوتا ہے جیسے مسالۃ القضاۃ سے واضح ہے۔

”صورة المسالة“ کوئی بہن اور بھائی مل کر اپنے باپ کو خریدیں تو باپ آپ کے فرمان ”من ملک ذا رحم محرم منه عتق علیہ“ کے مطابق آزاد ہو جائے گا پھر باپ کسی غلام کے مالک ہو جانے پر اسے آزاد کر دیتا ہے۔ بعدہ باپ اور اس کے بعد اس کا آزاد کردہ غلام وفات پا جاتے ہیں۔ اس صورت مذکورہ میں باپ کے آزاد کردہ غلام کی ولاء کا مالک اس کا بیٹا بوجہ معیق باپ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے ہو گا نہ اس لئے کہ وہ معیق المعیق ہے۔

حاصل الکلام یہ ہے کہ بیٹا بوجہ عصبت بالنسب بنفسہ ہونے کے وارث ہو گا نہ محض بالولاء بخلاف اس کی ہمیشہ کے جو باپ کی ولاء میں عصبت سببی ہے اور ظاہر ہے کہ عصبت نسبی سببی پر مقدم ہے نیز عصبت بنفسہ میں جہت بنوۃ کی مقدم علی الولاء ہے۔ لہذا بیٹا تو باپ کے آزاد کردہ غلام کی ولاء کا مالک ہو گا لیکن اس کی ہمیشہ وارث نہ ہوگی۔

”وجہ التسمیہ“ اس مسئلہ کو مسئلۃ القضاۃ کے نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس کی وضاحت میں چار صد قضاۃ سے لغزش ہوئی۔

”ضابطہ“ خیال رہے! عصبیت بنفسہ مذکر ہی ہو سکتا ہے۔ انٹی عصبیت بنفسہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر وہ معتقہ ہو تو ہو سکتی ہے جیسے صاحب الرحیمہ کا کہنا ہے۔

ولیس فی النساء طرًا عصبۃ الا اللتی منت بعنق الرقیۃ
اعتراض وجواب:

بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ میت سے اس کے باپ اور بیٹے کا درجہ فی القربت والانتساب ایک جیسا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک فرع (بیٹا) ہے۔ اور دوسرا اصل (باپ) لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹے اور پوتے کو وراثت میں بالتعصیب باپ پر تقدم حاصل نہ ہو تو اس کی تردید میں یوں ہی کہا جاسکتا ہے کہ جهة بنوة کو جهة ابوت پر ذیل کے ادلہ سے تقدیم حاصل ہے۔

دلیل النقل:

(۱) قوله تعالى: ”ولا يوه لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد“ آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حصص کا بیان تو کیا ہے لیکن بیٹے کے حصہ کا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹا مالمی کا بالعصوبة مالک ہو گا اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹا عصوبہ میں مقدم علی الاب ہے چونکہ پوتا بیٹے کے نہ ہونے پر اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لہذا اس کا حکم بھی بیٹے جیسا ہو گا۔

دلیل عقلی:

(۲) اکثر دیکھا گیا ہے اور تجربہ میں آچکا ہے کہ انسان بیٹے کو اکثر امور میں باپ پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی عادت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ بیٹے کے لئے مال و متاع کو جمع کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے: ”الولد مبخلۃ مجبنة“ یعنی اولاد باپ کے بخل و جبن کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ مال میں بخل سے کام لیتا ہے حتیٰ کہ حوائج ضروریہ اور امور شرعیہ میں بھی مال کو خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور اولاد ہی کے لئے اپنی بقاء کو چاہتا ہے حتیٰ کہ جہاد سے بھی کبھی اجتناب کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی محبت کس قدر باپ کے دل میں موجود ہوتی ہے اور وہ باپ سے بڑھ کر کس قدر اقرب الی الانسان ہوتی ہے۔

(۲) ”العصبة بالغیر“ عصبة بالغیر میں چار قسم کی عورتیں داخل ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

”شروط العصبة بالغیر ثلاثة“

(۱) عصبة بالغیر وہ انثیٰ ہوگی جو عصبة قرار دیئے جانے سے قبل اصحاب الفروض سے ہو۔

اگر وہ اصحاب الفروض سے نہیں تو ایسی عورت عصبة بالغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) اس کا معصب درجہ میں برابر ہونا چاہئے۔

(۳) معصب، عصبة بننے والی عورت کی قوت قرابت میں برابر ہونا چاہئے۔ لہذا علاقائی بھائی،

یعنی بہن کو عصبة نہ بنا سکے گا کیونکہ وہ قوت میں اس سے کم تر ہے۔

”وجه التسمية“

عصبة بالغیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان چاروں اقسام کی عورتوں کی عصوبہ ذاتی نہیں

بلکہ بالغیر ہے اور وہ غیر عاصب بنفسہ ہے اگر وہ موجود ہو گا تو یہ عصبة ہوں گی نہیں تو نہیں۔

”دلیل توریشھا“

(۱) قولہ تعالیٰ: ”للذكر مثل حظ الانثیین“

(۲) وقولہ: ”فان كانوا اخوة رجالاً ونساءً فللذكر مثل حظ الانثیین“ علماء کا اس بات پر

اجماع ہے کہ ”اخوة“ سے مراد حقیقی بہن بھائی ہیں۔

(۳) العصبة مع الغیر

یہ تعصیب اخوات مع البنات کے ساتھ خاص ہے جب کوئی عینی یا علاقائی بہن بیٹی کے

ساتھ موجود ہوگی بشرطیکہ بہن کا بھائی موجود نہ ہو تو وہ مع البنات و بنت الابن عصبة ہوگی اور

یہ ہی مفہوم ”اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة“ کا ہے۔

اخوات کو مع البنات عصبة قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اخوات مع البنات پر ترکہ

کی تقسیم میں کوئی کمی (نقص) واقعہ ہو تو وہ صرف اخوات کے حصہ میں ہو اور وہ تب ہی ہو

سکتا ہے جب انہیں عصبة قرار دیا جائے۔

اگر بالفرض انہیں بالفرضیت حصہ دیا جائے تو دو اخوات کو ثلثان ملنے سے ایک بیٹی کا

نصف حصہ کم ہو جائے گا۔ لہذا نقص کو اخوات کے ساتھ مخصوص کرنے سے بیٹی کا حصہ

نقصان سے بچ جائے گا اور یہ اخوات کو مع البنات عصبة قرار دینے سے ہی ممکن ہے کیونکہ

عصبۃ مابقی کا حق دار ہوتا ہے۔

عصبۃ مع الغیر کی توریث بخاری شریف کی اس روایت سے ثابت ہے جس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے متوفی کے ترکہ میں سے پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور بہن کو بھی نصف حصہ دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمانے لگے ”لاقضین فیہا بقضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تکملۃ للثلثین دینے کے بعد مابقی بہن کو دیا جائے گا۔ جب اس صورت حال کا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی تصدیق ہی نہ کی بلکہ فرمایا ”لا تسألونی مادام ہذا الحبر فیکم“ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بہن کو بیٹی کے ساتھ مابقی دیا ہے اور مابقی حاصل کرنے والا عصبۃ ہی ہو سکتا ہے لہذا بہن، بیٹی کی موجودگی میں عصبۃ ہوگی۔

خیال رہے! جب حقیقی بہن مع البنات عصبۃ ہوگی تو وہ مرتبہ میں حقیقی بھائی کے برابر ہوگی۔ لہذا وہ علاقائی بھائیوں بہنوں کے لئے ایسے ہی حاجب ہوگی جیسے حقیقی بھائی اور یہی حال علاقائی بہن کا ہے جب وہ عصبۃ ہوگی تو اپنے سے بعد افراد کے لئے ایسے ہی حاجب ہوگی جیسے علاقائی بھائی۔ لہذا بھائیوں کی اولاد اس کے ہوتے ہوئے محبوب عن الوراثة ہوگی جیسے کوئی متوفی دو بیٹیاں، ایک علاقائی بہن اور ایک حقیقی بھتیجا چھوڑ جائے تو بیٹیوں کو ثلثان، مابقی علاقائی بہن کو اور بھتیجا محبوب لہذا مسئلہ کی تاصیل (۳) سے ہوگی اور ترکہ یوں تقسیم ہوگا:

مسئلہ کی تاصیل (۳) سے

بنات کو	ثلثان (۲)	علی سبیل الفرضیت
اخت لاب کو	مابقی (۱)	علی سبیل العصبۃ
ابن الخ شقیق	محبوب	

”ملووظہ“

خیال رہے! اخیانی بھائی، بہن مع البنات چونکہ وارث نہیں بلکہ وہ محبوب ہیں لہذا وہ مع البنات عصبۃ نہ ہوں گے۔

”الفرق بین العصبۃ بالغیر ومع الغیر“ عصبۃ بالغیر میں صاحبۃ فرض انٹی اپنے بھائی کے

وجود سے عصبتہ بن کر ”لذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق وراثت میں حصہ دار ہوتی ہے۔
عصبتہ مع الغیر میں اخوات مع البنات عصبتہ ہو کر اصحاب الفروض کے حصص کے بعد باقی کی
حق دار ہوتی ہیں۔ لہذا واضح ماہ الامتياز یہ ہوا کہ عصبتہ بالغیر میں عصبتہ بنفسہ پایا جاتا ہے جیسے
بیٹا، پوتا، یعنی بھائی اور علاقائی بھائی جن کے ساتھ بیٹی، بہن عصبتہ ہو جاتی ہیں اور عصبتہ مع الغیر
میں عصبتہ بنفسہ نہیں پایا جاتا جیسے بنات ان کے ساتھ اخوات عصبتہ تو ہو جاتی ہیں لیکن بنات
بنفسہ عصبتہ نہیں۔

”الوراثۃ من الجهات المختلفة“ اگر کوئی انسان وراثت میں جہات مختلفہ رکھتا ہو تو وہ
ان کے اعتبار سے ذیل کی تین صورتوں کے مطابق وارث ہو گا:

(۱) ایک جہت بالفرض اور دوسری بالتعصیب یا بالرحم رکھتا ہو تو وہ دونوں جہتوں کے اعتبار
سے متوفی کے ترکہ میں حصہ دار ہو گا جیسے کوئی متوفاتہ تین چچازاد بھائی چھوڑ جائے جن
میں سے ایک اس کا زوج ہو تو زوج کو اولاد کے نہ ہونے کے باعث نصف اور باقی
جمع زوج تینوں میں برابر تقسیم ہو گا۔ لہذا مسئلہ کی تاصیل و تشکیل ”۲“ اور تصحیح ”۶“
سے ہو گی۔ کیونکہ زوج کے نصف حصہ کے بعد باقی نصف کی بلا کسر صحیح تقسیم تین
بھائیوں میں ممکن نہیں۔ لہذا اصل مسئلہ ”۲“ کو رؤس ”۳“ میں ضرب دے کر حاصل
ضرب ” $6=3 \times 2$ “ سے تصحیح کر لی جائے گی۔

اصل مسئلہ	(۲)	تصحیح	(۱) سے
زوج ابن عم کو فرضاً نصف	(۱)		(۳)
ابنا عم مع زوج کو تعصیباً نصف	(۱)		(۳) ہر ایک کو ایک ایک

نتیجتاً زوج کو جمع ترکہ میں ثلثان ($4=1+3$) اور باقی دو چچازاد بھائیوں کو ثلث ”۳“
حصہ میں آئے۔

(۲) اگر وہ دو جہتیں بالفرض رکھتا ہو تو دونوں کے اعتبار سے وہ وارث ہو گا بشرطیکہ کوئی
جہت دوسری کے لئے حاجب نہ ہو اور اگر حاجب ہو تو پھر وہ صرف حاجب جہت کے
اعتبار سے وارث ہو گا اور یہ صورت صرف مجوس میں ہی پائی جاسکتی ہے جیسے کسی
مجوس کی اپنی بیٹی سے وطی پر جو بچہ پیدا ہو گا اس کی وہ موطنہ ماں بھی ہو گی اور بہن

بھی۔ لہذا اگر بیٹا صاحب جائیداد بلا ولد ماں سے پہلے وفات پا جائے تو اس کی ماں کو ترکہ میں ثلث علی سبیل الفرضیت ماں ہونے کی حیثیت میں ملے گا اور نصف ایضا علی سبیل الفرضیۃ اخت ہونے کی حیثیت میں ملے گا لہذا مسئلہ کی تاحیل ”۲“ میں سے ام کو وہی ایضا اخت ” $5=3 \times 2$ “ کا حصہ ملے گا۔

(۳) اور اگر وہ دو جہتیں بالتعصیب رکھتا ہو تو پھر وہ جہت مقدمہ کے اعتبار سے وارث ہو گا جیسے ابن المعقوق جو معقوق کے ترکہ کا جہت بنوۃ کے اعتبار سے وارث ہو گا نہ جہت ولاء کے اعتبار سے کیونکہ جہت بنوت جہت ولاء پر مقدم ہے۔ اور اگر کوئی متوفی ایسی دو خالہ زاد بہنیں چھوڑ جائے جن میں سے ایک اس کی زوجہ ہے تو اس کے ترکہ میں سے ربع زوجہ کو فرضاً دیا جائے گا اور باقی تین اربارے میں وہ دونوں علی سبیل الرحم شریک ہوں گی۔

مسئلہ کی تاحیل	(۳) سے اور تصحیح	(۸) سے ہوگی
جن میں سے خالہ زاد بہن زوجہ کو	(۱)	(۲) علی سبیل الفرضیت
زوجہ اور دوسری خالہ زاد بہن کو	(۳)	(۶) علی سبیل الرحم ملیں گے۔
لہذا زوجہ کو علی سبیل الفرض والرحم	$+2$	$=3$
اور دوسری خالہ زاد بہن کو علی سبیل الرحم		(۳) ملیں گے



باب الحَجَبِ

الحجب علی نوعین:

- (۱) حجب نقصان‘ وهو: حجب عن سهم الى سهم وذلك لخمسۃ نفر: للزوجین‘ والام‘ وبنۃ الابن‘ والاخت لاب‘ وقد مر بیانہ
- (۲) وحجب حرمان‘ والورثۃ فیہ فریقان:
- * فریق لایحجبون بحال البتۃ وهم ستۃ: الابن‘ والاب‘ والزوج‘ والبنۃ‘ والام‘ والزوجة
- * وفریق یرثون بحال‘ ویجبون بحال‘ وهذا مبنی علی اصلین‘ احدهما هو: ان کل من یدلی الی المیت بشخص لایرث مع وجود ذلک الشخص سوی اولاد الام: فانهم یرثون معها‘ لانعدام استحقاقها جمیع التركة

- لغناً حجب منع کو کہتے ہیں جبکہ فن میراث میں کسی انسان کو بوجہ کسی دوسرے انسان کے کلیتاً یا بعضاً میراث سے محجوب قرار دیتا ہے۔ جب کی دو قسمیں ہیں:
- * حجب نقصان * اور حجب حرمان۔
- (۱) ”حجب نقصان“ میں وارث کو کسی دوسرے حاجب انسان کے پائے جانے کے باعث زیادہ‘ مقرر‘ حصے کی بجائے کم تر حصہ ملتا ہے اور یہ پانچ انسانوں کو لاحق ہوتا ہے۔ یعنی اس سے پانچ قسم کے انسان متاثر ہوتے ہیں:
 - * ”خاوند“ جبکہ مرنے والی بیوی کی اولاد ہو تو اسے اولاد کی موجودگی میں ”نصف“ کی بجائے جمع مال کا ”ربع“ نصیب ہوگا۔
 - * ”بیوی“ جبکہ مرنے والے خاوند کی اولاد ہو تو اسے ”ربع“ کی بجائے ”ثلث“ آٹھواں حصہ‘ جمع مال میت سے ملے گا۔
 - * ”والدہ“ جبکہ مرنے والے بیٹے کی اولاد ہو اگر اولاد نہ ہوتی تو اسے جمع مال میت سے ”ثلث“ ملتا لیکن اب بجائے ”ثلث“ کے اسے ”سدس“ ملے گا۔ اولاد میں خواہ صلبی اولاد ہو یا پوتے پوتیاں اولاد کی بجائے بھائی بنیں ہوں تو بھی ”سدس“۔
 - * ”پوتی“ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں نصف کی بجائے ”تکلمۃ للثلثین“ کی بنیاد پر

”سدس“ کی مالک ہوگی اگر بیٹی نہ ہوتی تو وہ ”نصف“ مال میت کی حق دار ہوتی۔
 * ایسے ہی ”علاقائی بہن“ حقیقی بہن کی موجودگی میں ”نصف“ کی بجائے ”سدس“ کی مالک ہوگی جیسا کہ پیچھے ان کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔
 (۲) جب کی دوسری قسم ”جب حرمان“ میں کسی دوسرے شخص کے پائے جانے کے باعث انسان بالکلیۃ میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

خیال رہے! اس میں ورثاء دو طرح کے ہوتے ہیں:
 * ایک فریق ایسے انسانوں کا جو کسی صورت میں بھی محجوب بحجب الحرمان نہیں ہوتا اگرچہ یہ جب نقصان کا شکار ہوتا ہے۔ نیز اس سے مراد وہ ورثاء ہیں جو قتل وردۃ اور رقیۃ سے متصف نہ ہوں کیونکہ انصاف کی صورت میں بالکلیۃ محجوب ہو سکتے ہیں۔ اور یہ چھ قسم کے انسان ہیں تین مردوں میں سے اور تین عورتوں میں سے۔

مردوں میں سے: (۱) بیٹا (۲) باپ (۳) متوفاء کا خاوند

عورتوں میں سے: (۱) بیٹی (۲) ماں (۳) بیوی

ان چھ اقسام کو حصہ کم تو مل سکتا ہے کسی دوسرے فرد کے وجود سے لیکن بالکلیۃ محروم نہیں ہو سکتے۔

* دوسرا فریق ایسے لوگوں کا جو ایک حالت میں وارث اور دوسری حالت میں محجوب اور یہ وہ لوگ ہیں جو سابقہ چھ قسم کے انسانوں کے علاوہ ہیں۔

خیال رہے! ”جب حرمان“ میں فریق ثانی کا محجوب ہونا دراصل دو ضابطوں پر مبنی ہے:
 * ایک تو یہ ہے کہ ہر وہ انسان جو کسی دوسرے انسان کی وساطت سے میت کی طرف انتساب رکھتا ہو وہ دوسرے انسان کی موجودگی میں وارث نہیں ہو سکتا ماسوائے اخیانی بھائیوں کے وہ باوجود اس بات کے کہ ماں کی وساطت سے میت کی طرف منسوب ہیں لیکن اس کے باوجود میت کے وارث ہیں اس لئے کہ ان کی ماں جس کی وساطت سے وہ منسوب ہیں جمع مال میت کی وارث نہیں لہذا مال کے بچ جانے کے باعث وہ وارث ہیں۔

اس اصل کا حاصل مقصد یہ ہے کہ مدلی بہ اگر جمع ترکہ میت کا حق دار ہے تو پھر مدلی اس کے ہوتے ہوئے وارث نہیں۔ خواہ سبب ارث دونوں کا متحد ہو جیسے اب اور جد نیز

ابن اور ابن اللابن کا یا مختلف جیسے اب اور اخوة واخوات کا ان میں سبب ارث ابوت اور اخوت متحد نہیں۔ اور اگر مدلی بہ میت کے جمیع ترکہ کا مستحق نہیں تو پھر وہ بھی دو صورتوں سے خالی نہیں:

(i) مدلی بہ اور مدلی کا سبب ارث متحد ہو گا یا غیر متحد۔ متحد ہونے کی صورت میں یہاں بھی مدلی وارث نہ ہو گا جیسے ام اور ام الام کی صورت میں کیونکہ مدلی بہا ام کے حصہ کے بعد مدلیہ ام الام کے لئے کچھ بچتا ہی نہیں کہ وہ سبب امومت کے باعث کسی شئی کی وارث ہو۔ نیز کوئی دوسرا نصیب بھی اس کی وراثت کا موجود نہیں۔ لہذا وہ محروم ہو گی۔

(ii) اور اگر ان دونوں کا سبب ارث متحد نہیں جیسے ام اور اولاد ام کا کیونکہ ام کا سبب ارث اموت ہے جبکہ اولاد ام کا اخوت، لہذا ایسی صورت میں مدلی بہ اپنا حصہ اپنے سبب کے باعث اور مدلی اپنے کے باعث حاصل کریں گے تو مدلی کو حرمان لاحق نہ ہو گا۔

خیال رہے! بعض حالات میں ام کا بوجہ فرضیت و رد جمیع ترکہ میت کا مالک ہو جانا ماتن رحمہ اللہ کے قول "لا نعد ام استحقاقها جميع التركة" کے منافی نہیں کیونکہ ماتن رحمہ اللہ کی نفی ایک جہت سے جمیع ترکہ کے استحقاق کے متعلق ہے نہ کہ وجہات کے استحقاق کے متعلق۔
* دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر عمل ہو گا۔ جیسا کہ عصبات کی بحث میں گزر چکا ہے۔ لہذا اقرب البعد کے لئے حاجب ہو گا۔

خیال رہے! جیسے عصبات میں اقرب البعد کے لئے موجب حرمان ہوتا ہے خواہ ان کا سبب وراثت متحد ہو یا مختلف تبیہ یہ اصل غیر عصبات میں بھی جاری ہو گا جبکہ ان کا سبب ارث متحد ہو گا جیسے "جدات مع الام بنات الابن مع الصلبتین" اور "اخوات الاب مع الاخیتین لاب وام" میں۔

مصنف رحمہ اللہ نے فریق ثانی میں حجب حرمان کے لئے دو قاعدے بیان کئے ہیں جو توہم کے ازالہ کے لئے دونوں ضروری اور اہم ہیں کیونکہ پہلے اصل پر اگر اکتفاء کیا جاتا تو اس سے یہ وہم لاحق ہوتا کہ ولد اللابن، خواہ مذکر ہو یا مونث ایسے بیٹے کی موجودگی میں وارث ہو گا جو ان کا باپ نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی وساطت سے مدلی الی المیت نہیں۔ حالانکہ وہ ایسی

صورت میں بھی وارث نہیں۔ اور اگر دوسرے اصل پر اکتفاء کیا جاتا تو اس سے یہ وہم لاحق ہو سکتا تھا کہ ام الام باپ کی موجودگی میں بوجہ ابعء ہونے کے وارث نہیں حالانکہ وہ وارث ہے۔ لہذا دوسرے اصل کے باعث پوتا ایسے بیٹے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا جو اس کا باپ نہیں۔ کیونکہ پوتا اس سے ابعء ہے۔ گو پہلے اصل کے مطابق وہ اس کی وساطت سے مدلی نہیں اور اس کے مطابق وہ وارث بنتا ہے۔ یعنی پہلے کے مطابق اسے وارث ہونا چاہئے اور دوسرے کے مطابق نہیں اور ایسے ہی دوسرے اصل کے مطابق ام الام باپ کی موجودگی میں وارث نہیں اور پہلے اصل کے مطابق وہ وارث ہے۔ لہذا دونوں قواعد کے ذکر سے نہ ولد الابن وارث ہوگا اور نہ ام الام وراثت سے محروم ہوگی۔

خیال رہے! اصل ثانی پر اکتفاء نہ کرنے کی دلیل دو طریق پر مخدوش ہے:

(۱) اگر اصل ثانی ظاہر پر محمول ہو۔ یعنی ”علی الاطلاق اقرب فی الدرجۃ ابعء“ کے لئے حاجب ہو، تو اس سے ام الام کا بالاب اور ابن الارخ لاب وام کا بالارخ لام محبوب ہونا لازم آئے گا، جو کہ صحیح نہیں۔

(۲) اور اگر اس سے مراد مقید ہو یعنی ایسا ابعء محبوب جو مدلی بالاقرب ہو تو اصل ثانی بعینہ اصل اول ہوگا۔ یہ دو اصل (قواعد) نہ ہوں گے بلکہ ایک ہی ہوگا۔ اور اس اصل کو عصبۃ کے ساتھ مخصوص کرنے سے بھی ام الام کو بالاب اور ابن الارخ لاب وام کو بالارخ لام محبوب ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا کیونکہ یہ اصل فریق ثانی سے متعلق ان ورثاء کے لئے بیان کیا گیا ہے جو کبھی وارث ہوتے ہیں اور کبھی محبوب۔ لہذا اس میں عصبۃ اور غیر عصبۃ سبھی داخل ہوں گے اور جب یہ اصل عام ہوگا تو پھر ام الام اور ابن الارخ لاب وام کیونکر اب اور ارخ لام کے ہوتے ہوئے جو اقرب الی المیت ہیں، محبوب نہ ہوں گے۔



والثانی: الاقرب فالاقرب كما ذكرنا في العصبات والمحروم لا يحجب عندنا وعند ابن مسعود رضي الله عنه يحجب حجب النقصان كالكافر والقاتل والرفیق۔

والمحجوب يحجب بالاتفاق كالثنين من الاخوة والاخوات فصاعدا من اي جهة كانا فانهما لا يرثان مع الاب ولكن يحجبان الام من الثلث الى السدس

”والمحروم لا يحجب عندنا.....“ محروم وہ انسان جس میں وراثت کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک وہ کسی بھی لحاظ سے حابج نہیں بن سکتا۔ بخلاف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ حابج نقصان واقع ہو سکتا ہے جیسے کوئی مرنے والی عورت اپنے پیچھے خاوند، دو اخیانی بھائی اور کافر بیٹا چھوڑ جائے تو حنفیہ کے نزدیک چونکہ کافر محروم کسی قسم کا حابج نہیں، لہذا خاوند کو جمع ترکہ سے ”نصف“ ملے گا اور اخیانیوں بھائیوں کو ”ایک ثلث“ باقی، کسی عصبہ کو اگر کوئی ہے تو لیکن کافر لڑکے کو کچھ نہ ملے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں گو لڑکا کافر، محروم ہے لیکن خاوند کو اس کے طفیل ”نصف“ کی بجائے ”ربع“ ملے گا کیونکہ ان کے نزدیک وہ حابج ہے۔ محروم کو حابج نقصان قرار دینے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذیل کی دلیل کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ جب نقصان قرآن مجید کی آیت ”فان كان لكم ولد فلهم الثمن“ اور اس کے فرمان ”فان كان له اخوة فلامه السدس“ میں کلمہ ”ولد اور اخوة“ مسلم، کافر، آزاد، غلام اور قاتل سبھی افراد کو شامل ہے۔ لہذا ان سبھی افراد کا حابج نقصان ہونا صحیح اور درست ہوگا۔ اور ولد واخ سے مراد مقید بالوارثہ بیٹا اور بھائی لے کر، کافر وغیرہ کو آیت کے عموم سے، اس لئے کہ وہ وارث نہیں، خارج قرار دینا نسخ کے مترادف ہے اور اس تفسیر کے لئے بھی ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جیسے نسخ کے لئے یعنی تفسیر پر دال یا تو کوئی نص ہونی چاہئے یا پھر خبر صحیح۔ اور جب تفسیر کے لئے ایسی کوئی دلیل موجود نہیں تو تفسیر نادرست ہوگی اور آیت اپنے عموم کے باعث کافر وغیرہ کو شامل ہوتے ہوئے ان کے جب نقصان پر دال ہوگی۔ گو کافر، قاتل وغیرہ وارث نہیں۔ اور محروم کے حابج حرمان نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اعتبار ”تقديم الاقرب على الابد“ کا ہوتا ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب

اقرب وراثت کا مستحق ہو۔ چونکہ کافر اور قاتل وغیرہ مستحق للوراثۃ نہیں لہذا وہ حاجب حرمان بھی نہیں۔

بخلاف جب نقصان کے جس میں اکثر حصہ سے اقل کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ لہذا اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ حاجب وارث ہو یا نہ ہو۔ ہر حالت میں وہ حاجب نقصان ہو گا۔ اور جن اصحاب کے ہاں محروم کسی طرح کا بھی حاجب نہیں۔ ان کے ہاں:

اولاً..... اسم الولد والاخ اگرچہ عام ہے لیکن ان کا ذکر آیۃ الموارث میں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مراد ان دونوں سے وارث ہی ہے اور جو میراث کی اہلیت نہیں رکھتا جیسے کافر وہ استحقاق ارث میں بمرتبہ میت کے ہے۔ لہذا وہ حق جب میں بھی بمرتبہ میت ہی ہو گا تو پھر وہ حاجب کیسے ہو گا؟ بخلاف بھائیوں کے جو مع الاب محبوب ہونے کے باوجود ام کے لئے "من الثلث الی السدس" حاجب نقصان ہیں کیونکہ ان کی اہلیت ارث ثابت ہے لیکن وہ خود وراثت کی شرط (فقدن الاب) کے نہ پائے جانے کے باعث وارث نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب میں ارث ایک بنیادی شے ہے۔ اگر وہ کسی انسان میں بالکلیہ مفقود ہے جیسے کافر محروم بیٹے میں تو ایسا انسان کسی کے لئے کسی قسم کا حاجب نہیں ہو سکتا اور اگر بالکلیہ مفقود نہیں جیسے بھائی محبوب بالاب میں تو ایسا انسان حاجب نقصان ہو سکتا ہے۔

ثانیاً..... محروم جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے مشہور مسلک میں حاجب حرمان نہیں تو پھر وہ حاجب نقصان کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں ایک ہی شے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جب حرمان میں اقرب کی تقدیم بعد پر تمام حصہ میں ہوتی ہے جبکہ جب نقصان میں حاجب کی تقدیم علی المحجوب بعض حصہ میں۔ نتیجتاً کافر محروم بیٹا حاجب نہیں۔

"والمحجوب یحجب بالاتفاق" محبوب بالاتفاق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور احناف کے نزدیک حاجب ہے جیسے دو بھائی خواہ کسی بھی طرف سے ہوں متوفی کے باپ کی موجودگی میں وارث نہیں بلکہ وہ محبوب ہیں لیکن اس کے باوجود متوفی کی ماں کے لئے حاجب نقصان ہیں۔ اسی لئے اسے ان کی موجودگی میں ثلث کی بجائے سدس ملتا ہے۔ اور یہی حال جب حرمان میں ہے۔ مثلاً:

"ام الاب محجوبة بالاب" ہونے کے باوجود وہ "لام ام الام" یعنی نانی کی ماں کے لئے

حاجبہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو اس لئے کہ محروم ان کے نزدیک بالکلیۃ وارث نہ ہونے کے باوجود حاجب ہے تو محبوب جو من وجہ وارث اور من وجہ غیر وارث ہے کیونکر حاجب نہ ہوگا بلکہ وہ اولیٰ بالحب ہوگا۔ اور احناف کے نزدیک اس لئے کہ محروم من کل الوجوہ میراث کی اہلیت نہ رکھنے کے باعث بمرتبہ معدوم کے ہے جو حاجب نہیں بن سکتا۔ لیکن محبوب من وجہ یعنی باعتبار الاصل ارث کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ حاجب ہوگا اور من وجہ اس میں ارث کی صلاحیت موجود نہیں (جبکہ اس کا کوئی حاجب موجود ہو) اس لحاظ سے وہ حاجب للغیر نہیں ہوگا۔ لہذا استحقاق ارث میں محبوب میت متصور ہوگا حتیٰ کہ وہ کسی چیز کا وارث نہ ہوگا اور حب للغیر میں زندہ حتیٰ کہ وہ کالوارث ہوگا۔

الغرض حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم اور محبوب کے حاجب ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا ان کے ہاں معاملہ آسان ہے۔ اور احناف کے نزدیک چونکہ فرق ہے لہذا انہیں محروم میں بالکلیۃ عدم اہلیت اور محبوب میں من وجہ اہلیت کا فرق بیان کرنا پڑا جو قدرے مشکل ہے۔

”تصریح“

”تعریف المحجب لغةً واصطلاحاً“ جب لفظ منع اور حرمان کو کہتے ہیں جیسے ”کلا انہم عن رہم یومئذ لمحجوبون“ سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے اسم فاعل حاجب اور اسم مفعول محبوب ہوگا۔ حاجب کو اس لئے حاجب کہا جاتا ہے کہ وہ غیر کو وراثت سے روکتا ہے اور محبوب کو اس لئے محبوب کہتے ہیں کہ وہ ممنوع من الوراثة ہوتا ہے۔

علم میراث کی اصطلاح میں جب ”منع الوارث من الارث کلاً او بعضاً لوجود من ہو اولیٰ منہ بالارث“ کو کہتے ہیں۔

اقسام الحب:

حب کی دو قسمیں ہیں: (۱) حب وصفی (۲) اور حب شخصی۔

(۱) حب وصفی میں وارث کسی ایسی وصف سے متصف ہو جانے پر بالکلیۃ محبوب عن الوراثة ہو جاتا ہے جو اس کے لئے مانع عن الوراثة ہو جیسے کسی وارث کا قاتل یا مرتد ہو جانا۔ یہ دو ایسے اوصاف ہیں جن کے پائے جانے سے انسان اپنے مورث کا وارث نہیں رہتا۔

(۲) جب شخصی میں انسان کسی ایسے وارث کے پائے جانے سے محبوب عن الوراثت ہو جاتا ہے جو وراثت میں زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

جب شخصی کی دو قسمیں ہیں: (۱) جب حرمان (۲) جب نقصان۔

(۱) جب حرمان میں کبھی انسان اہلیت ارث کے باوجود کسی دوسرے حاجب کے پائے جانے سے بالکلیہ محبوب عن الوراثت ہو جاتا ہے جیسے والد اور بیٹے کی موجودگی میں دادے اور پوتے کا محبوب ہونا۔

(۲) جب نقصان میں انسان بالکلیہ وراثت سے تو محبوب نہیں ہوتا لیکن کسی دوسرے وارث کے پائے جانے سے اکثر حصہ کی بجائے اقل کا وارث ہوتا ہے۔ جیسے ماں متونی کی فرع کے پائے جانے سے ثلث کی بجائے سدس کی اور خاوند، بیوی فرع کی موجودگی میں نصف اور ربع کے بجائے ربع اور ثمن کے حق دار رہ جاتے ہیں۔

”لاحظہ“

باب جب میں جب علی الاطلاق ”جب“ کا استعمال ہو تو اس سے مراد جب حرمان ہوتا ہے۔

جب حرمان سے متاثر نہ ہونے والے افراد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حقیقی بیٹا (۲) حقیقی بیٹی (۳) باپ

(۴) ماں (۵) خاوند (۶) بیوی

ان میں سے جب کوئی موجود ہو گا تو وہ متونی کے ترکہ میں سے اپنا حصہ ضرور پائے گا ایسا نہ ہو گا کہ وہ ترکہ سے بالکلیہ محبوب رہ جائے۔

جب حرمان سے متاثر ہونے والے افراد:

(۱) جد صحیح..... جو باپ کی موجودگی میں محبوب ہو گا بلکہ ہر جد اقرب البعد کے لئے حاجب ہو گا۔

(۲) حقیقی بھائی..... باپ اور فرع مذکر کے ہونے پر محبوب ہو گا۔

(۳) علاقائی بھائی..... جن سے حقیقی بھائی محبوب ہوتا ہے ان سے یہ بھی محبوب ہو گا۔ نیز

حقیقی بھائی اور حقیقی بہن سے بھی وہ محبوب ہو گا جبکہ حقیقی بہن عصبتہ مع الغیر ہو۔

(۴) اخیانی بہن بھائی..... یہ دونوں متونی کے اصل مذکر اور فرع مذکر و مونث کے ہوتے

ہوئے محبوب ہیں۔

- (۵) پوتا..... بیٹے کے ہوتے ہوئے ایسے ہی ہر اقرب البعد کے لئے حاجب ہو گا۔
- (۶) حقیقی بھائی کا بیٹا..... باپ، دادا، بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور علاقائی بھائی کے ہوتے ہوئے محبوب ہو گا۔
- (۷) علاقائی بھائی کا بیٹا..... جن سے حقیقی بھائی کا بیٹا محبوب ہو جاتا ہے ان سے نیز حقیقی بھائی کے بیٹے سے محبوب ہو گا۔
- (۸) حقیقی چچا..... علاقائی بھائی کے بیٹے اور جن سے علاقائی بھائی کا بیٹا محبوب ہوتا ہے ان سے محبوب ہو گا۔
- (۹) علاقائی چچا..... حقیقی چچا نیز جن سے حقیقی چچا محبوب ہوتا ہے ان سے محبوب ہو گا۔
- (۱۰) حقیقی چچا کا بیٹا..... علاقائی چچا سے محبوب ہو گا نیز جن سے علاقائی چچا محبوب ہوتا ہے ان سے بھی وہ محبوب ہو گا۔
- (۱۱) علاقائی چچا کا بیٹا..... حقیقی چچا کے بیٹے اور جن سے حقیقی چچا کا بیٹا محبوب ہوتا ہے۔
- مذکورہ محبوب اشخاص کا تعلق تو مردوں سے ہے اور عورتوں میں سے محبوب محبوبہ الحرام مندرجہ ذیل ہوں گی:
- (۱) جدہ..... خواہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے، ماں کی موجودگی میں وہ محبوب ہوگی۔
- (۲) پوتی.... خواہ ایک ہو یا زیادہ بیٹے کے ہوتے ہوئے محبوب ہوں گی نیز جب دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں گی تو بھی وہ محبوب ہوں گی۔ ہاں اگر ان کے مرتبہ یا ان سے نچلے مرتبہ کا کوئی معصب ہو تو وہ انہیں عصبتہ بنا دے گا جس سے مابقی ترکہ کے وہ مالک ہوں گے۔
- (۳) حقیقی بہن..... باپ اور فرع وارث مذکر سے محبوب ہوگی۔
- (۴) علاقائی بہن..... حقیقی بہن سے محبوب ہوگی جب وہ عصبتہ مع الغیر ہوگی۔ باپ، فرع وارث مذکر اور دو حقیقی بہنوں کے ہوتے ہوئے بھی محبوب ہوگی۔ ہاں اگر اس کے مرتبہ یا اس سے اطراف کوئی معصب ہو تو پھر وہ عصبتہ کے ساتھ مابقی کے وارث ہوں گے۔

(۵) اخینی بہن اصل مذکر اور فرع وارث مذکر و مونث سے محبوب ہوگی۔
 ”الاخ المبارک“ وجہ التسمیہ

علم المیراث میں بنات اور اخوات کا زیادہ سے زیادہ حصہ ثلثان ہی ہے۔ لہذا دو بیٹیاں یا زیادہ، ایسے ہی دو اخوات یا زیادہ جب ثلثان کو اپنے حصہ میں لے لیں تو پوتیوں اور علاقائی اخوات کو کچھ نہیں ملتا۔ ہاں اگر ان کے ساتھ پوتا اور علاقائی بھائی موجود ہو تو پھر ان کے عصبتہ بن جانے سے مابقی ان میں تقسیم ہوتا ہے۔ چونکہ اس صورت میں پوتا اور علاقائی بھائی، پوتیوں اور علاقائی بہنوں کے لئے معصب ہونے کی صورت میں ان کو وارث بناتے ہیں لہذا پوتے اور علاقائی بھائی کو ”الاخ المبارک“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو پوتی اور علاقائی بہنوں کو کچھ نہ ملتا۔

”الاخ المشنوم“

اخ المبارک کے مقابلہ میں اخ المشنوم ہے۔ یعنی ایسا بھائی جس کے ہوتے ہوئے انٹی وراثت سے محبوب ہو اور اگر وہ نہ ہو تو وہ وارث ہو چونکہ ایسے بھائی کا وجود انٹی کے لئے موجب ضرر و نقصان ہے لہذا اسے مشنوم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسے ذیل کی مثال سے واضح ہے۔ جب کوئی متوفاء ذیل کے ورثاء چھوڑ جائے۔ زوج، ام، اب، بنت، بنت ابن تو مسئلہ کی تاحیل و تشکیل ”۲“ سے اور تصحیح بالعول ”۱۵“ سے ہوگی۔ لہذا زوج کو ربع ”۳“، ام کو سدس ”۲“، اب کو سدس ”۲“، بنت کو نصف ”۴“، بنت الابن کو تکملۃ للثلاثین سدس ”۲“ ملے گا۔

اور اگر بنت الابن کے ساتھ ابن الابن بھی ہو تو اسے کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس کے وجود سے وہ عصبتہ بن جائے گی اور عصبتہ کو چونکہ مابقی ملتا ہے اور یہاں اصحاب الفروض کے حصص سے کچھ بچا ہی نہیں بلکہ مسئلہ عول اختیار کر گیا ہے لہذا وہ محبوب رہے گی۔

”ملاحظہ“

اس صورت مذکورہ میں شرط یہ ہے کہ معصب قریب انٹی کے درجہ کا ہونا چاہئے۔ اگر اس سے رتبہ میں انزل (بعد) ہو گا تو پھر نہ وہ اس کے لئے معصب ہو گا اور نہ ہی وہ ”انٹی محجوبة عن الوراثة“ کیونکہ وہ صاجتہ فرض ہے۔ لہذا اس کی تعصیب اور اسقاط عن الوراثة کے لئے معصب کا رتبہ میں برابر ہونا ضروری ہے۔

”المسئلة المشتركة“

ترکہ کی تقسیم میں علم المیراث کا آپ کے فرمان ”الحقوا الفرائض باهلها فما بقى فلاولى رجل ذکر“ کے مطابق یہ ضابطہ ہے کہ اصحاب الفروض عصبات پر مقدم ہوں لیکن مسئلہ آتیہ اس ضابطہ اور اصل کے خلاف ہے۔ اسی لئے صحابہ، تابعین، ائمہ اور آئمہ نے اختلاف ہے۔

مسئلہ کی صورت و شکل کچھ یوں ہے۔ کوئی متوفاة اپنے پیچھے زوج، ام، اخوین لام، اخ شقیق کو چھوڑ جائے تو ضابطہ کے مطابق مسئلہ کی تاصیل ”۲“ سے زوج کو نصف ”۳“ ام کو سدس ”۴“ اخوین لام کو ثلث ”۲“ ملیں گے۔

حقیقی بھائی کے لئے جو عصبہ ہے کچھ بچا ہی نہیں کہ اسے دیا جائے لہذا وہ محبوب ہونا چاہئے لیکن مسئلہ مذکورہ میں خلاف ضابطہ حقیقی بھائی کو اس کی اقویٰ قرابت کے پیش نظر بعض اصحاب نے اسے اخینی بھائیوں کے حصہ میں شریک قرار دیا۔ اسی لئے اس مسئلہ کو مسالۃ المشتركة کے نام سے موسوم کیا گیا۔

”الاختلاف فی المسئلة“

اس مسئلہ میں چونکہ صحابہ مختلف ہیں لہذا آئمہ میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابو بکر، حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ہاں حقیقی بھائی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ کو اصحاب الفروض سے مابقی ملتا ہے اور یہاں کچھ بچا ہی نہیں لہذا وہ محبوب رہے گا۔ حنفیہ اور حنابلہ کا بھی یہ خیال ہے۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم مسئلہ زیر بحث میں حقیقی بھائی کی توریث کے قائل ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اخینی بھائیوں کے حصہ میں انہیں شریک کر کے اسے ان پر برابر تقسیم کر دیا جائے۔ یہی رائے اصحاب مالک اور اصحاب شافعی رضی اللہ عنہم کی بھی ہے اور اسی رائے کے مطابق بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب یہ مسئلہ پہلی بار سامنے آیا تو آپ نے فرمایا ”لا شنی للاخ الشقیق“ پھر جب دوسرے سال یہی مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحسب سابق فیصلہ دینے لگے تو اتنے میں وراثہ میں سے کسی نے کہا ”یا امیر المومنین ان ابانا کان خمازا او حجزا ملقی فی الیم السنا اولاد ام واحدہ؟“ ”یعنی ماں میں تو ہمارا سب کا اشتراک ہے تو پھر

اخیا فی و ارث ہوں، ہم نہ ہوں؟ یہ تو کوئی مستحسن صورت نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا رشتہ اخیا فیوں کی نسبت اقویٰ ہے کیونکہ متوفی سے ہمارا تعلق ماں اور باپ دونوں جہتوں سے ہے جبکہ اخیا فیوں کا صرف ماں کی جہت سے۔ اگر بالفرض ہمارا باپ کوئی حماریا حجر ہو تو کیا ہم سب ماں کے رشتہ میں شریک نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی رائے کو وزنی اور مبنی بر صواب قرار دیتے ہوئے تشریک کا فیصلہ دے دیا۔ جب اس پر کسی نے کہا ”انک حکمت عام اول باسقاط الاخوة“ قال ذلك ما قضينا وهذا ما نقضى“ یعنی وہ ہمارا ماضی کا فیصلہ ہے اور یہ اب کا۔

سائل کے اعتراض میں لفظ ”حمار“ حجر اور یم کی بنیاد پر اس مسئلہ کو حماریہ، حجریہ، یمیہ اور منبریہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ منبریہ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ منبر پر دیا۔

صورة المسئلة على المذاهب المختلفة:

* امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ رحمہما کے ہاں ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی:

ام	زوج	اخوة لام	اخوة اشقاء
۱	۳	۲	x (محبوب)

* اور امام مالک و امام شافعی رحمہما کے نزدیک:

ام	زوج	اخوة لام	اخوة اشقاء
۱	۳	۲	

اس مسلک کے مطابق اخوة الام کا ثلث اخیا فی اور یعنی بھائیوں میں برابر تقسیم ہو گا۔

شروط المسئلة المذكورة:

اول: اخیا فی بھائی دو یا زیادہ ہونے چاہئیں خواہ مذکر ہوں یا مونث
ثانی: اخیا فیوں کے ساتھ شریک یعنی بھائی ہونا چاہئے۔ اگر علاقائی ہو گا تو وہ بالاجماع ساقط عن المیراث ہو گا۔ خواہ ایک ہو یا زیادہ۔

ثالث: یعنی مذکر ہونا چاہئے۔ اگر مونث ہو تو وہ بالفرض وارث ہوگی اور مسئلہ عول کر جائے گا

نیز شرکت باطل ہو جائے گی۔

ضابطہ اولیٰ:

یعنی، علاتی اور اخیانی بھائی متوفی کے بیٹے، پوتے اور باپ کی موجودگی میں بالاتفاق ساقط ہوں گے اور دادے کی موجودگی میں بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ساقط ہوں گے لیکن باقی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بالجہ ساقط نہ ہوں گے۔

ضابطہ ثانیہ:

بنو الاخیاف اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فَهِمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ“ کے باعث میراث میں برابر ہوں گے لہذا مذکور کو انٹی کے برابر ملے گا۔

اصطلاحات:

- (۱) بنو الاعیان ماں باپ دونوں کی طرف سے بھائی۔
- (۲) بنو العلات صرف باپ کی جانب سے۔
- (۳) بنو الاخیاف صرف ماں کی جانب سے۔



باب مخارج الفروض

اعلم ان الفروض المذكورة في كتاب الله تعالى نوعان:
الاول: النصف والربع والثلث والثلثين.

الثاني: الثلثان والثلث والسدس، على التضعيف والتنصيف
فاذا جاء في المسائل من هذه الفروض احاد احاد، فمخرج كل فرض سميهِ الا
النصف وهو من اثنين. كالربع من اربعة، والثلث من ثمانية والثلث من ثلثة.
واذا جاء مثلي او ثلث وهما من نوع واحد، فكل عدد يكون مخرجاً لجزء فذلك
العدد ايضاً يكون مخرجاً للضعف ذلك الجزء ولضعف ضعفه كالسته هي
مخرج السدس ولضعفه، ولضعف ضعفه
واذا اختلط النصف من الاول بكل الثاني او بعضه فهو من ستة

”باب مخارج الفروض“

”مخرج“ ”مخرج“ کی جمع، محل الخروج کو مخرج کہا جاتا ہے۔ ”والمراد منها الاعداد التي
تخرج منها الفروض الستة“ فروض جمع فرض، لغتاً اس کا معنی قطع، اصطلاحاً کسی وارث کا
حصہ مقدر جو بلا رد، زیادہ نہ ہو سکے اور نہ بلا عول کم۔ اس باب میں مصنف حصص کے
مخارج، یعنی وہ اعداد بیان کرنا چاہتے ہیں جن سے حصص صحیح طور پر نکل سکتے ہیں۔
اس لحاظ سے کسی بھی کسر کا مخرج اقل سے اقل وہ عدد ہو گا جس کا مذکورہ کسر ایک
حصہ صحیح ہو۔ لہذا ”ثلث“ کا مخرج تین ہو گا کیونکہ یہ ایک اقل ایسا عدد ہے جس کا ثلث
یعنی ۱/۳ صحیح حصہ ہے اور اس کا اس سے صحیح اخراج ممکن ہے، ایسے ہی ”ربع“ کا مخرج
”۴“ کا عدد ہو گا اور ”ثلثین“ کا ”۸“

”اعلم ان الفروض المذكورة.....“ یعنی حصص مذکورہ مفروضہ فی کتاب اللہ دو انواع پر
مشتمل ہیں:

(۱) نصف، ربع اور ثلثین۔ ثلثان اور سدس۔

اہل فن نے ان دو انواع کو اس لئے دو انواع پر مشتمل قرار دیا ہے کہ ان میں سے

ہر ایک تصنیف و تضعیف پر مبنی ہے۔ مثلاً ”نصف“ دو گنا ہے ”ربع“ کا اور ”ربع“ ”ثمن“ کا۔ ایسے ہی ”ثلثان“ دو گنا ہے ”ثلث“ کا اور ”ثلث“ ”سدس“ کا۔ اور اگر انہیں برعکس دیکھا جائے تو پھر ”ثمن“ ”نصف“ ہے ”ربع“ کا اور ”ربع“ ”نصف“ کا، ایسے ہی ”سدس“ ”ثلث“ کا اور ”ثلث“ ”ثلثان“ کا۔

جب کسی مسئلہ میں ان حصص سے کوئی ایک ہی ہو تو پھر اس کا مخرج اسی کی مثل وہ عدد ہو گا جس سے اس کا بلاکسر اخراج ممکن ہو گا، جیسے ثلث ”تین“ سے اور ربع ”چار“ سے وغیرہ۔ ہاں ”نصف“ ایک ایسا حصہ ہے جس کا مخرج اس کا ہم مثل نہ ہو گا بلکہ ”دو“ ہو گا کیونکہ ”نصف“ کا بلاکسر ”دو“ کے عدد سے ہی اخراج ممکن ہے۔

اب اگر سابقہ حصص کی دو انواع میں سے دو یا تین حصص اکٹھے ہو جائیں۔ بشرطیکہ وہ ایک ہی نوع سے ہوں تو پھر ان کا مخرج ان کی ادنیٰ جزء کا مخرج ہو گا۔ مثلاً: سدس، ثلث اور ثلثان کے اکٹھے ہو جانے پر ان سب کا مخرج ان کی ادنیٰ جزء ”سدس“ کا مخرج ہو گا۔ یعنی جو مخرج سدس کا ہو گا وہی ثلث اور ثلثان کا بھی ہو گا لہذا مسئلہ کی تائیل سدس کے مخرج ”چھ“ سے ہو گی۔ اور اگر وہ دو انواع سے متعلقہ ہوں تو پھر نوع اول سے نصف کے نوع ثانی کے ساتھ اکٹھے ہو جانے کی صورت میں مسئلہ کی شکل و صورت ”چھ“ کے عدد سے ہو گی۔ جیسے کوئی متوفاة اپنے پیچھے خاوند، ماں، دو حقیقی بہنیں اور دو اخیانی بہنیں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تائیل چھ سے ہو گی لیکن عول دس تک کر جائے گا۔ یعنی بوقت تقسیم حصص چھ کی بجائے دس بنانے ہوں گے۔ پھر مال متروکہ کی تقسیم صحیح ہو گی۔ مثلاً متوفاة کے ورثاء کے حصص مندرجہ ذیل ہیں:

جمع مال متروکہ سے

”نصف“ خاوند کو

”سدس“ ماں کو

”ثلثان“ حقیقی بہنوں کو

”ثلث“ اخیانی دو بہنوں کو۔

لہذا مذکورہ قاعدہ کے مطابق مسئلہ کی تائیل چھ سے ہو گی جس میں سے ”نصف“ = ۳ خاوند کے لئے اور اس کا ”سدس“ = ۱ ماں کے لئے اور ”ثلثان“ = ۴ حقیقی بہنوں کے

لئے اور ”ثلث“ = ۲ اخیاہی بہنوں کے لئے جمع ہو جانے پر متروکہ مال کی تقسیم چھ سے نہیں ہو سکتی جب تک مال کو دس حصوں میں تقسیم نہ کر لیا جائے، کیونکہ ورثاء کے حصص کی تعداد دس ہے، لہذا گو مسئلہ کی صورت چھ سے ہوگی لیکن بوقت تقسیم حصص کی تعداد دس کرنی ہوگی، اسی کا نام ”عول“ ہے۔



واذا اختلط الربع بكل الثانی او ببعضه فهو من اثنی عشر واذا اختلط الثمن بكل الثانی او ببعضه فهو من اربعة وعشرين

”واذا اختلط الربع بكل الثانی.....“

اور جب ”ربع“ نوع ثانی کے تمام حصص سے مختلط ہو تو مسئلہ کی صورت و شکل (۱۳) کے عدد سے ہوگی۔ جیسے متوفی اپنے پیچھے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ جائے۔ زوجہ، ام، اختان لاپ وام، واختان لام تو مسئلہ کی تاصیل و تشکیل (۱۳) کے عدد سے ہوگی۔ جس میں سے:

ربع =	۳	زوجہ کیلئے
سدس =	۲	ماں کیلئے
ثلث =	۴	اخیانی بہنوں کیلئے
ثلثان =	۸	عینی بہنوں کیلئے
میزان =	”۱۷“	

مسئلہ کی تشکیل تو بارہ سے ہوگی لیکن بوجہ عمل مال کی تقسیم ”۱۷“ حصص سے ہی ممکن ہوگی۔

اور اگر نوع ثانی کے بعض حصص سے مختلط ہو تو بھی تاصیل بارہ سے ہی ہوگی۔ جیسے متوفاء اپنے پیچھے زوج اور بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ ”۱۲“ ہی سے ہوگا۔ کیونکہ زوج کے لئے ربع، دو بیٹیوں کے لئے ثلثان کا اخراج ”۱۳“ سے کم میں ممکن نہیں، لہذا..... ”۱۳“ کے مسئلہ سے:

ربع =	”۳“	زوج کو
ثلثان =	”۸“	بیٹیوں کو ملیں گے
میزان =	”۱۱“	

لیکن ایک بچ گیا جسے دوبارہ بلازوج بیٹیوں پر رو کیا جائے گا اس لئے اس مسئلہ کو ردیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یا متوفی زوجہ، ام اور دو بہنیں حقیقی چھوڑ جائے تو مسئلہ بارہ

سے ہی ہو گا لہذا.....:

زوجہ کو	"ربع" =	"۳"
ماں کو	"سدس" =	"۴"
حقیقی بہنوں کو	"ثلثان" =	"۸"
	میزان =	"۱۳"

مسئلہ کی تشکیل گو "۱۳" کے عدد سے ہے لیکن حصص کی تقسیم "۱۳" سے ممکن نہیں بلکہ بوجہ عول "۱۳" کی تعداد سے ممکن ہوگی، لہذا اسے مسئلہ "عولیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

خیال رہے! "۱۳" کے عدد سے تشکیل پانے والے مسائل "رویہ" بھی ہو سکتے ہیں اور "عولیہ" بھی، جیسا کہ مسائل مذکورہ سے واضح ہے۔ اور جب "ثمن" نوع ثانی کے تمام یا بعض حصص سے مخلوط ہو تو مسئلہ کی تشکیل "چوبیس" کے عدد سے ہوگی۔ اور اس کی صورت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہی متحقق ہوگی جو محروم کو حاجب سمجھتے ہیں۔ جیسے کوئی مرنے والا اپنے پیچھے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ جائے تو ان کے نزدیک مسئلہ کی صورت چوبیس سے ہی ہوگی۔ ابن کافر محروم، زوجہ، ام، دو عینی بہنیں اور دو اخیانی بہن۔ چونکہ محروم بیٹا ان کے نزدیک حاجب ہے لہذا زوجہ کو "ربع" کی بجائے "ثمن" ملے گا، لہذا حصص..... ثمن، سدس، ثلث اور ثلثان کے اجتماع پر مسئلہ کی تشکیل چوبیس "۲۳" سے ہی ہوگی جس میں سے:

زوجہ کو	ثمن =	۳
ام کو	سدس =	۴
حقیقی بہنوں کو	ثلثان =	۱۶
اخنیانی بہنوں کو	ثلث =	۸
	میزان =	"۲۳"

گو مسئلہ کی تشکیل "۲۳" سے ہے لیکن "۲۳" کے عول سے ہی حصص کی تقسیم

درست ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک چونکہ محروم بیٹا حاجب نہیں، لہذا زوجہ کو ربع ملے گا، تو مسئلہ کی تشکیل ”۲۴“ کی بجائے ”۱۳“ سے ہوگی۔
”تصریح“

مخارج کی بحث میں مصنف دراصل ان ضوابط کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کے مطابق فروض (حصص) کی تقسیم اہل الفروض پر صحیح ہو۔ فروض جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نصف، ربع، ثمن اور ثلثان، ثلث، سدس

ان پر غور کرنے سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں:

* ایک تو یہ کہ یہ تمام فروض کسور ہیں۔ ان کے مخارج بھی وہ ہی ہو سکتے ہیں جو کسور کے مطابق ہوں۔ لہذا ہر کسر کا مخرج ایک ایسا اقل عدد ہو گا جس کا وہ کسر ایک صحیح حصہ ہو۔ مثلاً نصف کا دو، ربع کا چار، ثمن کا آٹھ، ثلث کا تین اور سدس کا چھ، کیونکہ ان ہی سے مذکورہ کسور کا اخراج ممکن ہے۔

* دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مخارج ستہ دو انواع پر تضعیف و تصیفاً مبنی ہیں۔ مثلاً..... ثمن کی تضعیف سے ربع حاصل ہوتا ہے اور ربع کی تضعیف سے نصف، ایسے ہی سدس کی تضعیف سے ثلث اور اس کی تضعیف سے ثلثان، اور ایسے ہی نصف کی تضعیف سے ربع حاصل ہوتا ہے اور اس کی تضعیف سے ثمن، ثلثان کو جب نصف کر دیا جائے تو اس سے ثلث حاصل ہوتا ہے اور اس کی تضعیف سے سدس۔

سبب الانواع

ان فروض کے دو انواع کا ایک سبب تو یہی ان کی تضعیف و تصیف ہے جس سے وہ علیحدہ علیحدہ دو انواع میں تقسیم ہو جاتے ہیں کیونکہ نوع اول کی آپس میں تضعیف و تصیف جیسے ممکن ہے ایسے اس کی نوع ثانی کے ساتھ ممکن نہیں اور نہ ہی نوع ثانی کی نوع اول کے ساتھ۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ ثمن کے اقل مخرج آٹھ سے ربع اور نصف کا اخراج تو ممکن ہے لیکن ثلثان، ثلث اور سدس کا ممکن نہیں۔ لہذا ان کے لئے ایک علیحدہ عدد کی ضرورت پیش آئی جس سے ان کا اخراج ممکن ہو اور وہ آٹھ کے بعد اقل عدد چھ ہی ہے

جس سے ان کا اخراج ممکن ہے۔

”تسمية النوع الاول“

نوع اول کو اول سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اول الموجودات (زوجین) کے فروض موجود ہیں چونکہ پہلے زوجین حضرت آدم عليه السلام اور مائی حوا ہیں لہذا ان کی مناسبت سے نوع اول کو اولیت حاصل ہے۔

”فاذا جاء في المسائل“ سے مصنف ان پانچ ضوابط (اصولوں) کا بیان کرتے ہیں جن کی فروض کی تقسیم میں ضرورت پیش آتی ہے۔

(۱) جب ان فروض میں سے کوئی ایک فرض محض کسی مسئلہ میں ہو تو اس کا مخرج اعداد میں سے اس کا ہم نام عدد ہی ہو گا جیسے ثلث کا ثلثہ ربع کا اربعہ اور ثمن کا ثمانیہ صرف نصف ایک ایسا فرض ہے جس کا مخرج اس کا ہم نام نہیں کیونکہ نصف کا مخرج اثنان ہے اور ان میں مشارکت فی الحروف نہیں۔ بخلاف باقی فروض اور ان کے مخارج کے کہ ان میں مشارکت فی الحروف موجود ہے۔ لہذا ان کے مخارج ان کے ہم نام ہیں۔

خیال رہے! سدس کا مخرج ستہ بھی بظاہر اس کے ہم نام معلوم نہیں ہوتا لیکن اپنے اصل کے اعتبار سے وہ اس کے ہم نام ہے۔ کیونکہ ستہ کا اصل سدس ہے جس کا علم اس کی تصغیر اور جمع علی الترتیب سدیس اور اسداس سے ہوتا ہے سدس کی دال کو تاء سے تبدیل کرنے کے بعد سین ثانی کو بھی تاء سے تبدیل کر لیا گیا اور تاء کو تاء میں ادغام سے ستہ کی شکل و صورت سامنے آگئی۔ لہذا یہ بھی سدس کا ہم نام ہی ہو گا۔

(۲) اور اگر کسی مسئلہ میں ایک ہی نوع کے دو یا تین فروض جمع ہو جائیں تو ہر وہ عدد جو کسی جزء ادنیٰ کا مخرج ہو گا وہ اس کے ضعف اور ضعف الضعف کا بھی مخرج ہو گا جیسے ثمن کا مخرج ثمانیہ ربع اور نصف کا بھی مخرج ہے۔ ایسے ہی سدس کا مخرج ستہ ثلث اور ثلثان کا بھی مخرج ہے۔

(۳) اگر نوع اول سے نصف، نوع ثانی کے جمیع فروض یا اس کے بعض سے جمع ہو جائے تو ان کا مخرج ستہ ہو گا۔ کیونکہ نصف کا مخرج اثنان اور ثلث و ثلثان کا مخرج ثلثہ، مخرج ستہ میں داخل ہیں۔ نیز نصف کے مخرج اثنان اور ثلث و ثلثان کے مخرج ثلثہ میں

مباہتہ کے باعث جب ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب ستہ آئے گا اور یہی ان سب کا مخرج ہو گا۔

(۴) جب ربع، نوع ثانی کے تمام فروض یا بعض سے جمع ہو جائے تو ان کا مخرج اثنا عشر ہو گا۔ ایک تو اس لئے کہ نوع ثانی کی اقل جزء کا مخرج ستہ ہے جس میں ثلث اور ثلثان کا مخرج بھی داخل ہے۔ لہذا ان کا مخرج تو ستہ ہوا اور ربع کا مخرج اربعہ، اب ان دونوں میں توافق بالنصف کے باعث جب ایک کے نصف کو دوسرے مکمل میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب اثنا عشر آئے گا جو تمام کا مخرج ہو گا۔

مثلاً..... اس لئے کہ ثلث اور ثلثان کا مخرج ثلثہ اور ربع کے مخرج اربعہ میں تباہن کے باعث جب ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب اثنا عشر ہی آئے گا اس لحاظ سے بھی ان کا مخرج اثنا عشر ہی ہو گا جن میں بارہ سے متعلق مسائل کا حل ہو گا۔

(۵) اگر ثمن نوع ثانی کے تمام یا بعض فروض سے جمع ہو جائے تو ان کا مخرج اربعہ و عشرون ہو گا۔ چونکہ نوع ثانی کی جزء اقل سدس کے مخرج ستہ میں ثلث اور ثلثان کا مخرج داخل ہے لہذا ان کا مخرج ستہ ہو گا لیکن ثمن کے مخرج ثمانیہ اور ستہ میں موافقت بالنصف کے باعث جب ایک کے نصف کو جمع ثانی میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب چوبیس آئے گا اور یہی ثمن اور اس سے مخلوط فروض کا مخرج ہو گا۔ نیز ثلث اور ثلثان کے مخرج ثلثہ اور ثمن کے مخرج ثمانیہ میں تباہن کے باعث جب ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب چوبیس ہی آئے گا۔ اس لحاظ سے بھی ان کا مخرج چوبیس ہی ہو گا۔

حاصل کلام:

ضوابط خمسہ مذکورہ میں فروض کی انفرادی اور اجتماعی صورتوں میں مذکورہ مبینہ مخارج سے مسائل کی تاحیل و تشکیل ہو گی۔

”تنبیہ“

خیال رہے! نوع اول سے ثمن کا اختلاط بکل الثانی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے پر تو ممکن ہے کیونکہ ان کے نزدیک محروم بیٹا زوجہ کے لئے ربع سے الی الثمن حاجب ہے۔

لہذا متوفی کے ورثاء میں جب زوجہ 'ام' اختان لاب وام' اور اختان لام ہوں گے تو زوجہ کے ثمن 'ام کے سدس' اختان لاب وام کے ثلثان اور اختان لام کے ثلث جمع ہو جانے سے جہاں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسئلہ کی تشکیل "۲۴" سے ضروری ہے وہاں مسئلہ کا مول اکتیس "۳۱" تک بھی ضروری ہے۔ لیکن جو اصحاب محروم بیٹے کو حاجب نہیں مانتے ان کے نزدیک ثمن نوع ثانی کے جمیع فروض سے جمع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض سے ہی جمع ہو گا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ثمن کی حق دار زوجہ ہی ہو سکتی ہے جبکہ اس کی اولاد ہو۔ مسئلہ مذکورہ میں محروم بیٹا جب حاجب نہیں تو زوجہ کے ثمن اور ثلثان کے تحقق کے لئے بنان کا وجود ضروری ہے۔ بخلاف حقیقی اختان کے جن کے ہوتے ہوئے زوجہ کو ربع ملتا ہے جبکہ مسئلہ زیر بحث ثمن سے متعلق ہے۔ لہذا اب جبکہ ثلثان کی مالک دو بیٹیاں ہوں اور سدس کی مالک ام یا جدۃ تو ایسی صورت میں صاحب ثلث تو کوئی بھی سامنے نہیں آئے گا۔ کیونکہ ثلث کی مالک یا تو ام ہو سکتی ہے یا پھر اولاد الام۔ اور ماں بیٹیوں کے باعث ثلث کی بجائے سدس کی حق دار رہ جاتی ہے جبکہ اولاد الام بیٹیوں کے باعث محروم۔ لہذا ثمن کا جمیع ثانی کے ساتھ اجتماع ممکن نہیں۔

”فروض ستہ میں سے ہر ایک کے ورثاء کی فہرست“

نصف کے مستحق پانچ ورثاء ہیں:

(۱) زوج جبکہ متوفیہ زوجہ کی اولاد نہ ہو خواہ کسی دوسرے زوج ہی سے جس کی دلیل ”ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولد“ ہے۔

(۲) بیٹی جبکہ وہ ایک ہو۔ ”وان کانت واحدة فلہا النصف“ اسی پر دال ہے۔ بیٹی کی موجودگی میں وہ نصف کی حق دار نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ وراثت میں بھائی کے برابر یا اس سے بھی زیادہ کی حق دار ہو جائے گی اور یہ روح اسلام کے خلاف ہے۔

(۳) پوتی جبکہ وہ ایک ہو اور میت کی بیٹی اور بیٹا موجود نہ ہوں۔ اس کی دلیل وہی ہے جو بیٹی کی۔ کیونکہ پوتی بمنزلہ بیٹی کے ہے جبکہ بیٹی نہ ہو۔

(۴) حقیقی بن جبکہ وہ ایک ہو اور میت کے اصل و فرع سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ اللہ

تعالیٰ کے فرمان ”یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ“ ان امرء ہلک لیس له ولد وله اخت فلہا النصف“ سے یہی ثابت ہے۔

(۵) علاقائی بہن جبکہ وہ بھی ایک ہو، نیز میت کی حقیقی بہن بھی موجود نہ ہو اور میت کے اصل و فرع سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ چونکہ حقیقی بہن کے نہ ہوتے ہوئے وہ اس کے قائم مقام ہے لہذا اس کی بھی دلیل وہی ہے جو حقیقی بہن کی۔

”ربع کے مستحق دو ہیں“:

(۱) زوج جبکہ زوجہ کی اولاد موجود ہو خواہ اولاد اس سے ہو یا کسی دوسرے سے لقولہ

تعالیٰ ”فان کان لہن ولد فلکم الربع مما ترکن“

(۲) زوجہ کو بھی ربع ملتا ہے جبکہ زوج کی اولاد نہ ہو۔ خواہ اس سے یا کسی دوسری بیوی سے۔ لقولہ تعالیٰ ”ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد“

”ملاحظہ“

خیال رہے! زوجہ ایک ہو یا زیادہ، وہ سبھی ربع اور ثمن میں ہی شریک ہوں گی ان کے حصہ میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔ کیونکہ مذکورہ آیت کا تقاضا یہی ہے۔

ثمن کی حق دار صرف ایک ہے:

زوجہ خواہ ایک ہو یا زیادہ جبکہ میت کی اولاد پوتے موجود ہوں۔ خواہ اس سے ہوں یا کسی دوسری زوجہ سے۔ ”فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بہا او دین“ کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

ثلاثان کے مستحق چار ورثاء ہیں اور سبھی عورتوں میں سے:

(۱) دو حقیقی بیٹیاں یا زیادہ جبکہ ان کے ساتھ ان کا کوئی بھائی یعنی میت کا بیٹا نہ ہو لقولہ

تعالیٰ ”فان کن نساء فوق اثنتین فلہن الثلثا ما ترک“

خیال رہے! ”فوق اثنتین“ سے مراد دو یا دو سے زیادہ ہیں جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی نے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اطلاع دی کہ یہ ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیاں جن کے چچا نے سعد کے تمام مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ جبکہ ان کی شادی پر بھی مال کی ضرورت ہے۔ تو آپ نے فرمایا ”یقضی اللہ فی ذلک فنزلت آیۃ الموارث“ آیت کے

نزول پر نبی کریم ﷺ نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو ثلثان اور ان کی ماں کو ثمن ترکہ میں سے دیا جائے اور جو بچے وہ آپ کے لئے۔

اس حدیث سے نصایہ ثابت ہوا کہ ”فوق اثنتین“ سے مراد دو یا دو سے زیادہ ہیں اور ان اہل علم کا یہ خیال غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ثلثان دو سے زیادہ کے لئے ہے اور دو کے لئے نصف ہے۔ نہ کہ ثلثان کیونکہ لفظ ”فوق“ کا تقاضا یہی ہے لیکن قائل کا یہ خیال اجماع کے خلاف ہے۔ لہذا قابل اعتبار نہ ہو گا۔

(۲) دو پوتیاں یا زیادہ جبکہ میت کی صلبی اولاد میں سے بیٹا، ایک بیٹی یا دو بیٹیاں نہ ہوں۔ ایسے ہی پوتیوں کے ساتھ کوئی پوتا بھی نہ ہو۔ لعموم قوله تعالیٰ ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“... ولا جماع الامہ

(۳) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں، جبکہ بیٹا، بیٹیاں، پوتیاں اور حقیقی بھائی، نیز باپ، دادا موجود نہ ہوں۔ یعنی عند عدم وجود الاصل والفرع والاخوة لقوله تعالیٰ ”فان کاننا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک“

(۴) دو علاقائی بہنیں یا اکثر جب کہ میت کا اصل و فرع نہ ہو، علاقائی بھائی، بیٹیاں، پوتیاں اور حقیقی بھائی بہن بھی نہ ہو۔ ان کی توریث کی بھی دلیل وہی ہے جو حقیقی بہنوں کی۔ یعنی اجماع امت کیونکہ آیت متقدمہ فی الاخوات ان دونوں قسم کی بہنوں کو شامل ہے۔ اخینی بہنوں کو یہ آیت شامل نہیں کیونکہ ان کا حکم اللہ تعالیٰ نے علیحدہ بیان فرمایا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

ثلث کے مستحق دو ہیں:

(۱) ام، جبکہ میت کی اولاد، پوتے، بھائی اور بہنیں دو یا زیادہ نہ ہوں۔ عام ہے کہ بھائی اور بہنیں حقیقی ہوں، علاقائی یا اخینی وارث ہوں یا محبوب، لقوله تعالیٰ ”فان لم یکن له ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان له اخوة فلامہ السدس“

”ضابطہ“

خیال رہے! ”اخوة“ کو جمع ہے لین اس سے مراد علم المیراث میں دو یا دو سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ جمع کا اطلاق لغتاً دو پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکمما“ سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) اخیاہی بہن، بھائی دو یا زیادہ جبکہ میت کی فرع اور اصل نہ ہوں، نیز ان کی تعداد کم از کم دو ہو، خواہ مذکر ہوں یا مؤنث، یا پھر مخلوط، لقولہ تعالیٰ ”وان كان رجل“ یورث كلالۃ او امرأة وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس، فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء فی الثلث“

ملاحظات:

(۱) ”ولہ اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس“ سے مراد اخیاہی بہن، بھائی ہیں۔ کیونکہ حقیقی بہن بھائیوں کا حکم تو سورۃ نساء کے آخر میں مذکور ہے اور علاقائی ان کے حکم میں ہیں۔

(۲) ”.....فہم شركاء فی الثلث“ میں اخیاہی بہن بھائیوں کی مساوات پر ایک تو لفظ ”شركت“ دلالت کرتا ہے۔

ثانیاً.... چونکہ وہ ماں کی طرف سے میت کے وارث ہیں لہذا اخیاہی بھائی کو اخیاہی بہن پر فضیلت نہیں ہو سکتی لہذا دونوں میراث میں برابر ہیں۔

(۳) میراث ام میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ اسے مع الاب جمع ترکہ میت سے ثلث ملتا ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو۔ لیکن دو مسئلوں میں اسے باقی کا ثلث ملتا ہے۔ جنہیں ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے پیش نظر ”عمریتان“ اور بوجہ اپنی شہرت کے ”غراوان“ اور مسائل الفرائض میں اپنی غرابت کے باعث ”غراہتان“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور زوجان میں سے ہر ایک کے غریم ہونے کے باعث ”غریمتان“ کے نام سے، کیونکہ والدین سے ان کا تقدیم ایسے ہی ہے جیسے غریم کا علی الورثاء۔ ان دو مسائل کی صورت کچھ یوں ہے:

(۱) ماتت المرأة عن زوج وام واب، زوج کے نصف اور ام کے لئے باقی کے ثلث کے باعث مسئلہ کی تحصیل ”۶“ کے عدد سے ہی ممکن ہے جس میں سے زوج کو نصف ”۳“، ام کو باقی کا ثلث ”۲“ اور باقی اب کو عصبۃ ”۲“

اس مسئلہ میں ام کو باقی کا ثلث اس لئے دیا جاتا ہے۔ تاکہ اب کے حصہ سے اس کا حصہ نہ زائد ہو جائے۔ کیونکہ اگر اسے جمع کا ثلث دیا جائے تو پھر اسے ۶ کے مسئلہ سے دو ملیں گے اور باقی جو ایک بچے گا وہ عصبۃ باپ کو، تو اس صورت میں ام کا حصہ باپ کے

حصہ سے نسبتاً دو گنا ہو گا جو کہ شریعت کے اصول ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے خلاف ہے۔ لہذا جمیع کا ثلث دینے کی بجائے اسے باقی کا ثلث دیا جائے گا۔ جو کہ باپ کے حصہ کی نسبت نصف ہو گا۔

(۲) دوسرے مسئلہ کی صورت: مات رجل عن زوجة وام واب زوجہ کے ربع اور ام کے باقی کے ثلث کے باعث مسئلہ کی تحصیل ”۴“ سے ہو گی جس میں سے زوجہ کو ربع ”۱“ ام کو باقی کا ثلث ”۱“ اور باقی عصوبہ باپ کو ”۲“ گو یہاں ام کو جمیع کا ثلث دینے سے اس کا حصہ اب کے حصہ سے تو نہیں بڑھتا لیکن پہلے مسئلہ کی اتباع میں یہاں بھی اسے باقی کا ثلث ہی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ ”للام عند احد الزوجین ثلث الباقي“

خیال رہے! ”مسئلہ عمریہ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا جس میں صحابہ کی دو آراء سامنے آئیں:

- (۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے جو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی رائے ہے اور جس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔ وہ یہ کہ ”للام ثلث الباقي“
- (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کہ ”للام ثلث جميع المال“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ”این فی کتاب اللہ للام الثلث الباقي؟“ اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”لیس فی کتاب اللہ اعطانها الثلث کله مع الزوجین“ یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ اسے کب جمیع مال کا ثلث دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے: ”وورثه ابواه فلامه الثلث“ یعنی جب میت کے وارث صرف والدین ہوں تو والدہ کو جمیع کا ثلث ملے گا نہ کہ جب احد الزوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو بھی اسے جمیع کا ثلث ملے گا۔ صحیح مسلک وہی ہے جسے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا اور جس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا۔ نیز جسے عام اہل علم نے پسند کیا۔

”سدس کے مستحق سات افراد ہیں“

- (۱) والد جبکہ میت کی اولاد ہو۔ خواہ مذکر یا مونث، لقولہ تعالیٰ ”ولا یوہ لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد“ پوتے صلیبی اولاد کے حکم میں ہیں۔

(۲) جد صحیح جبکہ میت کی اولاد ہو اور باپ نہ ہو، ایسی صورت میں جد صحیح قائم مقام باپ کے ہوتا ہے۔ ہاں چار مسائل میں دادا باپ سے مختلف حیثیت میں ہو گا:

* حقیقی بھائی اور علاقائی بالا جماع باپ کی موجودگی میں وارث نہیں جبکہ دادا کی موجودگی میں وہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وارث ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وہ وارث نہیں جیسا کہ باپ کی موجودگی میں وہ وارث نہیں۔

* مسائل غراوین میں سے مسئلہ اولیٰ میں جب متوفا اپنے پیچھے زوجہ، ام اور اب چھوڑ جائے تو ام کو باقی کا ثلث ملتا ہے جبکہ جد کی موجودگی میں اسے بالا جماع جمع مال کا ثلث ملتا ہے۔

* اور غراوین میں سے مسئلہ ثانیہ میں جبکہ متوفی اپنے پیچھے زوجہ، ام اور اب چھوڑ جائے تو ام کو باقی کا ثلث ملتا ہے لیکن اگر اب کی جگہ جد ہو تو پھر اسے بالا جماع جمع کا ثلث ملتا ہے۔

* دادی باپ کی موجودگی میں وراثت سے محجوب ہے جبکہ دادا کے ہوتے ہوئے وارث نیز معق کا باپ اس کے بیٹے کی موجودگی میں ولاء سے سدس کا مالک ہے جبکہ دادا باپ کے نہ ہونے پر محروم۔

(۳) ام جبکہ میت کی اولاد یا اولاد الابن موجود ہو۔ لقولہ تعالیٰ ”ولا یوہ لکل واحد منہما السدس“ یا جبکہ میت کے دو یا زیادہ بھائی من ای جہۃ موجود ہوں خواہ مذکر خواہ مونث لقولہ تعالیٰ ”فان کان لہ اخوة فلامہ السدس“

(۴) پوتی خواہ ایک ہو یا زیادہ جب میت کی ایک بیٹی ہو تو اسے تکملۃ الثلثین سدس ملتا ہے۔ کیونکہ اثاث کا زیادہ سے زیادہ حصہ ثلثان ہی ہے۔ جب میت کی ایک بیٹی نصف لے گی تو باقی سدس بنت الابن وصول کرے گی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ کسی میت کی بیٹی، پوتی اور بہن کو کیا کچھ ملے گا تو انہوں نے فرمایا: بیٹی کو نصف، اور بہن کو بھی نصف اور پوتی محجوبہ، ساتھ ہی فرمانے لگے کہ جاؤ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی دریافت کر لو۔ وہ بھی میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ لیکن سائل نے جب ان سے دریافت کیا تو وہ فرمانے لگے ”لا قضین فیہا بما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، للبنۃ النصف، ولبنۃ الابن السدس تکملۃ

لثلاثين وما بقى فهو لاخت" یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوتی کو سدس دینے کے بعد باقی اخت کو دیا۔ جب ساکل نے واپسی پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو پوتی کو سدس دیا ہے۔ تو وہ فرمانے لگے "لا تسئالونی مادام هذا الحبر فیکم" صحیح بخاری، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسائل کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! پوتی کا سدس ذیل کی شروط سے مشروط ہے:

اول: میت کا بیٹا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے وہ محبوبہ ہے۔
ثانی: میت کی دو بیٹیاں نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے اثاث کے ثلثان مکمل ہیں۔

(۵) علاقائی بہن ایک ہو یا زیادہ جبکہ میت کی ایک حقیقی بہن بھی ہو۔ یہ اپنے حکم میں بنت الابن مع البنت سے مشابہت رکھتی ہے۔ علاقائی بہن ایک ہو یا زیادہ، انہیں ایک حقیقی بہن کے ساتھ تکملة للثلاثین سدس ملے گا۔

(۶) اخیانی بھائی یا بہن جبکہ ان میں سے کوئی ایک ہو اور میت کی اصل و فرع بھی نہ ہو لقولہ تعالیٰ ”وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس“

(۷) جدۃ صحیحہ جبکہ ام نہ ہو۔ خواہ جدہ ایک ہو یا زیادہ، انہیں سدس ہی ملے گا۔ جیسے کسی کی نانی اور دادی دونوں موجود ہوں تو سدس ان میں برابر تقسیم ہو گا۔ ”روی فی السنن“ ان الجدة جاءت الی ابی بکر رضی اللہ عنہ تسئالہ میراثہا فقال لہا مالک فی کتاب اللہ شینئ“ فارجعی حتی اسئال الناس فسنال الناس فقال المغیرۃ بن شعبۃ حضرت رسول اللہ ﷺ اعطاها السدس فانفذہ لہا ابو بکر الحدیث“ لہذا جدہ کا حصہ سدس ہے، ایک ہو یا زیادہ۔

بابُ الْعَوْل

العول ان يزاد على المخرج من اجزاءه اذا ضاق عن فرض

لغناً ”عول“ کا معنی ”میل و جور ہے“ اسی لئے مسئلہ ”عولیہ“ جب اصحاب الفروض پر عول کرتا ہے تو ان کے حصص میں نقصان و جور پیدا ہو جاتا ہے، ”غلبہ“ اور ”رفعت“ کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ”میل صبرہ“ بمعنی ”غلبہ فی صبرہ“ و ”عال المیزان“ بمعنی ”رفع المیزان“۔

لیکن اہل فن کی اصطلاح میں مسئلہ کے مخرج پر حصص کی زیادتی کا نام ”عول“ ہے جس سے اصحاب الفروض کے حصص میں کمی آ جاتی ہے لیکن مخرج میں زیادتی اس مفہوم کو ”ماتن“ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

”العول: ان يزاد على المخرج.....“

حاصل مقصد یہ ہے کہ جب مخرج، مجتمع فروض پر پورا نہ اتر سکے تو ترکہ کو بقدر ضرورت، مخرج سے زیادہ تعداد کی طرف منتقل کر کے مال کو تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ اصحاب الفروض کے حصص میں جو بھی نقصان آئے وہ ایک خاص نسبت سے آئے۔ کہا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے ”عول“ کا کسی مسئلہ درپیش میں فیصلہ دیا، آپ کے سامنے مسئلہ کی ایک ایسی صورت پیش آئی جس کا مخرج فروض پر پورا نہ اتر سکا تو آپ نے عول کا فیصلہ کیا۔ متوفاة اپنے پیچھے خاوند، ماں اور عینی بہن چھوڑ گئی، ظاہر ہے مسئلہ کی تشکیل چھ سے ہی ہوگی جس میں سے:

خاوند کو	نصف =	۳ اور
ماں کو	ثلث =	۲ اور
عینی بہن کو	نصف =	۳ حصص ملیں گے
	میزان =	۸

مسئلہ کی تشکیل تو چھ کی تعداد سے ہے لیکن حصص کی تقسیم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک چھ کی بجائے آٹھ نہ کر لئے جائیں۔ لہذا اس مسئلہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

صحابہ کی موجودگی میں ”عولیہ“ قرار دیا اور کسی نے ماسوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس سے انکار نہ کیا اور یوں ترکہ تقسیم ہوا۔



اعْلَمْ أَنَّ مَجْمُوعَ الْمَخَارِجِ سَبْعَةٌ: أَرْبَعَةٌ مِنْهَا لَا تَعُولُ وَهِيَ: الْاِثْنَانُ وَالثَلَاثَةُ وَالْأَرْبَعَةُ وَالْثَمَانِيَّةُ

اعلم ان مجموع المخرج سبعة:

خیال رہے! تمام مخارج سات ہیں:

وجه المحصر:

کیونکہ انواع حصص دو ہیں جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

الاول:..... نصف، ربع، ثمن، الثانی:..... ثلثان، ثلث، سدس

اور ان کی دو حالتیں ہیں:..... (۱) انفرادی اور (۲) اجتماعی۔

انفرادی حالت میں مخارج کی تعداد پانچ ہے نصف کا مخرج ”اثان“ ربع کا مخرج ”اربع“ ثمن کا مخرج ”ثمانیہ“، ”ثلث“ اور ”ثلثان“ کا ”ثلثہ“ اور سدس کا ”ستہ“ اور اجتماعی حالت میں دو.....

اگر اجتماع ایک نوع کے حصص کا ہو تو پھر ان کا مخرج مذکورہ پانچ مخارج میں سے ہی کوئی ایک ہو گا، کیونکہ ادنیٰ حصے کا جو مخرج ہو گا وہ اعلیٰ کا بھی ہو گا، جیسے ربع اور نصف کا مخرج ”اربعہ“ ہو گا؟ کیونکہ جو مخرج ربع ادنیٰ جزء کا ہو گا وہی نصف، جزء اعلیٰ کا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی نصف اور ثمن جمع ہو جائیں تو ان کا مخرج ”ثمانیہ“ ہو گا۔ ثلثان، ثلث اور سدس کا ستہ۔

اگر اجتماع حصص کا دونوں انواع سے ہو تو پھر ان کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر نصف نوع اول میں سے نوع ثانی کے تمام حصص یا بعض سے مجتمع ہو جائے تو اس کا مخرج ستہ ”چھ“ سے ہی ہو گا۔

(۲) اور اگر ربع نوع اول سے نوع ثانی کے تمام یا بعض حصص سے مجتمع ہو جائے تو اس کا مخرج بارہ سے ہو گا۔

(۳) اور جب ”ثمن“ نوع اول سے تمام یا بعض نوع ثانی سے مخلوط ہو جائے تو پھر ان کا مخرج چوبیس ہو گا۔

ان تین میں سے مخرج ”ستہ“ کا ذکر تو پہلے پانچ مخارج میں آچکا ہے اور باقی دو رہ گئے،

لہذا سابقہ پانچ سے مل کر تعداد مخارج سات ہوئی اس لحاظ سے ترکہ کی تقسیم میں مسائل کا استخراج ان سات مخارج سے خارج نہ ہوگا۔
 ”اربعة منها لا تعول.....“

ان میں سے چار مخارج اثنان، ثلثة، اربعة، اور ثمانية ایسے مخارج ہیں جن میں ”عول“ ممکن نہیں، کیونکہ ان سے متعلق حصص ہی ایسے ہیں جن کی تقسیم میں سارا مال مکمل ہو جاتا ہے یا پھر بچ جاتا ہے۔ مکمل تقسیم کی صورت میں عول کی ضرورت نہیں اور اگر بچ جاتا ہے تو پھر اس میں عول کی بجائے ”رد“ ہوگا۔



وثلثة منها قد تعول:

(۱) اما الستة فانها تعول الى عشرة وترا وشفعا واما اثنا عشر فیهی تعول الى سبعة عشر وترا لا شفعا واما اربعة وعشرون فانها تعول الى سبعة وعشرين عولا واحدا كما في المسئلة المنبرية وهی امراة وبتان وابوان ولا يزداد على هذا الا عند ابن مسعود رضى الله عنه فان عنده تعول الى احد وثلثين

”وثلثة منها قد تعول....“

اور باقی ماندہ تین کبھی عول کرتے ہیں اور کبھی نہیں، ان تین سے مخرج ”ستہ“ دس تک و ترا و شفعا عول کر سکتا ہے۔ جیسے کوئی متوفاة اپنے پیچھے خاوند اور دو حقیقی بہنیں چھوڑ جائے تو خاوند کے لئے نصف اور بہنوں کے لئے ثلثان کے اجتماع سے مسئلہ کی تائیل تو ”ستہ“ سے ہوگی لیکن تقسیم سات سے ہی ممکن ہوگی، لہذا مسئلہ ”۶“ سے ”۷“ تک و ترا عول کر جائے گا۔ کیونکہ....

خاوند کیلئے ”۶“	میں سے نصف =	”۳“
یعنی دو بہنوں کو	”۶“ میں سے ثلثان =	”۳“
	میزان =	”۷“

اور کبھی یہ مخرج آٹھ تک عول کرتا ہے، جبکہ نصف، ثلثان اور سدس جمع ہو جائیں، جیسے کوئی متوفاة اپنے پیچھے زوج، اختین لاب وام اور اخت لام چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تائیل ”۶“ سے ہوگی لیکن تقسیم ترکہ آٹھ سے کم میں ممکن نہ ہوگی۔

اصل مسئلہ ”۶“ سے

ورثاء	حصص	سبب
خاوند	نصف = ”۳“	علی سبیل الفرضیہ
دو عینی بہنیں	ثلثان۔ ”۳“	علی سبیل الفرضیہ
ایک اختیانی بہن	سدس۔ ”۱“	علی سبیل الفرضیہ

لہذا یہ مسئلہ ”۸“ تک شفعاً عول کرے گا۔ اور کبھی دس تک، جبکہ متوفاة اپنے پیچھے زوج، اختین لاب وام و اختین لام وام تو ایسی صورت میں زوج کو متروکہ مال سے ”نصف“ لہذا اختین لاب وام کو ”ثلثان“ اور اختین لام کو ”ثلث“ اور ماں کو ”سدس“ ملے گا۔ لہذا نصف ثلثان، ثلث اور سدس کے اجتماع سے مسئلہ کی تاصیل تو ”۶“ سے ہی ہوگی لیکن حصص کی مکمل تقسیم ”دس“ سے کم میں ممکن نہ ہوگی کیونکہ:

خاوند کو ”۶“	میں سے نصف =	”۳“
حقیقی بہنوں کو ”۶“	میں سے ثلثان =	”۳“
اخیانی بہنوں کو ”۶“	میں سے ثلث =	”۲“
ماں کو ”۶“	میں سے سدس =	”۱“
	میزان =	”۱۰“

لہذا یہ مسئلہ دس تک عول کرے گا۔ اس مسئلہ کو شریکیہ اور ام الفروخ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور مسئلہ ”۱۳“ سترہ تک عول کر سکتا ہے لیکن ”وتر“ کی صورت میں نہ کہ شفع کی صورت میں، جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے زوجہ، دو یعنی بہنیں اور ایک اخیانی بہن چھوڑ جائے تو مسئلہ کی صورت بارہ سے ہی ہوگی لیکن ”۱۳“ تک عول کرنے سے ہی مال کی تقسیم درست اور صحیح ہوگی۔

اصل مسئلہ ”۱۳“ سے

زوجہ	ربع = ”۳“	علی سبیل الفرضیہ
دو یعنی بہنیں	ثلثان = ”۸“	علی سبیل الفرضیہ
اخیانی بہن	سدس = ”۲“	علی سبیل الفرضیہ

یا کوئی متوفی تین بیوہ، دو دادیاں، چار اخیانی بہنیں اور آٹھ یعنی بہنیں چھوڑ جائے تو بھی مسئلہ کی تشکیل ”۱۳“ سے ہوگی، مال کی تقسیم ”۱۷“ تک عول کرنے سے ہی ممکن ہوگی۔

ربع = "۳"	"۱۲" میں سے	تین بیویوں کو
سدس = "۲"	"۱۲" میں سے	دو دایوں کو
ثلث = "۳"	"۱۲" میں سے	چار اخیانی بہنوں کو
ثلثان = "۸"	"۱۲" میں سے	اور آٹھ یعنی بہنوں کو
"۱۷"	میزان =	

چونکہ متونی کا اتفاق سے کل ترکہ "۱۷" دینار تھا اور ورثاء کے حصص بھی "۱۷" اور ورثاء بھی تمام کی تمام عورتیں جنہیں تقسیم میں اپنے حصے کے مطابق ایک ایک دینار آیا۔ اس اعتبار سے اس مسئلہ کو "مسئلہ دیناریہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں عول "۱۳" سے "۱۷" تک ہوا۔

"واما اربعة وعشرون"

اور چوبیس کا مسئلہ صرف "۲۷" تک ہی عول کر سکتا ہے جیسے کہ مسئلہ "منبریہ" کی صورت میں۔ خاوند اپنے پیچھے بیوی، دو لڑکیاں اور والدین چھوڑ جائے تو اس کی تفکیک "۲۳" سے ہی ہوگی لیکن حصص کی تقسیم کی تصحیح "۲۷" ہی سے ممکن ہوگی لہذا:

"۳"	میں سے ثمن =	بیوی کو "۲۳"
"۱۲"	میں سے ثلثان =	دو لڑکیوں کو "۲۳"
"۳" + "۳"	میں سے سدس سدس =	والدین میں سے ہر ایک کو "۲۳"
"۲۷"	میزان =	

"وجہ تسمیہ"

مسئلہ "منبریہ" کو "منبریہ" سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منبر کوفہ پر خطبے کی حالت میں مسئلہ مذکورہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب بالفور مسئلے کے عولیہ ہونے کے باعث یہ دیا کہ عورت کا حصہ اب ۱/۸ کے بجائے ۱/۹ ہوگا جس پر سامعین حیران رہ گئے۔ نیز یہ مسئلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک "۲۷" سے زیادہ عول نہیں کر سکتا لیکن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں "۳۱" تک عول کر سکتا ہے۔ جیسے کوئی مرنے والا اپنے پیچھے عورت، والدہ، دو عینی بہنیں، دو اخیانی

بہنیں اور محروم بیٹا چھوڑ جائے تو مسئلہ کی صورت ”۲۴“ سے ہی ہوگی لیکن تصحیح ”۳۱“ سے کم میں نہیں ہوگی، کیونکہ عورت کو بوجہ جب نقصان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ثمن ملے گا تو اس صورت میں مسئلہ کی تاصیل ”۲۴“ سے اور تصحیح بالعول ”۳۱“ سے ہوگی۔

”تصریح“

علم المیراث کی اصطلاح میں عول کی تعریف مصنف کے الفاظ میں یہ ہے۔ ”العول ان یزاد علی المخرج شینی من اجزائه اذا ضاق المخرج عن فرض“ یعنی جب اصحاب الفروض کے حصص سے مخرج ناکافی ہو تو مخرج پر مخرج کے اجزاء میں سے کسی جزء کے اضافے کا نام عول ہے جیسے مخرج ستہ میں اس میں جز سدس یا ثلث کا اضافہ۔ نتیجتاً اس میں سهام مفروضہ کے مجموعہ میں زیادتی اور ورثاء کے انصاء میں کمی لازم آتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخرج جب فروض مجتمعة پر پورا نہ اتر سکے تو ترکے کو بقدر ضرورت مخرج سے زائد تعداد کی طرف منتقل کر دینے کا نام عول ہے جس سے اصل مسئلہ میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسے زوجہ کی وفات پر زوج اور اختان لاب وام کے حصہ نصف اور ثلثان کے جمع ہو جانے پر مخرج ستہ کو سبعة تک منتقل کرنے سے ہی مسئلہ کا حل ممکن ہے ورنہ ستہ سے تو حصص سبعة کی تکمیل بلا کسر ناممکن ہے۔

امام بیہقی اور امام حاکم رحمہما کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے ذیل کے مسئلہ میں بالعول فیصلہ دیا۔ کسی عورت کی وفات پر اس کے ورثاء میں زوج، ام اور اخت لاب وام کی صورت سامنے آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ لیا جن میں حضرت عثمان، علی، عباس بن عبد المطلب، عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے تو ان میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عول کا مشورہ دیتے ہوئے کہا ”اعیلوا الفرائض“ یعنی تمام ورثاء کے حصص میں کمی کر لو، سبھی صحابہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ ہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عول سے انکار کیا تو ان سے کسی نے دریافت کیا کہ آخر تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انکار کیوں نہ کیا؟ تو کہنے لگے ”ہبتہ“ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف کے باعث خاموش رہا۔ اس پر کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ پھر آپ مسئلہ عولیہ میں کیا

طرز عمل اختیار کریں گے؟ تو اس کے حل میں انہوں نے فرمایا:

«ادخل الضرر على من هوى سوء حالاً وهى البنات والاحوات فانهن ينتقلن من فرض مقدر الى فرض غير مقدر»

یعنی تمام ورثاء کے حصص میں بالعدل کمی کرنے کی بجائے اسواء الحال وارث کے حصہ میں کمی کرنی چاہئے اور وہ مسئلہ مذکورہ میں اخوات ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی فرضیہ حق دار ہوتی ہیں اور کبھی عصبیہ، بخلاف زوج اور ام کے وہ ہر حال میں فرضاً ہی حق دار ہیں۔ لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ”۶“ کے مسئلہ سے زوج کو نصف ”۳“ اور ام کو ثلث ”۲“ دینے کے بعد جو ایک بچے کا وہ اخت لاب وام کو دے دیا جائے گا۔ یوں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بلاعمل ترکہ کی تقسیم ہوگی۔

سائل نے کہا ”ما یغنیک فتواک شیئاً“ فان میراثک یقسم بین ورثتک علی غیر رایک“ یعنی آپ کا فتویٰ آپ کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا کیونکہ آپ اس رائے میں متفقہ ہیں لہذا ممکن ہے کہ آپ کا ترکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی رائے کے خلاف تقسیم ہو لہذا بہتری یہی ہے کہ آپ اپنے قول سے رجوع کر لیں۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما غصے میں آکر کہنے لگے: ”هلاً یجتمعون حتی نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبین“ ان الذی احصى رمل عالج عدداً لم یجعل فی مال نصفین وثلاثاً“ یعنی میری رائے سے اختلاف رکھنے والے کیوں نہیں مباہلہ کے لئے ایک مقام پر جمع ہوتے تاکہ ہم کاذبین پر لعنت بھیجیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو مقام علاج کی ریت کے ذرات کی تعداد کو جانتا ہے اس نے کسی بھی انسان کے ترکہ میں دو نصف اور ایک ثلث مقرر نہیں کیا۔ جیسے مسئلہ زیر بحث میں زوج اور اخت لاب وام کے لئے نصف اور نصف اور ماں کے لئے ثلث ہے۔ لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک مسئلہ زیر بحث میں اخت لاب وام کو زوج اور ام کے حصص کے بعد باقی ۱/۶ یعنی سدس ملے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب ایسے حقوق مختلف جمع ہو جائیں جن کے لئے ترکہ ناکافی ہو تو ایسی صورت میں اقویٰ غیر اقویٰ پر مقدم ہوتا ہے۔ جیسے تجیز دین و صیت اور میراث کے جمع ہو جانے پر اگر ترکہ فروض سے کم ہو تو اقویٰ ہی مقدم ہوتا ہے۔ ایسے کبھی نہیں ہوتا کہ تجیز میت کو موخر کرتے ہوئے دین کو پہلے ادا کیا جائے بلکہ مال

میت سے پہلے تجبیز میت کے مصارف کو ادا کیا جاتا ہے خواہ تمام مال تجبیز میں صرف ہو جائے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں جو ہر حالت میں صاحب فرض ہے وہ اس سے بہتر ہے اور اقویٰ ہے جو کبھی صاحب فرض اور کبھی عصبۃ ہوتا ہے۔ لہذا نقص و حرمان میں غیر اقویٰ ہی اولیٰ ہو گا نہ کہ اقویٰ۔

نتیجتاً جب اخوات زوج اور ام سے کبھی عصبۃ ہونے کی حیثیت میں غیر اقویٰ ہوں گی تو مسئلہ زیر بحث میں نقص و حرمان کا محل بھی وہی ہوں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ اصحاب الفروض کا کسی ترکہ میں اجتماع جس سبب استحقاق کی بنیاد پر ہوتا ہے وہ نص ہے اور اس میں اصحاب الفروض تمام کے تمام برابر ہیں تو استحقاق میں بھی برابر ہوں گے لہذا کسی کا بھی تقدم اور تاخر نادرست ہو گا جیسے تمام غراء کو ترکہ غیر وافی میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لہذا جب مسئلہ زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے دو نصف اور ایک ثلث کو واجب قرار دیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فروض کے پیش نظر ترکہ کو پھیلانے بغیر ترکہ کی تقسیم بلا کسر ناممکن ہے۔ ظاہر ہے ان فروض کے مطابق جب ترکہ کو پھیلایا جائے گا تو اصل مسئلہ میں اضافہ ہو گا۔ اور اسی اضافہ کا نام عول ہے جس سے تمام فروض میں ایک خاص تناسب سے کمی آئے گی۔

باقی تجبیز، دین، وصیت اور میراث پر مسئلہ زیر بحث کو قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مقیس علیہ تجبیز، دین وغیرہ تو ایسے حقوق ہیں جو شرعاً مرتب ہیں جن کی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بخلاف اصحاب الفروض کے سام کے جو غیر مرتب ہیں کیونکہ ان کا درجہ اور استحقاق برابر اور مساوی ہے۔ اور ”نقل من الفرضیۃ الی العصبیۃ“ بھی موجب ضعف نہیں۔ کیونکہ عصبۃ تو اسباب ارث میں ایک قوی سبب ہے نہ کہ ضعیف، لہذا اس سے مخرج کے غیر وافی ہونے پر نقصان کیونکر ثابت ہو گا؟ لہذا صحیح اور درست بات وہی ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے عمل کیا اور جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

یوں بھی مذکور ہے کہ پہلا واقعہ فی العول جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا وہ ایک ایسی عورت سے متعلق ہے، جو وفات پر اپنے پیچھے زوج، اور اختان الشقیقتان چھوڑ گئی۔ چونکہ زوج کا حصہ فرضاً نصف ہے اور اختان کا ثلثان۔ لہذا ان میں سے ہر ایک نے

اپنے اپنے پورے حصے کا حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

ما اجد شيئاً اوسع لى من ان اقسام التركة عليكم بالحصص وادخل على

كل ذى حق ما دخل من عول الفريضة «الموارث»

یعنی ترکہ کو بالعول تقسیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ لہذا ہر صاحب حق کے حق میں عول آئے گا ممکن ہے یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش آیا ہو۔

یہ امر واضح ہے کہ ”مخارج حال الانفراد“ چھ اور ”حال الاختلاط“ تین، کل نو ہوئے لیکن ثلث اور ثلثان کے مخرج مشترکہ تین اور سدس و اختلاط النصف کے مخرج مشترکہ چھ کے باعث صرف سات رہ گئے جن میں سے چار اثنان، ثلثہ، اربعہ اور ثمانیہ میں تو بالکلیہ عول نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان مخارج سے تعلق رکھنے والے فروض پر یا تو ترکہ پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور یا پھر زائد بچ جاتا ہے۔ لہذا ان میں عول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی ماندہ ستہ، اثنا عشر اور اربعہ و عشرون میں عول ہوتا ہے۔ ستہ میں دس تک و تراشفعاً اثنا عشر میں سترہ تک صرف و ترا اور اربعہ و عشرون میں ستائیس کا صرف عول واحد ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے ہاں اکتیس تک۔ کیونکہ وہ ابن محروم کو زوجہ کے لئے حاجب نقصان قرار دیتے ہیں۔ لہذا اس کا حصہ ربع سے ثمن کی طرف منتقل ہو جانے سے مسئلہ ذیل میں تصحیح اکتیس سے ہی ممکن ہوگی جیسے کوئی متوفی ”ترک امراء واما واختین لاب وام واختین لام وابتنا محروماً“ چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل و تشکیل ”۲۳“ سے ہوگی جس میں سے عورت کو ثمن ”۳“ ماں کو سدس ”۴“ اختان لاب وام کو ثلثان ”۱۲“ اختان لام کو ثلث ”۸“ اور ابن محروم چونکہ مجموعاً حصص اکتیس ہوئے لہذا ”۲۳“ سے ”۳۱“ تک اس مسئلہ کے عول سے ہی ابن مسعودؓ کے ہاں تصحیح ممکن ہوگی۔ اور ابن مسعودؓ کے غیر کے ہاں مسئلہ کی تاصیل و تشکیل ”۱۲“ سے ہوگی اور ”۱۷“ تک کے عول سے تصحیح ممکن ہوگی۔

”شبہ“

”۶“ کے مسئلہ عائکہ میں جو ”۷“ تک عول کرتا ہے مسئلہ کو ”۶“ سے فرض کر کے ترکہ کو ”۷“ سے تقسیم کیا جاتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مسئلہ کو ”۶“ سے فرض کرنے کی بجائے ”۷“ سے ہی فرض کرتے ہوئے ترکہ کو تقسیم کر لیا جائے؟

”ازالۃ الشبہ“

در اصل مسئلہ کی تاصیل ”۶“ سے اور تقسیم ”۷“ سے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم میں کسر لازم نہ آئے۔ اگر مسئلہ کی تاصیل ”۶“ کی بجائے ”۷“ سے ہوگی تو پھر مسئلہ عائلہ میں کسر لازم آئے گی۔ جیسے ورثاء میں اگر زوج اور اختان لاب وام ہوں، تو ظاہر ہے کہ مسئلہ کی تاصیل ”۷“ سے کرتے وقت تقسیم میں کسر ضرور لازم آئے گی۔ اس سے تحرز کے لئے ہی تو اہل علم نے مسئلہ کی تاصیل ”۶“ سے اور تقسیم ”۷“ سے کا اصول وضع کیا ہے۔ یہی وجہ باقی ماندہ مسائل عولیہ میں بھی ہے۔

”فوائد“

(۱) خیال رہے! مسائل عولیہ میں عصبات کو کچھ بھی حصہ میں نہیں آتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جب حصص اصحاب الفروض کے لئے ہی پورے نہیں، تو انہیں کیا ملے؟ عصبات کو تو اصحاب الفروض کے حصص سے زائد بچا ہوا ترکہ ملتا ہے اور اگر ترکہ اصحاب الفروض کے فروض پر پورا ہو یا ان کے فروض سے کچھ زائد بچ رہا ہو تو سمجھئے کہ یہاں عول نہیں کیونکہ عول تو وہاں ہوتا ہے جہاں فروض (حصص) مخرج سے زائد ہوں۔

(۲) جب میت کے ورثاء میں بیٹا موجود ہو تو بھی عول نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں بعض اصحاب الفروض کو تو بالکل محروم کر دیا ہے جیسے اخوات لاب وام کو اور بعض کا حصہ اتنا کم کر دیا ہے کہ جس سے بیٹے اور پوتے کے لئے بہت کچھ بچ جاتا ہے۔ جیسے ام کے لئے ثلث اور مع الاب واحد الزوجین ثلث الباقی اور مع الابن سدس کے بعد ان کے لئے بہت کچھ بچتا ہے۔ لہذا یہاں بھی عول نہ ہوگا۔

”تنبیہات“

(۱) ہر وہ مسئلہ جس میں کوئی وارث نصف کا مستحق ہو اور مالقی کا کوئی اور، یا دو وارث ہوں جو نصف کے وارث ہوں، وہ دو سے تاصیل و تشکیل پائے گا۔

(۲) ہر وہ مسئلہ جس میں کوئی وارث ثلث کا حق دار ہو اور مالقی کا کوئی اور یا دو وارث ہوں جن میں ایک وارث ثلث کا حق دار ہو، تو وہ تین سے تاصیل پائے گا۔

(۳) ہر وہ مسئلہ جہاں کوئی ربع کا وارث ہو اور مابقی کا کوئی اور یا اس میں دو وارث ایسے ہوں جن میں سے ایک ربع کا اور دوسرا نصف کا تو اس مسئلہ کی چار سے تاصیل ہو گی۔

(۴) اور وہ مسئلہ جس میں کوئی وارث ثمن کا مستحق ہو اور دوسرا مابقی کا یا اس میں دو وارث ایسے ہوں جن میں ایک ثمن کا اور دوسرا نصف کا وارث ہو تو وہ مسئلہ آٹھ سے تشکیل پائے گا۔

خیال رہے! ان چاروں مسائل میں عول نہیں ہو گا بلکہ بلا عول مسائل کی تصحیح ہو گی۔



فصل فی معرفة التماثل والتوافق والتباين بين العددين

تماثل العددين: کون احدهما مساویًا للآخر

”فصل فی معرفة التماثل.....“

تعریف العدد:

”العدد ما تتألف من الاحاد“ یعنی ”عدد“ وہ ہے جو احاد سے متآلف ہو جیسے اثنین، ثلثہ، اربعة ان میں سے ہر ایک احاد سے مرکب ہے۔ اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اپنے قریبی یا بعیدی طرفین کے مجموعے کے نصف کے برابر ہو، جیسے عدد ”تین“ کے قریبی طرفین ”دو“ اور ”چار“ ہیں جن کے مجموعے ”چھ“ کے نصف کے وہ برابر ہی ہے۔

ایسے ہی ”تین“ کے بعیدی طرفین ”ایک“ اور ”پانچ“ ہیں ان کے مجموعے ”۶“ کے نصف کے بھی وہ برابر ہے۔ ایسے ہی کوئی ساعدہ دیکھ لیں، اس کی پوزیشن یہی ہوگی، لہذا اس مذکورہ تعریف کے مطابق ”ایک“ عدد نہ ہوگا، ایک تو اس لئے کہ اس کی ایک طرف نہیں۔ نیز طرفین کے مجموعے کے نصف کے برابر عدد ”ایک“ نہیں ہو سکتا لہذا ایک عدد نہ ہوگا۔

”تماثل بین العددين“ دو عددوں میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ برابر ہونے کا نام ”تماثل“ ہے جیسے ”چار“ اور ”چار“۔

”اعتراض“

خیال رہے! بعض لوگوں کے نزدیک دو متغائر عددوں کے درمیان نسبت مساوات کا نام ”تماثل“ ہے چار اور چار تو آپس میں متغائر نہیں لہذا ان میں نسبت ”تماثل“ کی نہ ہوگی۔

جواب ☆

تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے..... کہ عددین سے مراد دو ایسے عدد ہیں جن کا محل متغائر ہو، لہذا ”چار“ جن سے مراد ”چار درہم“ ہوں وہ یقیناً اس ”چار“ کے متغائر ہوگا جس سے مراد ”چار“ دینار“ ہوں، ورنہ ”خالص ثلاثة مجرد عن المحل لاتعدد فيه“ لازم آئے گا۔



وتداخل العددين المختلفين: ان يعد اقلهما الاكثر. اي: يغنيه. او نقول: هو ان يكون اكثر العددين منقسمًا على الاقل قسمة صحيحة او نقول: هو: ان يزيد على الاقل مثله او امثاله، فيساوي الاكثر او نقول هو ان يكون الاقل جزء للاقدر مثل: ثلاثة وتسعة

”تداخل العددين المختلفين ...“

تداخل العددين کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں:

- (۱) ایک تو یہ ہے کہ اقل کو اکثر سے منفی۔ تفریق۔ کرنے سے اکثر عدد ختم ہو جائے۔
- (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اکثر عدد اقل پر پورا پورا تقسیم ہو جائے اور اس سے کچھ نہ بچے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اقل عدد کو جب دو گنا یا تین گنا زیادہ کیا جائے تو وہ اکثر کے برابر ہو جائے۔

(۴) یا یہ ہے کہ اقل اکثر کا ایک صحیح حصہ ہو، جیسے ”تین“ اور ”نو“ میں تین نو کا ایک حصہ ہے۔

پہلی تعریف یعنی جب اقل کو اکثر سے دو یا اکثر دفعہ منفی کیا جائے تو اکثر کا وجود ختم ہو جائے جیسے تین اور چھ میں جب چھ سے تین کو دو دفعہ منفی کر دیا جائے تو چھ کا وجود بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی نو سے جب تین بار تین کو منفی کیا جائے تو نو کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ”۳“ اور ”۶“ نیز ”۳“ اور ”۹“ ایسے دو عدد ہیں جو علم میراث کی اصطلاح میں متداخل ہیں۔ بخلاف تین اور آٹھ کے جب اس سے دو بار تین کو منفی کیا جائے تو باقی دو رہ جاتے ہیں جن کا تین سے فنا ممکن نہیں لہذا ”۳“ اور ”۸“ متداخل عدد نہ ہوں گے۔

ہاں دو کو اگر آٹھ سے چار بار منفی کیا جائے تو آٹھ کا وجود ختم ہو جاتا ہے لہذا ”۲“ اور ”۸“ دو ایسے عدد ہیں جو متداخل کہلاتے ہیں اور ان کی نسبت کو نسبت متداخل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

”وتداخل العددين المختلفين“ میں ماتن نے عددین کو اختلاف سے متعید ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ اختلاف فی القلة والكثرة توافق اور تباين میں بھی ہوتا ہے تو اس سے مصنف



صرف اتنی سی بات بتانا چاہتے ہیں کہ اختلاف العدین صرف تماثل میں نہیں ہوتا باقی تینوں میں ہوتا ہے۔ ہاں اس کی تصریح مصنف نے صرف تداخل میں کی ہے لیکن اس سے توافق اور تباہ میں بھی اختلاف کا علم ہوتا ہے۔ نیز مصنف نے تداخل کی دوسرے ایسے معانی سے بھی تفسیر کی ہے جو پہلے معنی کو لازم ہیں۔

غور کیا جائے تو یہ تعریفات صرف عبارت کے اختلاف پر مبنی ہیں ورنہ معنی ان میں کوئی اختلاف نہیں جیسے ثلاثہ اور تسعة میں۔ چونکہ ثلاثہ، تسعة کا ثلث ہے لہذا یہ اس کا جزء ہے اور یہ تسعة کو تین دفعات میں فنا بھی کرتا ہے لہذا یہ پہلی تعریف کے مطابق متداخلان ہیں۔ نیز دوبارہ زیادہ کرنے سے تین نو کے برابر ہو جاتا ہے اور تسعة تین پر بلاکسر منقسم بھی ہے۔ لہذا تیسری اور دوسری تعریف کے مطابق بھی یہ متداخلان ہیں۔ الغرض یہ ایک ایسی مثال ہے جو تداخل کی جمیع تفاسیر کے مطابق ہے۔



وتوافق العددين: ان لا يعد اقلهما الاكثر، ولكن يعدهما عدد ثالث: كالثمانية مع العشرين تعدهما اربعة: فهما متوافقان بالربع: لان العدد العادلها مخرج لجزء الوفاق

توافقه العددين: اس نسبت میں ”عدد اقل“ اکثر کو فنا نہیں کرتا بلکہ دونوں کو کوئی تیسرا عدد فنا کرتا ہے۔ جیسے ”آٹھ“ اور ”بیس“ میں ادنیٰ اکثر کو تو فنا نہیں کرتا، ہاں ایک تیسرا عدد ”چار“ ان دونوں کو فنا کرتا ہے، لہذا یہ دونوں عدد موافق ”بالربع“ ہوں گے، کیونکہ عدد ”۴“ جو ان دونوں کو فنا کرتا ہے وہ ”ربع“ کا ہی مخرج ہے۔

یہ تعریف اس وقت صحیح اور درست ہوگی جب عدد کی تفسیر ”الکمية المتالفة من الوحدات“ سے کی جائے گی اور اس کے مطابق واحد عدد نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ متالف من الوحدات نہیں اور اسی تفسیر کے مطابق تداخل کی بھی تعریف صحیح ہوگی، کیونکہ اس میں بھی عددین سے مراد ایسے دو عدد ہوں گے جو واحد کے علاوہ ہوں گے۔

اگر عدد کی تفسیر ”بما يقع فی مراتب العدد“ سے کی جائے تو پھر واحد بھی عدد ہو گا۔ کیونکہ واحد بھی مراتب اعداد کا پہلا مرتبہ ہے۔ بلکہ اسی سے اعداد کی ابتداء ہوتی ہے۔ تو ایسی صورت میں واحد جمیع اعداد کے لئے مفتی ہو گا جس سے ہر دو عددوں کے درمیان توافق ثابت ہو گا اور تباین کا وجود ختم ہو جائے گا۔ لہذا توافق کی تعریف ”ولكن يعدهما عدد ثالث غير الواحد“ میں ”غير الواحد“ کے اضافے ہی سے صحیح اور مانع ہو سکتی ہے اور اس قید کا اضافہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اصطلاح میراث میں واحد اور دوسرے کسی بھی عدد میں نسبت تداخل کی نہیں بلکہ تباین کی ہے اور ایسے ہی توافق کا تعلق صرف ہر دو ایسے عددوں سے بھی نہیں جن کو واحد فنا کرتا ہو۔ مصنف کی کلام سے واحد کا عدد ہونا ثابت نہیں۔ لہذا ان کی رائے کے بموجب تعریف پر کوئی اشکال و اعتراض نہیں۔

”ثمانية مع العشرين“ میں ”ثمانية عشرین“ کو فنا نہیں کرتا بلکہ عدد ثالث اربعة ثمانية کو ہر تین اور عشرین کو بخش مرآت فنا کرتا ہے۔ لہذا یہ دونوں عدد متوافق بالربع ہوں گے۔ خیال رہے! گو دو بھی ان دو عددوں کو فنا کرتا ہے جس کے باعث ان میں توافق بال نصف بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن حساب کے اس میدان میں چونکہ اعتبار آسانی کے لئے بڑے

عدد کا ہوتا ہے۔ لہذا ان میں توافق بالنصف کی بجائے توافق بالربع کہنا بہتر ہے کیونکہ ربع کا مخرج ”۴“ نصف کے مخرج ”۲“ سے بڑا ہے اور جتنا عدد ”۴“ کسی عدد کو جلدی سے فنا کر سکتا ہے اتنا اس سے چھوٹا عدد نہیں کر سکتا۔ لہذا اس میں جزء الوفق قلیل کا اعتبار ہو گا کیونکہ وہ جتنا قلیل (اقل) ہو گا اس کا مخرج اتنا ہی بڑا ہو گا۔ مثلاً: ثمن، ربع سے اقل ہے اور ربع، نصف سے لیکن ثمن، کا مخرج ”۸“ ربع کے مخرج ”۴“ سے بڑا ہے اور ربع کا مخرج ”۴“ نصف کے مخرج ”۲“ سے بڑا ہے۔ لہذا جزء الوفق اقل کا اعتبار ہی اس میں بہتر اور مناسب ہے۔

”فائدہ“

خیال رہے! دو عددوں کے درمیان توافق کئی وجود سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً چوبیس اور چھتیس میں توافق بالنصف، بالثلث اور بالسدس بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اعتبار حساب کی سہولت کے لئے توافق بالسدس میں ہے۔



وتباين العددين ان لا يعد العددين معًا عدد ثالث كالتسعة مع العشرة وطريق معرفة الموافقة والمباينة بين العددين المختلفين ان ينقص من الاكثر بمقدار الاقل من الجانبين مرة او مرارًا حتى اتفقا في درجة واحدة فان اتفقا في واحد فلا وفق بينهما وان اتفقا في عدد فهما متوافقان بذلك العدد ففي الاثنين بالنصف وفي الثلاثة بالثلث وفي الاربعة بالربع هكذا الى العشرة وفي ماوراء العشرة يتوافقان بجزء اعنى في احد عشر بجزء من احد عشر وفي خمسة عشر بجزء من خمسة عشر فاعتبر هذا

”تباين بين العددين.....“

اس نسبت میں نہ تماثل اور نہ ہی تداخل کی کوئی صورت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی تیسرا عدد ان دونوں عددوں کو فنا کر سکتا ہے، لہذا اس میں کوئی توافق کی صورت بھی نہیں ہو سکتی، جیسے ”نو“ اور ”دس“ میں۔

اعداد مختلفہ میں نسبت موافقہ اور مباہنیہ کی معرفت کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ عدد اکثر سے بقدر اقل من الجانبین کئی بار کم کرتے جائیں تو بالآخر اگر ایک عدد بچ جائے تو سمجھ لیجئے کہ ان میں نسبت موافقہ کی نہیں اور اگر ایک سے زیادہ بچیں تو پھر دونوں عدد اس عدد کے ساتھ موافق ہوں گے اگر عدد ”دو“ میں موافقت ہو تو ”وفق بالنصف“ کہلائے گا اور ”تین“ میں ”وفق بالثلث“، ”چار“ میں ”وفق بالربع“ ایسے ہی دس تک۔ مثلاً دس اور سات میں سے جب سات کو دس سے منفی کر دیا جائے تو باقی تین بچتے ہیں اور تین کو جب سات سے دوبار کم کر دیا جائے تو باقی ایک بچتا ہے۔ لہذا جب دس اور سات جانبین سے اقل کے القاء کے بعد ایک میں متفق ہوتے ہیں، تو وہ دونوں عدد متباين ہوں گے۔ ایسے اگر اٹھارہ سے آٹھ دوبار حذف کر دیا جائے تو باقی دو بچتے ہیں اور آٹھ سے اگر دو کو تین بار حذف کر دیا جائے تو بھی باقی دو بچتے ہیں۔ لہذا آٹھ اور اٹھارہ عدد ”دو“ میں متوافقان بالنصف ہوں گے۔

”تفصیل“

اس کی تفصیل یوں سمجھئے جب اقل عدد کو اکثر سے کئی بار حذف کرنے سے عدد اکثر

ختم ہو جائے تو سمجھئے کہ دونوں عدد متداخلان ہیں اور اگر ایک باقی رہ جائے تو پھر وہ دونوں متباینان ہیں۔ اور اگر اقل کو اکثر سے حذف کرنے کے بعد اقل من الاقل عدد رہ جائے جو ان دونوں کو فنا کرتا ہو تو وہ ایک ایسا اکثر عدد ہو گا جس سے بڑا وہاں کوئی دوسرا عدد دونوں کو فنا کرنے والا نہ ہو گا۔ جیسے آٹھ اور بارہ میں آٹھ کو بارہ سے حذف کرنے کے بعد باقی چار رہ جاتے ہیں، جو آٹھ اور بارہ کو فنا کرنے میں اکثر عدد ہے۔ لہذا یہ دونوں عدد آٹھ اور بارہ متوافقان یعنی متوافقان بالربع ہوں گے۔ اور اگر اس سے آگے کسی عدد میں موافقت ہو تو پھر گیارہ میں "وفق بجزء من احد عشر" کہلائے گا، جیسے کہ "۲۲" اور "۵۵" میں "جزء احد عشر" کے ساتھ توافق ہے اور اسی طرح "۲۲" اور "۳۳" میں، اور پندرہ میں "بجزء من خمسة عشر" کہلائے گا جیسے کہ "۳۰" اور "۳۵" میں کہ ان دونوں کو "۱۵" اڑاتا ہے۔

اور یوں بھی ممکن ہے کہ تیس اور پینتالیس کے "توافق بجزء من خمسة عشر" کو "بثلث الخمس" سے تعبیر کیا جائے جس کا مخرج خمسة عشر ہے۔ اور چوبیس و چھتیس کو فنا کرنے والے عدد بارہ کو بنصف السدس سے نیز اٹھائیس اور بیالیس کو فنا کرنے والے عدد چودہ کو بنصف السبع سے الغرض۔ دس سے بعد کسی عدد میں توافق کو توافق بالاجزاء المضافة الى المخرج سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کجزء من احد عشر وجزء من اثني عشر وغیرہا۔ اور بعض کو کسور مرکبہ سے بھی جیسے بارہ کو بنصف السدس اور چودہ کو بنصف السبع سے۔

”تصریح“

مسائل کی تصحیح کے لئے نسبت بین الاعداد کی معرفت ضروری ہے کیونکہ تقسیم میراث کے مسائل کی معرفت نسبت کی معرفت پر موقوف ہے اور یہ نسبت چار اقسام میں منحصر ہے۔ (۱) تماثل، (۲) تداخل، (۳) توافق اور (۴) تباین میں۔

اگر ورثاء پر ان کے حصص بلا کسر صحیح تقسیم ہو جائیں تو پھر معاملہ آسان ہے نہ ہی تو روؤس اور ان کے سهام میں کسی قسم کی نسبت کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی روؤس اور دوسرے روؤس کے درمیان اور نہ ہی کسی قسم کی ضرب کی ضرورت ہوگی۔

اگر ہر فریق کے روؤس کی تعداد پر اس کے سهام صحیح تقسیم نہ ہوں تو پھر مسئلہ کی تصحیح ضروری ہوگی جس میں نسبت کو دیکھنا، ضرب دینا اور حاصل ضرب کو روؤس پر تقسیم کرنا

ضروری ہو گا۔ لہذا جہاں ضرب و تقسیم کی معرفت ضروری ہے وہاں نسبت کی معرفت ان سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

”تعریفات النسب“

(۱) تماثل، لغۃً..... صورت و شکل میں تشابہ کو کہتے ہیں۔

اصطلاحاً..... دو اعداد کا اپنے محل و چیز اور قیمت میں یوں مساوی ہونا کہ ایک دوسرے سے زائد نہ ہو۔ جیسے ”۸“ اور ”۸“ ”۱۰“ اور ”۱۰“۔

(۲) تداخل، لغۃً..... مشتق من الدخول ہے جو معنی خروج کی ضد ہے۔

اصطلاحاً..... عدد اکثر کا اقل پر یوں تقسیم ہونا کہ باقی کچھ نہ بچے جیسے ”۵“ اور ”۱۵“ ”۹“ اور ”۳۶“۔ ان میں سے اکثر کو جب اقل پر تقسیم کیا جاتا ہے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔

(۳) توافق، لغۃً..... اتفاق کو کہتے ہیں۔

اصطلاحاً..... دو عددوں میں سے ایک دوسرے پر تقسیم نہ ہو، ہاں کوئی عدد ثالث واحد کے علاوہ انہیں تقسیم کرتا ہو۔ جیسے ”۶“ اور ”۸“ ”۱۲“ اور ”۳۰“ ”۸“ اور ”۲۰“۔ پہلے دو عددوں کو ”۲“ دوسروں کو ”۶“ اور تیسروں کو ”۳۰“ تقسیم کرتے ہیں لہذا پہلے دو عددوں میں توافق بالنصف، دوسروں میں توافق بالسدس اور تیسروں میں بالربیع ہو گا۔

(۴) تباین، لغۃً..... تبعاد کو کہتے ہیں۔

اصطلاحاً..... ایک عدد کا دوسرے پر تقسیم نہ ہونا اور نہ ہی کسی تیسرے عدد کا انہیں تقسیم کرنا جیسے ”۳“ اور ”۷“ اور ”۱۱“ ”۹“ اور ”۱۰“۔

تنبیہ

خیال رہے! توافق دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک خاص اور دوسرا عام۔ خاص تو وہ ہے جس کا ذکر کتاب میں مذکور ہے اور عام یہ ہے کہ دو عددوں میں سے ایک دوسرے پر یا دونوں کسی تیسرے عدد پر پورے تقسیم ہو جائیں۔ اس لحاظ سے توافق کا یہ معنی تداخل کو بھی شامل ہو گا۔ لہذا فن میراث میں توافق کا کبھی پہلا معنی مراد ہوتا ہے اور کبھی دوسرا۔

وجه ضبط النسب فی الاربعه

چار اقسام میں نسبت کے انحصار کی وجہ یہ ہے کہ ہر عدد دوسرے عدد کی نسبت سے دو صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) دوسرے کے مساوی ہو گا یا نہیں، اگر مساوی ہے تو نسبت ان کے درمیان ”مثائل“ کی ہوگی۔

(۲) اور اگر مساوی نہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو ان دونوں عددوں کو کوئی تیسرا عدد فنا کرے گا یا نہیں اگر کر رہا ہو گا تو ان کے درمیان نسبت ”توافق“ کی ہوگی۔ جیسے ”آٹھ“ اور ”بارہ“ میں۔

(۳) اور اگر ان دونوں میں سے ادنیٰ اعلیٰ کو فنا کر رہا ہے تو پھر ان کے درمیان نسبت ”تداخل“ کی ہوگی۔ جیسے ”تین“ اور ”چھ“ میں۔

(۴) اور اگر ایسی صورت نہیں۔ یعنی کوئی بھی عدد ان دونوں کو یا ادنیٰ اعلیٰ کو فنا نہیں کر رہا تو پھر نسبت ”تباين“ کی ہوگی۔ جیسے ”نو“ اور ”گیارہ“ میں۔

خیال رہے! مستحقین میں بلاکسر ترکہ کو تقسیم کرنے میں نسبت اربعہ کی معرفت اہم ہے۔ لہذا تصحیح سے قبل مصنف نے ان کی وضاحت کو مناسب سمجھتے ہوئے ان کے بیان پر مشتمل علیحدہ فصل ذکر کی۔



بَابُ التَّصْحِيحِ

يحتاج في تصحيح المسائل الى سبعة اصول: ثلثة بين السهام والرؤس، واربعة بين الرؤس والرؤس اما الثلثة: فاحدها: ان كانت سهام كل فريق منقسمة عليهم بلا كسر فلا حاجة الى الضرب كابوين وبتين

تصحیح من الصحة تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کا لغتاً ... معنی ازالۃ السقم ہے۔ اور اصطلاحاً..... ہو ازالہ الکسر الذی وقع بین رؤس کل فريق من الورثة وسهامهم من اصل المسئلة، یعنی اس کسر کا ازالہ جو ورثاء کے کسی فریق کے رؤس اور ان کے اصل مسئلہ سے سهام کے درمیان واقع ہو۔ میراث کی تصحیح میں سات قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ جن میں سے تین کا تعلق ورثاء کے حصوں اور ان کے رؤس سے ہے اور چار کا تعلق بعض ورثاء اور بعض دوسرے ورثاء کے رؤس سے ہے۔

خیال رہے! ”رؤس“ اس کی جمع ہے جس سے مراد ”ورثاء کی کمیت“ یعنی تعداد ہے۔

القاعدة الاولى:

پہلے تین قواعد میں سے اول یہ ہے کہ اگر ہر فریق کا حصہ اس کے افراد پر بلا کسر تقسیم ہوتا ہو تو پھر ضرب کی ضرورت نہ ہوگی۔ جیسے..... کوئی متوفی اپنے پیچھے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل ”۶“ سے ہوگی، جس میں سے والدین کو چھٹا چھٹا اور بیٹیوں کو چھ میں سے ثلثان ”۳“ ملیں گے۔

اصل مسئلہ (۶) میں سے

ورثاء	حصص	سبب
والد کو	سدس (۱)	علی سبیل الفرضیہ
والدہ کو	سدس (۱)	علی سبیل الفرضیہ
بیٹیوں کو	ثلثان (۳/۶)	علی سبیل الفرضیہ

چونکہ ہر فریق کا حصہ ان پر پورا پورا تقسیم ہو رہا ہے، لہذا تقسیم میں ضرب کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ والدین میں سے ہر ایک کو چھ میں سے ایک ایک اور بیٹیوں میں سے ہر ایک کو دو دو آگئے۔



والثانی: ان انکسر علی طائفة واحدة ولكن بین سهامهم ورنوسهم موافقة فیضرب وفق عدد رؤس من انکسرات علیهم السهام فی اصل المسئلة وعولها ان كانت عائلة کابوین وعشر بنات او زوج و ابوین وست بنات

”القاعدة الثانية.....“

دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی فریق کا حصہ اس کے افراد پر بلا کسر تقسیم نہ ہوتا ہو تو پھر دیکھا جائے گا آیا ان کے حصے اور ان کے رؤس میں نسبت موافقہ کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر ان کے رؤس کی تعداد کے وفق کو اصل مسئلہ میں یا اس کے عول میں (اگر مسئلہ عولیہ ہے) تو ضرب دی جائے گی، حاصل ضرب سے یقیناً ترکہ کی تقسیم ہر فریق میں درست ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے جس فریق کو جو کچھ ملتا ہے اسے مضروب میں ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا، علیٰ ہذا القیاس پھر جو کچھ حاصل ضرب سے فریق کو ملے اسے اس فریق کے افراد پر تقسیم کر دیا جائے تو تقسیم افراد پر بھی صحیح ثابت ہوگی۔ جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے والدین اور دس بیٹیاں چھوڑ جائے تو اصل مسئلہ کی تاصیل ”۲“ سے ہوگی جس میں سے والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا، جو ان کے رؤس کے مطابق پورا پورا ہے، تقسیم میں کوئی رکاوٹ اور خلل نہیں، لیکن دس بیٹیوں کو دو ثلث ”۳“ ملیں گے جو ان پر پورے پورے بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتے، لہذا ان کے حصے ”۴“ اور ان کے رؤس ”۱۰“ میں نسبت موافقہ بالنصف کے باعث نصف رؤس کو اصل مسئلہ ”۲“ میں ضرب دینے سے حصص کی تقسیم صحیح ہوگی۔ مثلاً:

اصل مسئلہ ”۲“ میں

بیٹیوں کے رؤس کے وفق کو ضرب دینے سے ”۳۰=۵x۲“ حاصل ضرب آئے گا پھر اصل مسئلہ میں سے والد کے حصہ (۱/۶) کو مضروب ”۵“ میں ضرب دینے سے اس کا حصہ تیس میں سے ”۵“ آئے گا، اسی طرح والدہ کا ”۵“ لڑکیوں کو چونکہ اصل مسئلہ سے ”۳“ ملے تھے لہذا ”۵“ مضروب سے ضرب دینے پر بیس = ۲۰۔ ان کا حصہ آئے گا جسے دس لڑکیوں پر تقسیم کرنے سے ہر ایک کے حصے میں دو دو آئیں گے۔

اور اگر مسئلہ عولیہ ہے تو پھر رؤس کے وفق کو مسئلہ عولیہ میں ضرب دی جائے گی، بعدہ حاصل ضرب سے تمام فریقوں کے حصص کی تقسیم ہوگی۔ جس فریق کو اصل مسئلہ عولیہ سے جو کچھ ملا ہو گا اسے رؤس کے وفق سے ضرب دینے پر اس کا حصہ نکل آئے گا جو اس فریق میں پورا پورا تقسیم ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس، جیسے کوئی متوفاة اپنے پیچھے خاوند، والدین اور چھ بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل۔ خاوند کے لئے = ربع، والدین کے لئے = سدس، اور بیٹیوں کے لئے = ثلثان جمع ہونے پر۔ ”۱۲“ سے ہوگی۔

اصل مسئلہ ”۱۲“ سے

ورثاء	حصص	سبب
زوج کو	ربع (۳)	علی سبیل الفرضیہ
والدین کو	سدسان (۴)	علی سبیل الفرضیہ
بنات ستہ کو	ثلثان (۸)	علی سبیل الفرضیہ

مسئلہ کی تاصیل گو ”۱۲“ سے ہے لیکن ترکہ کی تقسیم ”۱۵“ سے کم میں ممکن نہیں لہذا یہ مسئلہ ”۱۵“ تک عول کرنے سے ہی درست ہو گا۔ اب خاوند اور والدین کے حصے کی تقسیم تو ان پر درست ہے لیکن چھ بیٹیوں پر ان کے حصہ ”۸“ کی تقسیم بلا کسر درست نہیں، لہذا ان کے حصے اور ان کے رؤس میں ”موافقة بالنصف“ کے باعث نصف رؤس کو مسئلہ عولیہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے ترکہ کی تقسیم صحیح اور درست ہوگی۔ مثلاً:

* اصل مسئلہ ”۱۲“ سے، عول کے باعث ”۱۵“ سے، ”توافق بالنصف“ کے باعث بیٹیوں کے نصف رؤس = ۳ کو مسئلہ عولیہ ”۱۵“ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب ”۳۵“ سے ترکہ کی تقسیم صحیح ہوگی۔

* بیٹیوں کو مسئلہ عولیہ سے ”۸“ آئے تھے جنہیں مضروب۔ یعنی بیٹیوں کے رؤس کے وفق ”۳“ میں ضرب دینے سے ”۲۴“ حاصل ہوئے۔ لہذا یہ چوبیس حصص ”۳۵“ میں سے بیٹیوں کا حصہ ہو گا جو ان میں چار چار کی تعداد میں برابر تقسیم ہو گا۔

* خاوند کو اصل مسئلہ سے ”۳“ ملے تھے مضروب ”۳“ میں ضرب دینے سے ”۳۵“

میں سے ”۹“ ملیں گے۔

* والدین کو اصل مسئلہ سے ”۴“ مضروب ”۳“ میں ضرب دینے سے انہیں ”۱۲“ ملیں گے، جو ان میں ”۶“ ”۶“ ”۶“ برابر تقسیم ہوں گے، لہذا.....:

”۹“	خاوند کو =	”۴۵“ میں سے
”۱۲“	والدین کو =	”۴۵“ میں سے
”۲۴“	بیٹیوں کو =	”۴۵“ میں سے
”۴۵“	میزان	



والثالث: ان لاتكون بين سهامهم و رؤوسهم موافقة، فيضرب كل عدد رؤوس من انكسرت عليهم السهام فى اصل المسئلة، وعولها ان كانت عائلة كاب وام وخمس بنات، او زوج وخمس اخوات لاب وام

”القاعدة الثالثة.....“

قاعدہ ثالثہ یہ ہے کہ اگر کسی فریق کے حصہ اور ان کے رؤس میں نسبت موافقہ کی نہ ہو۔ بلکہ مباينۃ ہو۔ تو پھر ان کے تمام عدد رؤس کو اصل مسئلہ یا مسئلہ عولیہ میں۔ اگر عولیہ ہے تو۔ ضرب دے کر حاصل ضرب سے ورثاء کے حصص کی تقسیم کی جائے گی۔ جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے ماں، باپ اور پانچ بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل ”۲“ سے ہوگی، کیونکہ والدین کا سدس اور سدس، نیز بیٹیوں کے ثلثان جمع ہونے پر مسئلہ کی بنیاد ”۲“ سے ہی ہو سکتی ہے، لہذا

اصل مسئلہ ”۲“ سے

ورثاء	حصص	سبب
والد کو	سدس (۱)	على سبيل الفرضية
والدہ کو	سدس (۱)	على سبيل الفرضية
۵ بیٹیوں کو	ثلثان (۳/۲)	على سبيل الفرضية ملیں گے

والدین کو تو ”6“ میں سے ایک ایک پورا مل گیا، لیکن 5 بیٹیوں پر چار پورے تقسیم نہیں ہوتے، لہذا ان کے حصے اور رؤس میں مباينۃ کے باعث رؤس کی تعداد کو اصل مسئلہ ”6“ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب ”30“ آئے گا اس سے ورثاء میں وراثت کی تقسیم صحیح ہوگی۔

اصل مسئلہ ”6“ سے والد کو (1/6) ملا جسے مضروب ”5“ میں ضرب دینے سے تمیں میں سے اس کا حصہ ”5=5x1“ ایسے ہی والدہ کو بھی (5=5x1) بیٹیوں کے حصہ 4 کو مضروب میں ضرب دینے سے ان کا حصہ (20=5x4)

اب 5 بیٹیوں پر ”20“ کو تقسیم کرنے سے ہر ایک کو چار چار کا حصہ آیا۔

ایسے ہی اگر مسئلہ عولیہ ہو تو مبیانہ کی صورت میں جمیع تعداد رؤس کو مسئلہ عولیہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ جیسے اگر متوفاۃ خاوند اور پانچ یعنی بنیں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل بوجہ خاوند کے نصف اور بہنوں کے ثلثان جمع ہو جانے سے ”۶“ سے ہی ہوگی۔

اصل مسئلہ (۶) عول۔ (۷)

ورثاء	حصص	سبب
زوج کو	نصف (۳)	علی سبیل الفرضیۃ
یعنی بہنوں کو	ثلثان (۴/۳)	علی سبیل الفرضیۃ

مسئلہ ”۶“ سے تشکیل پاکر ”۷“ تک عول کر گیا، لیکن اس کے باوجود ”۵“ بہنوں کے حصہ میں ”۴“ آئے وہ ان پر صحیح تقسیم نہیں ہوتے لہذا ان کے رؤس اور حصے میں مبیانہ کے باعث تمام رؤس کو مسئلہ عولیہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب ”۳۵“ کی تعداد میں آئے گا، اس سے ورثاء کے حصص کی تصحیح ممکن ہوگی، لہذا خاوند کو اصل مسئلہ سے جو تین ملے مضروب میں ضرب دینے سے $15=5 \times 3$ حاصل ہوں گے۔ بہنوں کو اصل مسئلہ سے ”۴“ ملے، مضروب میں ضرب سے $20=5 \times 4$ حاصل ہوں گے۔ میزان $35=$ خاوند کے لئے 35 میں سے ”15“ ہوئے اور ”5“ بہنوں کے لئے ”20“ ہوئے جو ہر بہن کو چار چار کے حصے کی صورت میں برابر برابر آئیں گے۔

بعض نسخوں میں اصل ثالث کی غیر عائلہ کے متعلق مثال ”کاب‘ وام‘ وخمس بنات“ موجود نہیں۔ ”شرح شریفیہ“ میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ بلکہ صاحب ”شریفیہ“ نے اپنی طرف سے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے ماتن کے نہ بیان کرنے کی یہ توجیہ بیان کی ہے:

”وقد یقال ذکر المصنف ہنھا اصل المسئلۃ وحدها واورد المثل من العول

وحده‘ تنبیہا علی ان المسئلۃ وعولہا معاً صار بمنزلۃ اصل المسئلۃ فی ان

عدد الرؤس یضرب فیہا کما یضرب فی اصلہا“

یعنی بعض اہل علم نے یہاں مسئلہ غیر عائلہ کی مثال نہ بیان کرنے اور عائلہ کی بیان کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ ماتن اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ سهام اور رؤس

میں مبانہ کی صورت میں جیسے رؤوس کو اصل مسئلہ میں تصحیح کے لئے ضرب دی جاتی ہے ویسے اصل مسئلہ بمع عول میں بھی تصحیح کے لئے ضرب دی جاتی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان دونوں مسائل کے عمل میں کوئی فرق ہے۔ بلکہ دونوں میں طریق عمل ایک جیسا ہے۔

غیر عائلہ کی مثال جو شارح نے بیان کی: ”ماتت عن زوج‘ وثلث اخوات لام“ ظاہر ہے زوج کے نصف‘ جدہ کے سدس اور اخوات کے ثلث کے پیش نظر مسئلہ کی تشکیل و تاسیل ”۶“ سے ہی ہوگی جس میں سے زوج کو ”۳“ جدہ کو ”۲“ اور ۳ اخوات لام کو ”۲“ حصہ میں آئیں گے۔ لیکن ۳ اخوات لام پر ان کا حصہ ۲ مستقیم تقسیم نہیں۔ لہذا رؤوس اور سهام میں مبانہ کے باعث جمیع رؤوس کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر $18=6 \times 3$ حاصل ضرب سے تصحیح کر لی جائے گی۔ اصل مسئلہ سے جو کچھ کسی کو ملا اسے مضروب ۳ میں ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا زوج کو $9=3 \times 3$ جدہ کو $3=3 \times 1$ ۳ اخوات لام کو $6=3 \times 2$ ہر ایک کو دو دو حصہ میں آئیں گے۔

”وجہ الحصر“

اصول ثلاثہ (جن کا تعلق سهام و رؤوس سے ہے) کی وجہ حصر یہ ہے۔ اگر سهام و رشاء پر مستقیم ہوں تو یہ اصل اول ہے۔ اور اگر مستقیم نہ ہوں‘ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ سهام ایک طائفۃ و رشاء پر منکسر ہوں گے یا زیادہ پر۔ اگر زیادہ پر منکسر ہیں تو اس کا تعلق ان چار اصول سے ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اور اگر طائفۃ (فریق) پر منکسر ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اس فریق کے سهام اور اس کے رؤوس میں نسبت موافقت کی ہے یا نہیں۔ پہلی صورت اصل ثانی کی ہے اور دوسری اصل ثالث کی۔



واما الاربعة: فاحدها: ان يكون الكسر على طائفتين او اكثر، ولكن بين اعداد رؤسهم مماثلة، فالحكم فيها ان يضرب احدا لاعداد في اصل المسئلة، مثل ست بنات وثلاث جدات وثلاثة اعمام

وہ چار قواعد وضوابط جن کا تعلق رؤس اور بعض دوسرے رؤس سے ہے، ان میں پہلا ضابطہ یہ ہے:

(۱) اگر کسر ورثاء میں سے دو یا دو سے زیادہ فریقوں پر لازم آتی ہو اور ان کے رؤس کی تعداد میں نسبت ”مماثلۃ“ ہو تو پھر ایسی صورت میں ایک فریق کے رؤس کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے بحسب سابق ورثاء کے حصص کی تصحیح ہوگی۔ جیسے کوئی متوفی 6 بیٹیاں، 3 دادیاں اور 3 چچے چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل بوجہ / ثلثان اور سدس کے جمع ہو جانے پر ”6“ سے ہی ہوگی۔

اصل مسئلہ ”۶“ سے

۶ بیٹیوں کو	ثلثان =	”۳“
۳ دادیوں کو	سدس =	”۲“
۳ چچوں کو	ما بقی	”۱“
	میزان =	”۶“

اب کسی فریق پر بھی ان کا حصہ پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا نہ دادیوں پر اور نہ ہی چچوں پر اور نہ ہی بیٹیوں پر لیکن بیٹیوں کے رؤس اور ان کے حصہ میں نسبت ”توافق بالنصف“ کے باعث ان کے رؤس کی تعداد بھی نصف رہ جائے گی، لہذا توافق کے باعث یوں سمجھئے کہ ۳ بیٹیاں، ۳ دادیاں اور ۳ چچے رہ گئے جن کے درمیان نسبت تماثل کی ہے؟ لہذا ایک فریق کے رؤس کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے $18 = 3 \times 6$ حاصل ہوئے۔ اب اصل مسئلہ 6 سے بیٹیوں کے حصہ 4 کو مضروب 3 میں ضرب دینے سے 18 میں سے بارہ آئے جن کو 6 بیٹیوں پر دو دو کے حصص میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ دادیوں کو ایک

آیا تھا مضروب 3 میں ضرب دینے سے حاصل ضرب 3 آیا جو ایک ایک کی صورت میں ان میں تقسیم ہو گا۔ باقی چچوں کو ایک ملا تھا جسے مضروب میں ضرب دینے سے انہیں بھی 18 میں سے تین آئے جو ان میں ایک ایک تقسیم ہو گا۔

اصل مسئلہ ”۶“ تصحیح ”۱۸“ سے

۴ بیٹیوں کو	$12=3 \times 4$	ہر ایک کو (۳)
۳ دایوں کو	$3=3 \times 1$	ہر ایک کو (۱)
۳ چچوں کو	$3=3 \times 1$	ہر ایک کو (۱)
میزان =	18	



www.KitaboSunnat.com

والثانی: ان یکون بعض الاعداد متداخلاً فی البعض، فالحکم فیہا ان یضرب اکثر الاعداد فی اصل المسئله، مثل اربع زوجات وثلاث جدات واثناعشر عمًا۔

(۲) دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ ورثاء میں سے بعض اعداد رؤوس جن کے حصص منکسر ہوں بعض دوسرے اعداد رؤوس میں متداخل ہوں تو ان میں سے اکثر عدد رؤوس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی۔ جیسے کسی متوفی کی ۴ بیویاں، ۳ دادیاں اور بارہ چچے ہوں تو ربع اور سدس کے جمع ہو جانے پر مسئلہ کی بنیاد ۱۲ سے ہوگی۔

اصل مسئلہ ۱۲ سے

۴ بیویوں کو	ربع =	”۴“
۳ دادیوں کو	سدس =	”۳“
۱۲ چچوں کو	باقی =	”۷“
	میزان =	۱۲

لیکن ہر فریق کا حصہ ان پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو رہا اور ان کے حصوں اور رؤوس میں بھی مباہنتہ ہے، نیز بیویوں اور دادیوں کے رؤوس ۱۲ چچوں کے رؤوس میں متداخل ہیں، لہذا اکثر رؤوس کے فریق کو یعنی ۱۲ کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تقسیم درست ہوگی، لہذا $12 \times 12 = 144$ سے حصص کی تقسیم صحیح ہوگی۔

اصل مسئلہ ۱۲ سے

۳۶=۱۲x۳ ۴ بیویوں کو ربع ۳ آئے جنہیں مضروب ۱۲ میں ضرب دینے سے حاصل ہوئے۔

۲۴=۱۲x۲ ۳ دادیوں کو سدس میں ۲ آئے مضروب میں ضرب دینے سے انہیں حاصل ہوئے۔

۸۴=۱۲x۷ ۱۲ چچوں کو مابقی ۷ آئے جنہیں اب حاصل ہوئے۔

المجموع = ۱۴۴

اب ہر فریق کا حصہ ان پر پورا پورا تقسیم ہو سکتا ہے۔ بیویوں میں سے ہر ایک کو ”۳۶“ میں سے نو نو‘ دادیوں میں سے ہر ایک کو ”۲۴“ میں سے آٹھ آٹھ‘ چچوں میں سے ہر ایک کو ”۸۴“ میں سے سات سات۔



والثالث: ان يوافق بعض الاعداد بعضاً فالحكم فيها ان يضرب وفق احد الاعداد في جميع الثاني ثم ما بلغ في وفق الثالث ان وافق المبلغ الثالث والا فالمبلغ في جميع الثالث ثم المبلغ في الرابع كذلك ثم المبلغ في اصل المسئلة كاربعة زوجات وثمانى عشر بنتاً وخمس عشرة جددة وستة اعمام

(۳) تیسرا ضابطہ ... اگر بعض عدد روؤس جن پر ان کے حصص پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے بعض دوسروں سے نسبت موافقت کی رکھتے ہوں تو پھر ان کا ضابطہ یہ ہے کہ ایک فریق کے عدد کے وفق کو دوسرے فریق کے جمع عدد میں ضرب دی جائے گی پھر جو مبلغ ”حاصل ضرب آئے“ اسے فریق ثالث کے وفق میں۔ اگر نسبت توافق کی ہو۔ نہیں تو پھر جمع تعداد ثالث میں، پھر جو حاصل ضرب آئے اسے چوتھے فریق کے عدد کے وفق میں۔ اگر وفق ہو۔ نہیں تو جمع رابع میں پھر جو مبلغ ”حاصل ضرب“ آئے اسے اصل مسئلہ میں، ایسے جو مبلغ حاصل ہو گا اس سے ورثاء کے حصص کی تقسیم صحیح ہوگی۔ جیسے متونی اپنے پیچھے ۴ بیویاں، ۱۸ بیٹیاں، ۱۵ دادیاں اور ۶ چچے چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل بوجہ شن، ثلثان اور سدس کے جمع ہو جانے پر ”۲۴“ سے ہو گی۔

اصل مسئلہ ”۲۴“

۴ بیویوں کو	= ثمن	۴
۱۸ بیٹیوں کو	= ثلثان	۱۲
۱۵ دادیوں کو	= سدس	۴
۶ چچوں کو	= مابقی	۱ ملے گا

اب ”۴“ بیویوں کو جو ”۴“ ملے وہ ان پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے اور ان کے درمیان نسبت بھی مباہینہ کی ہے، لہذا ”۴“ بیویوں کے ”۴“ روؤس ہی حساب میں برقرار رہیں گے۔ ”۱۸“ بیٹیوں کو ”۱۲“ حصص ملے جن میں نسبت توافق بالنصف کی ہے، لہذا بیٹیوں کے روؤس ”۱۸“ کی بجائے نصف یعنی ”۹“ حساب کی تصحیح میں شمار ہوں گے۔ ”۱۵“

دادیوں کو سدس "۴" ملے جن میں نسبت مہینہ کی ہے، لہذا دادیوں کے رؤوس "۱۵" ہی محفوظ رہیں گے۔ "۶" چچوں کو مابقی ایک ملا اس میں بھی نسبت مہینہ کے باعث ان کے رؤوس کی تعداد "۶" ہی برقرار رہے گی، لہذا اب جمع فریق کے رؤوس کی تعداد حسب ذیل ہوگی، جسے آگے تصحیح کے عمل میں مد نظر رکھا جائے گا۔

[بیویاں = "۴"]

[بیٹیاں = "۹" توافق بالنصف کے باعث]

[دادیاں = "۱۵" اور

[چچے = "۶"]

یعنی علی الترتیب ۴، ۶، ۹، ۱۵ رؤوس کی تعداد سامنے آئی۔

اب ان چار فریقوں کے درمیان نسبت کو دیکھا جائے گا، جہاں کہیں دو فریقوں میں نسبت توافق کی ہوگی وہاں ایک کے وفق کو دوسرے فریق کی جمع تعداد میں ضرب دی جائے گی اور جہاں کہیں نسبت تباین کی ہوگی وہاں پر پہلے فریق کی جمع تعداد کو دوسرے کی جمع تعداد میں، پھر حاصل ضرب کی نسبت کو فریق ثالث کی تعداد سے دیکھا جائے گا، اگر ان میں بھی نسبت توافق کی ہو پھر ایک کے وفق کو جمع دوسرے میں، نہیں تو پھر تباین کی صورت میں جمع تعداد کو جمع تعداد میں پھر یہی عمل رابع اور خامس فریق سے ضرب دینے میں ہوگا، بالآخر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تمام ورثاء کی تصحیح ہوگی۔ مثلاً:

ان ہی سابقہ فریقوں میں "۴" بیویاں، اور "۶" چچوں میں نسبت توافق بالنصف کی ہے، لہذا ایک کے نصف کو جمع ثانی میں ضرب دی جائے گی، لہذا "۱۲" جو حاصل ضرب ہوگا پھر اس میں اور "۹" بیٹیوں میں نسبت توافق بالثلث کی ہے، لہذا ایک کے ثلث کو جمع ثانی میں ضرب دینے سے "۳۶" کی تعداد حاصل ہوگی پھر اس میں اور "۱۵" دادیوں میں بھی نسبت توافق بالثلث ہی کی ہے، لہذا ایک کے ثلث کو جمع ثانی میں ضرب دینے سے "۱۸۰" کی تعداد حاصل ہوگی، پھر اسے اصل مسئلہ "۲۴" میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب "۴۳۲۰" آئے گا اس سے ورثاء کے حصص کی تقسیم صحیح حاصل ہوگی۔

مثلاً: "۴" بیویوں کو اصل مسئلہ "۲۴" سے ثمن "۴" ملے، مضروب "۱۸۰" میں ضرب

دینے سے انہیں ”۵۴۰“ ملے۔

ایسے ہی ”۱۸“ بیٹیوں کو ثلثان ”۱۲“ ملے تھے، مضروب ”۱۸۰“ میں ضرب دینے سے ”۲۸۸۰“ انہیں حاصل ہوئے۔

”۱۵“ دادیوں کو ”۴“ ملے تھے جنہیں ”۱۸۰“ میں ضرب دینے سے ”۷۲۰“ حاصل ہوئے۔

اور ”۶“ چچوں کو ایک ملا تھا، لہذا ”۱۸۰“ میں ضرب دینے سے انہیں ”۱۸۰“ حاصل ہوئے۔ اب اگر ہر فریق کے حصے کو دیکھا جائے تو اس کا حصہ اس پر پورا پورا تقسیم ہوگا جیسے

۱۳۵ =	میں سے ہر ایک کو	۴ بیویوں پر ”۵۴۰“
۱۲۰ =	میں سے ہر ایک کو	۱۸ بیٹیوں پر ”۲۸۸۰“
۴۸ =	میں سے ہر ایک کو	۱۵ دادیوں پر ”۷۲۰“
۳۰ =	میں سے ہر ایک کو	۶ چچوں پر ”۱۸۰“



والرابع: ان تكون الاعداد متباينة لايوافق بعضها بعضًا فالحكم فيها: ان يضرب احد الاعداد في جميع الثاني، ثم ما بلغ في جميع الثالث، ثم ما بلغ في جميع الرابع، ثم ما اجتمع في اصل المسئلة: كأمراتين وست جدات وعشر بنات وسبعة اعمام

(۴) چوتھا ضابطہ اگر تمام ورثاء کے فرقوں میں جن پر ان کے سهام منکسر ہوں نسبت بتاین کی ہو تو پھر اس چوتھے ضابطہ کی رو سے ایک فریق کے اعداد رؤوس کو جمع فریق ثانی میں ضرب دی جائے گی پھر حاصل مبلغ کو فریق ثالث میں پھر حاصل مبلغ کو رابع میں ... الخ۔ پھر آخری حاصل مبلغ کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے ورثاء کے حصص کی تقسیم صحیح ہوگی، جیسے کوئی متونی ”۶“ دادیاں، ”۱۰“ بیٹیاں، ”۷“ چچے اور ”۳“ بیویاں چھوڑ جائے تو اصل مسئلہ کی تشکیل بوجہ ثمن، ثلثان، سدس جمع ہو جانے پر ”۳۳“ سے ہوگی۔ جس میں سے:

۳ =	ثمن	۲ بیویوں کو
۴ =	سدس	۶ دادیوں کو
۱۰ =	ثلثان	۱۰ بیٹیوں کو
۷ = ۱ ملے گا	باقی	۷ چچوں کو

دو بیویوں کو ”۳“ ملے جو ان پر منکسر ہیں اور ان میں نسبت بھی بتاین کی ہے۔ ۶ دادیوں کو ”۴“ ملے جو ان پر منکسر ہیں، لیکن ان میں اور ان کے سهام میں نسبت توافقی بالنصف کی ہے، لہذا دادیاں نصف ”۳“ شمار ہوں گی۔ ۱۰ بیٹیوں کو ”۱۰“ ملے یہ بھی ان پر منکسر ہیں اور نسبت بھی ان میں توافقی بالنصف کی ہے، لہذا ”۱۰“ بیٹیاں بھی نصف ”۵“ ہی شمار ہوں گی۔ ۷ چچوں کو باقی ”۷“ جو ان پر منکسر ہونے کے ساتھ ساتھ متبائن بھی ہے لہذا حساب میں تمام فریقوں کے رؤوس حسب ذیل ہوں گے۔

۲ بیویاں، ۳ دادیاں، ۵ بیٹیاں، اور ۷ چچے۔ اب ان رؤوس میں بھی نسبت بتاین کی ہے۔ لہذا ”۲“ کو ”۳“ میں اور حاصل ضرب کو ”۵“ میں پھر حاصل کو ”۷“ میں، پھر مجموعے

کو اصل مسئلہ ”۲۳“ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔ لہذا $5040 = 24 \times 210 = 7 \times 5 \times 3 \times 2$ اب اصل مسئلہ ”۲۳“ سے جو کچھ کسی کو آتا ہو گا اسے مضروب ”۲۱۰“ میں ضرب دینے سے اس کا حصہ برآمد ہو گا، جو اس فریق پر پورا پورا تقسیم ہو گا۔ مثلاً:

[۲ بیویوں کو ”۲۳“ میں سے ”۳“ ملے، ۲۱۰ میں ضرب دینے سے ۶۳۰ حاصل ہوئے۔]

[۶ دادیوں کو سدس ”۳“ ملے تھے، ۲۱۰ میں ضرب دینے سے ۸۴۰]

[۱۰ بیٹیوں کو ثلثان ”۱۲“ ملے تھے ۲۱۰ میں ضرب دینے سے ۲۳۲۰]

[۷ چچوں کو مابقی ”۱“ ملا ۲۱۰ میں ضرب دینے سے ۲۱۰]

اصول اربعۃ جن کا تعلق مابین الروؤس والروؤس سے ہے ان میں تامل، تداخل، توافق اور تباین چاروں معتبر ہیں۔ لیکن اصول ثلاثہ جن کا تعلق مابین السہام والروؤس سے ہے۔ ان میں تداخل معتبر نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سہام رؤس پر بوجہ کم ہونے کے مستقیم منقسم نہ ہوں تو تداخل اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مردود الی التوافق ہو گا اور اگر منقسم ہوں تو مردود الی التماثل۔ لہذا یہاں تداخل کے بغیر اقسام تین ہی ہوں گی جیسے:

مثال اول:

”ماتت عن زوج وابنین وبنین“ اصل مسئلہ کی تاصیل و تشکیل یہاں بوجہ ربع الزوج ”۴“ سے ہو گی جن میں سے زوج کو ربع ”۱“ اور ”مابقی بین ابنین وبنین“ للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو گا۔ چونکہ دو بیٹے بمنزلہ چار بیٹیوں کے ہیں۔ لہذا بیٹوں اور بیٹیوں کا حصہ ”۳“ ان کی تعداد رؤوس ”۶“ پر بلا کسر منقسم نہیں۔ ہاں ”۳“ اور ”۶“ متوافق بالثلث ضرور ہیں۔ جس کا مخرج ان دونوں متداخل عددوں میں سے اول ہے۔ لہذا رؤوس ستہ کی تعداد کو وفق کی طرف رد کرنے سے جو ”۲“ کی تعداد حاصل ہو گی اسے اصل مسئلہ ”۴“ میں ضرب دینے سے جو حاصل $8 = 4 \times 2$ آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔

زوج کو اصل مسئلہ سے ”۱“ ملا اسے مضروب ”۲“ میں ضرب دینے سے اس کا حصہ $2 = 2 \times 1$ حاصل ہو گا۔ باقی ”۶“ باقی ورثاء پر مستقیم تقسیم ہو رہے ہیں لہذا ان میں تقسیم ہوں گے $1/6 \times 6$ ہر ایک کو ایک۔

مثال الثانی:

”مات الرجل عن ابوين وبنتين“ سدسان اور ثلثان کے باعث مسئلہ کی تاصیل ”۴“ سے ہوگی جس میں سے ابوان کو ”۲“ بنتان کو ”۴“ یہ سهام ان پر ایسے ہی مستقیم منقسم ہیں جیسے تماثل میں۔ لہذا یہ صورت تماثل میں داخ ہوگی یہی وجہ ہے کہ اصول مذکورہ جن کی ترکہ کی تقسیم میں ضرورت پڑتی ہے سات ہوئے نہ کہ آٹھ۔

”تصریح“

”معرفة اصل المسئلة“ تصحیح مسئلہ سے قبل اصل مسئلہ کی معرفت علم الفرائض میں ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اصحاب الحصص کے حصص کا معلوم ہونا ناممکن ہے۔ ہر وارث کو اس کا صحیح کامل حصہ اصل مسئلہ کی معرفت سے ہی مل سکتا ہے۔ لہذا اصل مسئلہ کی معرفت جسے اہل العلم کے ہاں ”تاصیل“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہو ”ہذا“

تحصیل اقل عدد ممکن منہ استخراج سهام کل وارث بلا کسر“ یعنی ایسے اقل عدد کی تعیین جس سے ہر وارث کے سهام کا بلا کسر معلوم کرنا ممکن ہو۔ اصل مسئلہ کی معرفت کے لئے اولاً وراثہ کو دیکھا جاتا ہے اور ان کا وجود تین اقسام سے خالی نہیں:

(۱) تمام عصبات میں سے ہوں گے۔ (۲) تمام ذووا الفروض میں سے ہوں گے۔

(۳) مختلط عصبات اور ذووا الفروض میں سے ہوں گے۔

* القسم الاول:

اگر تمام وراثہ عصبات میں سے ہوں تو اصل مسئلہ کی تاصیل ان کے مذکر ہونے کی صورت میں ان کے رؤوس کی تعداد سے ہوگی جیسے کسی انسان کے اس کی وفات پر آٹھ بیٹے ہوں تو مسئلہ کی تاصیل ”۸“ سے اور اگر دس ہوں تو ”۱۰“ سے ہوگی۔ اگر عصبات میں ذکور واثاث دونوں ہوں تو مذکر ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ کی بنیاد پر دو رؤوس کے برابر شمار ہو گا اور مسئلہ اس صورت میں بھی رؤوس کی تعداد ہی سے تشکیل پائے گا۔ جیسے کوئی انسان تین بیٹے اور تین بیٹیاں اپنی وفات پر چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تاصیل ”۹“ سے ہوگی۔ اور اگر چار بیٹے، تین بیٹیاں ہوں تو مسئلہ کی تاصیل ”۱۱“ سے ہوگی۔ ایسے ہی اگر پانچ بیٹے، تین بیٹیاں اور چار بیٹیاں ہوں تو پھر مسئلہ کی تاصیل ”۱۳“ سے ہوگی۔

* القسم الثانی:

اگر ذوا الفروض سے صاحب فرض ایک وارث ہو تو مسئلہ کی تاصیل اس کے حصہ کے مخرج سے ہوگی جیسے ثلث کی ”۳“ سے اور ربع کی ”۴“ سے۔ اور اگر اصحاب الفروض مختلف حصص کے حق دار ہوں تو پھر مسئلہ کی تاصیل کسی ایسی اقل تعداد سے تجویز کی جائے گی جس سے تمام اصحاب الفروض کے حصص حاصل ہو سکیں جیسے ثلث اور سدس کے جمع ہونے پر ”۴“ سے، ربع اور ثمن کے جمع ہو جانے پر ”۸“ سے اور ربع، سدس اور ثلث کے مجتمع ہو جانے پر ”۱۲“ سے مسائل کی تاصیل ہوگی۔

* القسم الثالث:

اصحاب الفروض اور عصبات کے مخلوط ہونے کی صورت میں قسم ثانی میں بیان کردہ ضابطہ کے مطابق اصل مسئلہ سے اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے تو وہ عصبات کا حق ہوگا اور اگر کچھ نہ بچے پھر وہ محبوب رہیں گے۔ جیسے ذیل کی دو مثالوں سے واضح ہے:

(۱) ”..... مات الرجل عن زوجة وام واخوان لام واخ شقيق“ مسئلہ کی تاصیل ”۱۲“ سے ہوگی جس میں سے

[زوجہ کو ربع ”۳“ لعدم الفرع فرضاً ملے گا]

[ام کو سدس ”۲“ لوجود الاخوان فرضاً ملے گا]

[اخوان لام کو ثلث ”۳“ لعدم الاصل والفرع فرضاً ملے گا]

[یعنی بھائی کو ”۳“ مابقی عصبۃ ملے گا]

(۲) ”..... ماتت المرأة عن زوج وام وعم“ مسئلہ کی تاصیل ”۶“ سے ہوگی جس میں سے

[زوج کو نصف ”۲“ لعدم الفرع فرضاً ملے گا]

[ام کو سدس ”۲“ لعدم الاصل والفرع فرضاً ملے گا]

[ام کو ثلث ”۳“ لعدم الفرع والاخوة فرضاً ملے گا]

[عم محبوب x لعدم مابقی]

پہلی مثال میں یعنی بھائی کو ربع مل گیا اس لئے کہ وہ اصحاب الفروض سے بچ گیا۔

دوسری میں چچا کو کچھ نہ ملا کیونکہ اصحاب الفروض کے حصص سے کچھ بچا ہی نہیں۔
 ”کیفۃ التصحیح.....“ ورثاء میں سے کسی فریق کے سهام من المسئلة اور اس کے
 رؤوس کو دیکھ کر اندازہ کرنا آیا سهام ان پر صحیح تقسیم ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اگر ہو رہے ہوں
 تو فیہا ونعمت، نہیں تو پھر ان میں نسبت موافقت کی ہو تو رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ یا اس
 کے عول میں ضرب دی جائے گی۔ اور اگر نسبت مباينۃ کی ہو تو پھر جمع رؤوس کی تعداد کو
 اصل مسئلہ یا اس کے عول میں دی جائے گی۔

حاصل ضرب اصل مسئلہ کے قائم مقام ہو گا اور اسی کا نام ”تصحیح المسالۃ“ ہے اور وہ
 جزء جسے تصحیح کے لئے اصل مسئلہ یا اس کے عول میں ضرب دی جاتی ہے اسے ”جزء
 السهم“ ”مضروب“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ”مات الرجل عن ثمان بنات وام وعم
 شقيق“ تاویل مسئلہ کی ”۲“ سے ہو گی جس میں سے:

”۸“ بنات کو	”۴“	سہام
ام کو	”۱“	سہم
عم شقيق کو	”۱“	ما بقی عصبۃ

ظاہر ہے سهام البنات ان کی تعداد (رؤوس) پر مستقیم نہیں۔ لیکن ان کے سهام ”۴“
 اور ان کی تعداد رؤوس ”۸“ میں توافق بالربع ہے اور ”۸“ کا ربع ”۲“ ہے اور یہی مضروب
 ”جزء السهم“ کہلاتا ہے۔ جسے اصل مسئلہ ”۲“ میں ضرب دینے سے $12 = 6 \times 2$ جو حاصل
 ضرب آیا اس سے حصص کی تقسیم صحیح ممکن ہوگی۔ لہذا تصحیح سے:

$$[۸ \text{ بنات کو } 8 = 2 \times 4]$$

$$[۲ \text{ ام کو } 2 = 2 \times 1]$$

$$[۲ \text{ عم کو } 2 = 2 \times 1]$$

$$\text{المجموع} = [۱۲]$$

”الغرض من التصحیح“ ورثاء پر ترکات کی تقسیم میں عدل وانصاف کا حصول اور ہر
 وارث کے حصہ کی صحیح مقدار کی معرفت جو علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے۔
 اب غور کیجئے! ہر فریق کا حصہ اس پر پورا پورا تقسیم ہو رہا ہے۔

فَصْلٌ

واذا اردت ان تعرف نصيب كل فريق من التصحيح: فاضرب ما كان لكل فريق من اصل المسئلة فيما ضربته في اصل المسئلة فما حصل كان نصيب ذلك الفريق واذا اردت ان تعرف نصيب كل واحد من آحاد ذلك الفريق: فاقسم ما كان لكل فريق من اصل المسئلة على عدد رؤوسهم ثم اضرب الخارج في المضروب فالحاصل نصيب كل واحد من آحاد ذلك الفريق۔

ووجه آخر، وهو: ان تقسم المضروب على اى فريق شئت، ثم اضرب الخارج في نصيب الفريق الذى قسمت عليهم المضروب، فالحاصل نصيب كل واحد من آحاد ذلك الفريق۔

ووجه آخر، وهو طريق النسبة، وهو الاوضح وهو ان تنسب سهام كل فريق من اصل المسئلة الى عدد رؤوسهم مفرداً ثم تعطى بمثل تلك النسبة من المضروب لكل واحد من آحاد ذلك الفريق۔

فصل: اب بلا عنوان ”فصل“ میں سابقہ ہر فریق کے حصے کے حصول کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں کہ ہر فریق کے حصے کو تصحیح سے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے ہر فریق کو جو کچھ ملا ہو گا اسے مضروب میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا وہ اس فریق کا حصہ من تصحیح ہو گا۔ اور اگر آپ فریق کے ہر فرد کے حصہ کو معلوم کرنا چاہیں تو پھر اس کے معلوم کرنے کے تین طریق ہیں:

- (۱) اول یہ کہ اصل مسئلہ سے جو کچھ فریق کو ملا ہو اسے فریق کے افراد پر تقسیم کر کے ہر فرد کے حصہ کو مضروب میں ضرب دیجئے، ما حاصل اس فرد کا حصہ ہو گا۔
- (۲) طریق ثانی یہ ہے کہ مضروب کو فریق کے افراد پر تقسیم کرنے سے جو کچھ ہر فرد کے حصہ میں آئے اسے اصل مسئلہ سے جو کچھ اس فریق کو مل رہا ہو اس سے ضرب دی جائے، یوں فریق کے ہر فرد کا حصہ معلوم ہو جائے گا۔

- (۳) تیسرا طریق طریق نسبت ہے، جو بالکل واضح ہے، وہ یوں کہ اصل مسئلہ سے جو کچھ فریق کو مل رہا ہے اس کی فریق کے افراد سے نسبت دیکھ لی جائے، پھر اس

نسبت کے مطابق مضروب سے دیا جائے۔

طریق نسبت کو ماتن آسان قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اتنا آسان نہیں حساب کی تو اس میں بھی ضرورت ہوتی ہے۔

تصحیح میں سے ہر ایک فریق کو ملنے والے حصہ میں سے فریق کے ہر فرد کے نصیب کو معلوم کرنے کے لئے صاحب کتاب نے تین طریق بیان کئے ہیں۔

طریق اول:

اس میں اصل مسئلہ سے ہر فریق کے حصہ کو فریق کے افراد پر تقسیم کرنے کے بعد حاصل تقسیم کو مضروب میں ضرب دینے سے فرد کا نصیب من التصحیح معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً: مسئلہ مذکورہ فی المتن قبل الفصل میں اصل مسئلہ ”۲۴“ سے زوجتان کو ثمن ”۳“ حصہ میں آئے جنہیں ان پر تقسیم کرنے سے $1\frac{1}{2} = 2 \div 3$ ہر ایک کے حصہ میں آیا۔ جب اسے مضروب ”جزء السهم“ میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب $315 = 1\frac{1}{2} \times 210$ آئے گا۔ بس یہی ہر ایک زوجہ کا حصہ من التصحیح ہو گا۔

”۱۰“ بنات کو اصل مسئلہ سے ثلثان ”۱۲“ ملے اسے ان کے رؤوس پر تقسیم کرنے سے $1\frac{3}{5} = 10 \div 16$ ہر ایک کے حصہ میں آیا، مضروب میں ضرب دینے سے $336 = 1\frac{3}{5} \times 210$ ہر لڑکی کو تصحیح میں سے ملے گا۔

”۶“ جدات کو اصل مسئلہ سے سدس ”۳“ ملے ان کے رؤوس پر تقسیم کرنے سے $\frac{2}{3} = 6 \div 4$ ہر ایک کے حصہ میں آیا۔ مضروب میں ضرب دینے سے $140 = \frac{2}{3} \times 210$ ہر ایک جدہ کو تصحیح میں سے ملا۔

”۷“ اعمام کو اصل مسئلہ سے مابقی ”۲“ ملا۔ ان کے رؤوس پر تقسیم کرنے سے $\frac{1}{7} = 7 \div 1$ ہر کو حصہ میں آیا۔ مضروب میں ضرب دینے سے $30 = \frac{1}{7} \times 210$ حاصل ضرب ہر ایک چچا کا حصہ من التصحیح ہو گا۔ لہذا یوں ترکہ 5040 کی تصحیح سے ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

۳۱۵	۶۳۰ ہر ایک کو	زوتخان کو تصحیح میں سے
۳۳۶	= ۳۳۶۰	۱۰ بنات کو =
۱۴۰	= ۸۴۰	۶ جدات کو =
۳۰	= ۲۱۰	۷ اعمام کو =
	۵۰۴۰	المجموع

طریق ثانی.....

اس میں مضروب کو افراد فریق پر تقسیم کرنے سے جو حاصل تقسیم آئے اسے اصل مسئلہ سے اس فریق کے حصے میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا وہ اس فرد واحد کا نصیب من التصحیح ہو گا۔ مثلاً: اسی سابقہ مسئلہ میں مضروب 210 کو زوتخان پر تقسیم کرنے سے $210 \div 2 = 105$ حاصل تقسیم آیا جسے اصل مسئلہ سے زوتخان کے حصہ 3 میں ضرب دینے سے $3 \times 105 = 315$ حاصل ضرب آیا۔ بس یہی ہر ایک زوجہ کا حصہ من التصحیح ہو گا۔ ایسے ہی 10 بیٹیوں پر تقسیم کرنے سے $210 \div 10 = 21$ حاصل تقسیم 21 آیا لہذا جب اسے اصل مسئلہ سے بیٹیوں کے حصہ میں ضرب دی جائے گی $21 \times 16 = 336$ تو حاصل ضرب ہر ایک بیٹی کا حصہ من التصحیح ہو گا۔

نیز 6 جدات پر تقسیم کرنے سے $210 \div 6 = 35$ جو حاصل تقسیم آیا اسے ان کے حصہ من المسئلہ میں ضرب دینے سے ہر ایک جدۃ کا حصہ $4 \times 140 = 140$ من التصحیح حاصل ہو گا۔ اور جب آپ مضروب کو اعمام سبعۃ پر تقسیم کریں گے تو حاصل تقسیم $210 \div 7 = 30$ آئے گا۔ جب اسے اصل مسئلہ سے اعمام سبعۃ کے حصہ میں ضرب دی جائے گی $30 \times 1 = 30$ ہر ایک عم کا حصہ من التصحیح حاصل ہو گا۔

تنبیہ

ان دونوں طرق سے فریق کے ہر وارث کا حصہ من التصحیح تو معلوم ہو جاتا ہے لیکن پہلے طریق میں اصل مسئلہ سے حاصل ہونے والے فریق کے حصہ کو افراد فریق پر تقسیم کر کے مضروب میں ضرب دے کر ہر فرد کا حصہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے میں مضروب کو افراد پر تقسیم کر کے فریق کے حصہ میں ضرب دے کر ہر فرد کا حصہ معلوم کیا جاتا ہے۔

طریق ثالث

یہ طریق طریق نسبت ہے۔ اس میں اصل مسئلہ سے جو کچھ کسی فریق کے حصہ میں آتا ہے اس کے اور فریق کے افراد کے درمیان نسبت کو دیکھ کر اس کے مطابق فریق کے ہر فرد کو مضروب سے دیا جاتا ہے۔ مثلاً مسئلہ مذکورہ ہی میں زوجتان کے سهام ثلاثہ کی نسبت ان سے $1\frac{1}{2}$ کی ہے۔ لہذا اسی نسبت کے مطابق جب ان میں سے ہر ایک کو مضروب میں سے دیں گے تو ہر ایک زوجہ کو 315 تصحیح میں سے حاصل ہوں گے۔ اور 10 بیٹیوں کے 16 سهام کی نسبت ان کے رؤوس سے $1\frac{3}{5}$ کی ہے لہذا اسی نسبت کے مطابق جب ہر ایک کو مضروب ملے گا تو ہر ایک بیٹی کو 336 تصحیح سے حصہ میں آئے گا۔

ایسے ہی 6 جدات کے سهام اربعہ کی نسبت ان کے رؤوس سے $\frac{2}{3}$ کی ہے لہذا اسی نسبت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کو مضروب دیا جائے گا تو ہر جدہ کو 140 حصہ میں تصحیح سے ملے گا۔

بچوں کا سهم واحد ان کے رؤوس سبعة سے $\frac{1}{7}$ کی نسبت رکھتا ہے۔ لہذا اسی نسبت کے مطابق مضروب سے ہر ایک بچا کو 30 کا حصہ تصحیح سے وصول ہو گا۔

”فائدہ“

طریق ثالث کو ماتن نے اوضح قرار دیا ہے۔ حالانکہ آسان اور اوضح طریق یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے جو کچھ فریق کے حصہ میں آئے اسے جمیع مضروب میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو افراد پر تقسیم کر دیا جائے تو جو حاصل تقسیم آئے گا وہ اس فریق کے ہر فرد کا حصہ ہو گا۔

امثلة التوضیح لتصحيح المسائل

مثال على المماثلة:

مات عن اربع بنات 'واب' وام' وثلاث بنات ابن-

اصل مسئلہ 6 سے جس میں سے

4	ثلثان	اربع بنات کو
1	سدس	ام کو
1	سدس	ام کو
x لوجود البنات	مجموعات	ثلاث بنات ابن

چونکہ بنات کا حصہ ان پر مستقیم بلا کسر منقسم ہے لہذا یہاں تصحیح کی ضرورت نہیں۔
مثال علی المماثلة بعول:

مات عن ام' واختين لام' واربع اخوات شقيقات

اصل مسئلہ 6 سے اور عول الی 7 جس میں سے

1	سدس	ام کو
2	ثلث	اختان لام کو
4	ثلثان	اربع اخوات کو

چونکہ اختانی اور یعنی بہنوں کی تعداد کے برابر ان کے حصص موجود ہیں لہذا یہاں بھی تصحیح کی ضرورت نہیں۔ ہاں مسئلہ 7 تک عائلتہ ہے۔

مثال علی التوافق:

مات عن ثمان اخوات شقيقات' وام' وعم شقيق

اصل مسئلہ 6 سے جس میں سے

4	ثلثان	8 اخوات شقيقات کو
1	سدس	ام کو
1	مابقی عصبوبہ	عم شقيق کو

اخوات کے سهام اور ان کے رؤوس میں توافق بالربع ہے لہذا ثمانية کا ربع 2 ہے جسے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ لہذا $12=6 \times 2$ کی تصحیح ہے:

8 ہر ایک کو ایک ایک	$=2 \times 4$	اخوات شقیقات کو
2	$=2 \times 1$	ام کو
2	$=2 \times 1$	عم شقیق کو

مثال علی التوافق بالعول:

مات عن زوج‘ وست بنات واربعة اخوة لام

اصل مسئلہ 12 سے بالعول 15 سے‘ جس میں سے		
3	ربع	زوج کو
8	ثلثان	6 بنات کو
4	ثلث	4 اخوة لام کو

4 اخوة پر تو ان کا حصہ مستقیم ہے لیکن 6 بنات پر ان کا حصہ مستقیم نہیں ہاں ان کے حصہ اور ان کے رؤوس میں توافق بالنصف ہے‘ لہذا ان کے نصف رؤوس کو مسئلہ عولیۃ میں ضرب دے کر حاصل ضرب $45=15 \times 3$ سے تصحیح کر لی جائے گی۔ اب تصحیح سے ضابطہ کے مطابق:

9	$=3 \times 3$	زوج کو
24 ہر ایک بیٹی کو 4	$=3 \times 8$	6 بنات کو
12 ہر ایک بھائی کو 3	$=3 \times 4$	4 اخوة لام کو

مثال علی التباين:

مات عن ثلث زوجات وخمس بنات‘ وابوين‘ واخوين شقيقين

اصل مسئلہ 24 اور غول 27 سے، جس میں سے		
3	ثمن	3 زوجات کو
16	ثلثان	5 بنات کو
4	سدس	اب کو
4	سدس	ام کو
x لوجود الفرع	مجبوبان	اخوان

3 زوجات پر تو ان کا حصہ صحیح مستقیم ہے۔ لیکن بنات خمسہ کا حصہ ان پر بلا کسر صحیح منقسم نہیں۔ ہاں ان کے حصہ اور رؤوس میں مبالغہ ہے۔ لہذا تمام رؤوس کو مسئلہ غولیۃ میں ضرب دے کر حاصل ضرب $135 = 27 \times 5$ سے حصص کی تصحیح کر لی جائے گی۔ لہذا تصحیح سے بالضاابطہ

15 ہر ایک کو 5	$= 5 \times 3$	3 زوجات کو
80 ہر ایک کو 16	$= 5 \times 16$	5 بنات کو
20	$= 5 \times 4$	اب کو
20	$= 5 \times 4$	ام کو
لوجود الفرع	مجبوبان	اخوان



فَصْلٌ فِي قِسْمَةِ التَّرَكَاتِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ وَالْغَرَمَاءِ

اذا كان بين التصحيح والتركة مابينة فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في جميع التركة، ثم اقسام المبلغ على التصحيح، مثالة: بنتان، وابوين والتركة سبعة دنانير

واذا كان بين التصحيح والتركة موافقة، فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في وفق التركة، ثم اقسام المبلغ على وفق التصحيح، فالخارج نصيب ذلك الوارث في الوجهين۔

”فصل في قسمة التركات بين الورثة.....“

مسائل تصحیح اور وراثت میں سے ہر فریق کے حصے کی تعیین کے بعد اب مصنف غرماء کے درمیان ترکہ کی تقسیم کو، نیز وراثت کے درمیان تقسیم کو بیان کرنے لگے۔ کہتے ہیں۔ جب تصحیح اور ترکہ کے درمیان مابینہ ہو تو ترکہ کی وراثت پر تقسیم یوں ہوگی کہ تصحیح سے جو کچھ کسی وارث کو مل رہا ہو گا اسے جمیع ترکہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے اسے تصحیح پر تقسیم کر دینے سے اس وارث کا حصہ حاصل ہو جائے گا۔ جیسے کوئی متوفی ماں، باپ اور دو بیٹیاں وارث چھوڑ جانے کے ساتھ 7 دینار ترکہ چھوڑ جائے تو اصل مسئلہ 6 سے تشکیل پائے گا، اگر ترکہ بھی 6 دینار ہوتا تو پھر تقسیم میں کوئی دشواری لاحق نہ ہوتی، لیکن اب جبکہ ترکہ 7 دینار ہے، تو پھر تقسیم بھی بوجہ مابینہ کے قدرے دشوار ہوگی، وہ یوں ...

اصل مسئلہ 6 سے ترکہ 7 دینار

ورثاء	حصص	سبب
ماں	سدس 1	على سبيل الفرضية
باپ	سدس 1	على سبيل الفرضية
بیٹیاں	ثلثان 4	على سبيل الفرضية

ماں اور باپ کے سدس سدس کو جب ترکہ 7 سے ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب بھی 7 ہی آئے گا، جب تصحیح پر اسے تقسیم کیا جائے گا تو $1\frac{1}{6}$ آئے گا جو ماں باپ میں

سے ہر ایک کا حصہ ہو گا۔ ایسے ہی دو بیٹیوں کو 4 ملے، ترکہ میں ضرب دینے سے 28 حاصل ہوئے، اصل مسئلہ 6 یعنی تصحیح پر تقسیم کرنے سے $4\frac{2}{3}$ حاصل ہوئے، جنہیں ماں اور باپ کے حصہ میں جمع کرنے سے $7 = 1\frac{1}{6} + 1\frac{1}{6} + 4\frac{2}{3}$ مکمل تقسیم ہوئے۔

مثالہ الثانی:

جب کوئی متوفاة زوج، ام اختان لاب وام چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 6 سے اور تصحیح بالعول 8 سے ہوگی جس میں سے

زواج کو	ام کو	اور ہر ایک بہن کو
3	1	2.2

اب اگر متوفاة کا جمع ترکہ بالفرض 25 دینا ہو تو اس کے اور تصحیح کے درمیان مبادینہ کے باعث ترکہ سے ہر وارث کا حصہ ضابطہ کے مطابق یوں معلوم کیا جائے گا۔ 8 کی تصحیح سے خاوند کا حصہ 3 ہے جب اسے کل ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کریں گے تو

$$9\frac{3}{8} = \frac{75}{8} = \frac{1 \times 3 \times 25}{8}$$

خاوند کا حصہ ترکہ میں سے حاصل ہو گا ایسے ہی ام کو تصحیح سے ایک ملا لہذا ضابطہ کے

مطابق:

$$3\frac{1}{8} = \frac{25}{8} = \frac{1 \times 25 \times 1}{8}$$

حاصل ہوئے جو ام کا حصہ ترکہ میں سے ہو گا ہر ایک بہن کو تصحیح سے 2.2 ملے لہذا:

$$6\frac{1}{4} = \frac{25}{4} = \frac{1 \times 25 \times 2}{4}$$

حاصل ہوئے جو ترکہ میں سے ہر ایک بہن کا حصہ ہو گا۔ اور دونوں بہنوں کا مجموعہ =

$12\frac{1}{2}$ ہو گا۔ لہذا کل ترکہ 25 میں سے:



9/3/8	زوج کا حصہ =
3/1/8	ام کا حصہ =
12/1/2	دو بہنوں کا حصہ =
25	المجموع =

تنبیہ

خیال رہے ”شرح شریفیہ“ مطبوعہ رحیمیہ میں پہلی مثال کا ذکر نہیں۔ الغرض..... مبادینہ کی صورت میں یوں ترکہ تقسیم ہوگا۔
 اور اگر تصحیح اور ترکہ میں نسبت موافقت کی ہو تو پھر ہر وارث کے حصہ کو ترکہ کے وفق میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اسے تصحیح کے وفق پر تقسیم کرنے سے اس وارث کا حصہ برآمد ہوگا۔ مثلاً... کوئی متوفاة زوج، جدہ، دو عینی بہنیں اور ایک اخیانی بھائی چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل بوجہ نصف سدس، ثلثان اور سدس کے جمع ہو جانے پر 6 سے ہوگی۔

اصل مسئلہ 6 سے عول۔ 9 ترکہ 12 دینار

ورثاء	حصص	سبب
زوج	نصف (3)	’علی سبیل الفرضیة‘
جدہ	سدس (1)	علی سبیل الفرضیة
عینی بہنیں	ثلثان (4)	علی سبیل الفرضیة
اخانی بھائی	سدس (1)	علی سبیل الفرضیة
میزان =	9	

معلوم ہوا کہ مسئلہ 9 تک عول کرے گا، لہذا اس کی تصحیح بھی 9 سے ہی ہوگی۔ اب تصحیح 9 اور ترکہ 12 میں توافق بالثلث ہے، لہذا تقسیم میں ترکہ اور تصحیح کے وفق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں زوج کو اصل مسئلہ سے 3 ملے تھے، جسے ترکہ کے ثلث = 4 میں

ضرب دینے سے 12 حاصل ہوئے، جنہیں تصحیح کے ثلث 3 پر تقسیم کرنے سے خاوند کا حصہ $4 =$ دینار حاصل ہوا۔

یعنی بہنوں کو ثلثان $4 =$ ملے تھے، ترکہ کے وفق $4 =$ میں ضرب دینے سے 16 حاصل ہوئے، جنہیں تصحیح کے وفق 3 پر تقسیم کرنے سے $5\frac{1}{3}$ حاصل ہوئے۔
جدة اور اخیانی بھائی کو ایک ایک ملا تھا، جنہیں سابقہ عمل سے $1\frac{1}{3}$ $1\frac{1}{3}$ ملے گا، لہذا ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی۔

اصل مسئلہ $= 6$ ، تصحیح 9 ترکہ $= 12$ میں سے

4	زوج کو =
5/1/3	یعنی بہنوں کو =
1/1/3	جدة کو =
1/1/3	اور اخیانی بھائی کو =
12	میزان =

مثالہ الثانی:

كما هي في الصورة السابقة التي ذكرت للثباين واذا خلفت زوجاً واماً واختين لاب وام وكان مال الميت خمسين ديناراً۔

اس صورت میں اصل مسئلہ 6 سے تشکیل پاکر 8 تک عول کرتا ہے۔ تصحیح 8 او ترکہ میں توافق بالنصف کے باعث تصحیح سے حصہ زوج 3 کو ترکہ کے توافق بالنصف 25 میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح کے وفق 4 پر تقسیم کرنے سے جو حاصل ہو گا وہ 50 کے ترکہ سے زوج کا حصہ ہو گا جیسے:

$$18 \frac{3}{4} = \frac{75}{4} = \frac{1 \times 3 \times 25}{4}$$

لہذا پونے انیس ترکہ میں سے زوج کو ملیں گے۔ ایسے ہی ام کو تصحیح سے ایک ملا جب مذکور ضابطہ کے مطابق عمل ہو گا:

$$6 \frac{1}{4} = \frac{25}{4} = \frac{1 \times 25 \times 1}{4}$$

تو سوا چھ ترکہ میں سے ام کے حصہ میں آئے گا۔ اور اختان لاب وام میں سے ہر ایک

کو تصحیح سے دو دو ملے ضابطہ کے مطابق: $12 \frac{1}{2} = \frac{25}{2} = \frac{1 \times 25 \times 2}{4}$

ساڑھے بارہ ہر ایک کے حصہ میں آئیں گے۔ لہذا مذکورہ ورثاء کو جمیع ترکہ 50 سے مندرجہ ذیل حصص حصہ میں آئیں گے۔

18/3/4	= زوج
6/1/4	= ام
25	= اختان
50	= میزان

تنبیہ

بعض متون میں ”اذا كان بين التصحيح والتركه مباينة“ کی عبارت بھی موجود نہیں۔ اسی لئے سید شریف صاحب نے دوسری وجہ کی تفتید کے مقابلے میں پہلی وجہ کو علی الاطلاق بلا تفتید ذکر کرنے کو محسوس کرتے ہوئے اطلاق کی یہ علت بیان فرمائی۔

چونکہ پہلی وجہ مماثلت کے علاوہ تباہین، توافق اور تداخل کو شامل ہے۔ لہذا اس کی تفتید کی ضرورت نہ تھی بخلاف وجہ ثانی کے وہ تباہین کے مقابلے میں صرف توافق کے لئے ہی ماتن نے بیان کی ہے لہذا اس کی تفتید بالتوافق ضروری تھی اور اس میں تداخل بھی شریک ہے۔ کیونکہ ”متداخلان فی حکم للمتوافقین“ ہوتے ہیں جیسے 3 اور 12 متداخلان ہونے کے ساتھ ساتھ متوافق بالثلث بھی ہیں۔

پہلی وجہ کے تباہین، توافق اور تداخل کو شامل ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ تصحیح سے ہر وارث کے حصے کو جمیع ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کرنے سے جو حاصل تقسیم آئے گا وہ اس وارث کا حصہ ہو گا خواہ تصحیح اور ترکہ میں مباہینہ ہو یا موافقت یا پھر مداخلت۔ جیسے مثال ثانی فی التوافق میں کسی وارث کے حصہ من تصحیح کو ترکہ کے وفق کی بجائے کل ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو کل تصحیح پر تقسیم کیا جائے تو وارث کے حصہ میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ یہی حال تداخل کا ہے۔ جیسے مثال ثانی میں ترکہ اگر 50 کی بجائے 24 ہو تو تصحیح اور ترکہ میں تداخل بالثلث کے باعث خواہ آپ ثلث کے مخرج 3 کو ہر

ایک وارث کے حصہ سے ضرب دے کر ترکہ سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیں یا وارث کے حصہ کو جمع ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو جمع تصحیح پر تقسیم کر لیں دونوں صورتوں میں حصہ ایک جیسا ہی حاصل ہو گا کوئی فرق نہ آئے گا۔ جیسے ذیل کے ورثاء کی دو شکلوں سے ظاہر ہے۔

ورثاء	زوج	ام	اختان لاب وام
حصص	نصف	سدس	ثلثان

اصل مسئلہ کی تشکیل 6 سے تصحیح 8 سے اور ترکہ 24 دینا

شکل ثانی

$$9 = \frac{1 \times 24 \times 3}{8}$$

زوج

$$3 = \frac{1 \times 24 \times 1}{8}$$

ام

$$12 = \frac{1 \times 24 \times 4}{8}$$

اختان

$$24 =$$

میزان

شکل اول

$$9 = 3 \times 3$$

زوج

$$3 = 3 \times 1$$

ام

$$12 = 3 \times 4$$

اختان

$$24 =$$

میزان

اگر مذکورہ عبارت ”اذا كان بين التصحيح والتركة مبانية“ موجود ہوتی جیسا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے تو ممکن ہے علامہ میں مذکورہ احساس پیدا نہ ہوتا۔



هذا لمعرفة نصيب كل فرد: اما لمعرفة نصيب كل فريق منهم فاضرب ما كان لكل فريق من اصل المسئلة في وفق التركة ثم اقسام المبلغ على وفق المسئلة ان كان بين التركة والمسئلة موافقة وان كان بينهما مباينة فاضرب في كل التركة ثم اقسام الحاصل على جميع المسئلة فالخارج نصيب ذلك الفريق في الوجهين

یہ سابقہ طریق ہر فرد کے حصہ کی معرفت کا ہے۔ اگر آپ مکمل فریق کے حصہ کو معلوم کرنا چاہیں تو پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے تمام فریق کو جو کچھ حصہ میں آئے اسے ترکہ کے وفق میں بشرطیکہ ترکہ کا وفق ہو۔ ضرب دیجئے پھر حاصل ضرب کو مسئلہ کے وفق پر تقسیم کرنے سے مکمل فریق کا حصہ حاصل ہو گا۔ اور اگر ترکہ اور تصحیح میں مباينة ہو تو جو کچھ فریق کو تصحیح سے مل رہا ہو گا اسے تمام ترکہ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب کو جمع مسئلہ پر تقسیم کرنے سے اس فریق کا حصہ حاصل ہو گا۔

مثال الموافقة

”زوج‘ اربع اخوات لاب وام‘ اختان لام“

اصل مسئلہ 6 سے تشکیل پا کر 9 تک عمل کرے گا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔ اگر مسئلہ مذکور میں بالفرض ترکہ 30 دینار ہو تو ترکہ اور تصحیح میں توافق بالثلث ہو گا۔

اب اصل مسئلہ سے ضابطہ کے مطابق خاوند کے حصہ 3 کو ترکہ کے وفق 10 میں ضرب دی جائے گی تو $30 = 3 \times 10$ حاصل ضرب آئے گا جب اسے تصحیح کے وفق 3 پر تقسیم کیا جائے گا $10 = \frac{1 \times 3 \times 10}{3}$ تو حاصل تقسیم 10 حاصل ہو گا لہذا یہ کل ترکہ میں سے خاوند کا حصہ ہو گا۔ ایسے ہی اربع اخوات لاب وام کا حصہ:

$$13 \frac{1}{3} = \frac{1 \times 10 \times 4}{3}$$

ہو گا۔ اور اختان لام کا:

$$6 \frac{2}{3} = \frac{1 \times 10 \times 2}{3}$$

ہو گا۔

ملاحظہ

(۱) موافقت کی صورت میں مکمل فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لئے فریق کے حصہ کو کل

ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو جمع تصحیح پر تقسیم کرنے سے بھی مکمل فریق کا حصہ حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) تداخل کی صورت میں بھی عمل توافق کا سا ہو گا کیونکہ تداخل عملاً حکم توافق میں ہوتا ہے۔

مثال المباینۃ

مثال مذکورہ للموافقة میں اگر ترکہ بالفرض 32 دینار ہو تو پھر ترکہ اور تصحیح میں مباینۃ ہوگی۔ جب زوج کے حصہ 3 کو جمع ترکہ 32 میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو جمع تصحیح پر ضابطہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

تو زوج کا حصہ: $10 \frac{2}{3} = \frac{32}{3} = \frac{1 \times 32 \times 3}{9}$ ترکہ میں سے حاصل ہو گا۔

اور اربع اخوات کو: $14 \frac{2}{9} = \frac{128}{9} = \frac{1 \times 32 \times 4}{9}$ ملے گا۔

اور اختان لام کو: $7 \frac{1}{9} = \frac{64}{9} = \frac{1 \times 32 \times 2}{9}$ حاصل ہو گا۔



اما فی قضاء الديون: فدين كل غريم بمنزلة سهام كل وارث في العمل 'ومجموع الديون بمنزلة التصحيح

متوفی کے ترکہ سے اس کے دیون کی ادائیگی کی صورت یہ ہوگی کہ ہر قرض خواہ کا دین بمرتبہ وارث کے حصہ کے ہو گا اور تمام دیون بمرتبہ تصحیح کے ہوں گے پھر ویسے ہی عمل ہو گا جیسے ترکہ اور تصحیح مسئلہ میں۔

اگر تجنیز و تکفین کے بعد باقی ترکہ سے جمع دیون ادا ہو جائیں تو پھر کوئی اشکال نہ ہو گا۔ بلکہ ہر ایک غریم اپنا اپنا مکمل دین وصول کر سکے گا۔ اور اگر باقی جمع دیون پر پورا نہ ہوتا ہو تو پھر متعدد غراء کے ہوتے ہوئے ہر غریم کے حصہ کی معرفت کا طریق من ترکہ یہ ہو گا۔ کہ ہر غریم کے دین کو بمرتبہ وارث کے سام من تصحیح کے قرار دیا جائے گا اور جمع دیون کو بمرتبہ جمع تصحیح کے سمجھا جائے گا پھر ہر غریم کے حصہ کو ترکہ سے معلوم کرنے کے لئے وہ ہی طریق عمل میں لایا جائے گا جو کسی وارث کا حصہ ترکہ میں سے معلوم کرنے کے لئے تصحیح اور ترکہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی انسان وفات کے وقت اپنے پیچھے 9 دینار بطور ترکہ چھوڑ جاتا ہے جبکہ اس کے غراء میں سے ایک کا اس پر 10 دینار دین ہے۔ اور دوسرے کا 5 دینار۔ دونوں غراء کے دین کو جمع کرنے سے 15 دینار کا مجموعہ دین کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ مجموعہ دین بمنزلہ تصحیح ہو گا۔

اب ترکہ 9 اور تصحیح 15 میں توافق بالثلث کے باعث سابقہ ضابطہ کے مطابق جس غریم کا میت پر دس دینار دین ہے جب اسے ثلث ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح کے وفق پر تقسیم کیا جائے گا تو حاصل تقسیم ترکہ سے اس غریم کا حصہ ہو گا۔ جیسے:

$$6 = \frac{1 \times 3 \times 10}{5}$$

اور جس غریم کا دین میت پر پانچ دینار ہے اسے اسی عمل کے مطابق $3 = \frac{1 \times 3 \times 5}{5}$ ترکہ میں سے بطور حصہ ملے گا۔ یوں $3 + 6 = 9$ کل ترکہ دونوں غراء میں تقسیم ہو گا۔ یعنی جس غریم کا دین دس دینار ہے اسے ترکہ میں سے 6 دینار ملیں گے اور جس کا پانچ دینار اسے ترکہ میں سے 3 دینار ملیں گے۔

اگر بالفرض صورت مذکورہ میں میت کا ترکہ 13 دینار ہو تو ترکہ اور تصحیح میں مہایتہ کے

باعث صاحب العشرہ کے دین کو کل ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو کل تصحیح پر تقسیم کرنے سے اس غریم کا حصہ من ترکہ حاصل ہو گا۔ جیسے:

$$8\frac{2}{3} = \frac{26}{3} = \frac{1 \times 13 \times 10}{15}$$

یہ صاحب العشرہ کا حصہ ہو گا۔ اور صاحب الخمسہ کا حصہ من ترکہ:

$$4\frac{1}{3} = \frac{13}{3} = \frac{1 \times 13 \times 5}{15}$$

لہذا وہ غریم جس کا میت پر دس دینار دین ہے اسے ترکہ مذکورہ سے 10 کی بجائے $8\frac{2}{3}$ دینار ملیں گے۔ اور جس غریم کا دین پانچ دینار ہے اسے 5 کی بجائے ترکہ میں سے $4\frac{1}{3}$ دینار ملیں گے۔

اگر بالفرض صورت مذکورہ میں ترکہ 5 دینار ہو تو ترکہ اور تصحیح میں تداخل کے ساتھ ساتھ توافق بالخص بھی ہو گا کیونکہ متداخلین بالکسر متوافقیں بھی ہوتے ہیں۔

ایسی صورت میں صاحب العشرہ کے دین کو خمس ترکہ یعنی ایک میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو خمس تصحیح یعنی 3 پر تقسیم کرنے سے اس غریم کا حصہ ترکہ سے حاصل ہو گا۔

$$3\frac{1}{3} = \frac{10}{3} = \frac{1 \times 1 \times 10}{3} \quad \text{جیسے:}$$

ایسے ہی صاحب الخمسہ کے دین کو وفق ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح کے وفق پر تقسیم کرنے سے اس کا حصہ حاصل ہو گا۔ جیسے:

$$1\frac{2}{3} = \frac{5}{3} = \frac{1 \times 1 \times 5}{3}$$

”ملاحظہ“

خیال رہے! جیسا کہ گزر چکا ہے، وہ طریق جو مباحینہ میں جاری ہو سکتا ہے وہ موافقت اور مداخلت میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔



وان كان في التركة كسور فابسط التركة والمسألة كليهما. ای: اجعلهما من جنس الكسر ثم قدم فيه ما رسمناه

ترکہ میں کسر نہ ہونے کی صورت میں عمل سابقہ ضابطہ کے مطابق ہو گا اگر کسر موجود ہو تو اس کے مخرج کے مطابق ترکہ اور عدد مسئلہ دونوں کو بسیط کر لیا جائے گا جس کا طریق یہ ہے کہ کل ترکہ کو کسر کے مخرج سے ضرب دے کر حاصل ضرب میں اس کسر کو جمع کر لیا جائے پھر عدد مسئلہ کو کسر کے مخرج سے ضرب دے کر اسے بھی بسیط کر لیا جائے۔ بعدہ دونوں حاصل ضرب میں سابقہ عمل ضرب و تقسیم سے ہر ایک وارث یا غریم کا حصہ معلوم کر لیا جائے۔ مثلاً مسئلہ مذکورہ زوج، ام، اختان لاب وام میں اگر بالفرض ترکہ $25\frac{1}{3}$ دینار ہو تو 25 کو کسر کے مخرج 3 میں ضرب دینے سے $75 = 3 \times 25$ حاصل ہوں گے۔ حاصل ضرب 75 میں کسر کو جمع کرنے سے کل تعداد $76 = 1 + 75$ حاصل ہوگی۔

ایسے ہی مسئلہ مذکور کی تصحیح بالعدل 8 کو کسر کے مخرج 3 سے جب ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب $24 = 3 \times 8$ آئے گا۔ اب یوں سمجھئے جیسا کہ اصل مسئلہ 24 سے اور کل ترکہ 76 ہے۔ لہذا ہر وارث کے حصہ من التصحیح کو کل ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو جب ہم تصحیح پر تقسیم کریں گے تو اس وارث یا غریم کا حصہ حاصل ہو جائے گا۔ مثال مذکورہ میں ورثاء کے حصص مندرجہ ذیل ہوں گے۔

$$9\frac{1}{2} = \frac{19}{2} = \frac{1 \times 76 \times 3}{24} \text{ — زوج کا حصہ من التركة: —}$$

$$3\frac{1}{6} = \frac{19}{6} = \frac{1 \times 76 \times 1}{24} \text{ — ام کا حصہ —}$$

$$12\frac{2}{3} = \frac{38}{3} = \frac{1 \times 76 \times 4}{24} \text{ — اختان لاب وام کا —}$$

$$25\frac{1}{3} = \text{میزان}$$

”تنبیہ“

بعض نسخوں میں ”وان كان في التركة الى اخره“ کی عبارت موجود نہیں۔ اسی لئے بعض شروح میں بھی یہ عبارت مذکور نہیں۔

توضیح

ماتن کی عبارت ”فصل فی قسمة التركات بين الورثة والغرماء“ میں ”واو“ یا تو او کے معنی میں ہے اور یا پھر داد کے بعد غرماء سے قبل لفظ ”بین“ محذوف ہے۔ لہذا اصل عبارت یوں ہوگی: ”قسمة التركات بين الورثة او الغرماء“ یا یوں ”قسمة التركات بين الورثة وبين الغرماء“ یہ اس لئے کہ ترکات کی ورثاء اور غرماء دونوں میں بیک وقت تقسیم مطلوب نہیں کیونکہ ورثاء کا درجہ غرماء کے بعد ہے۔

میت کی تجیز و تکفین سے اگر کچھ بچے گا تو وہ غرماء کے دین کی ادائیگی میں صرف ہو گا اور اگر تجیز و تکفین، قرضہ اور وصیت سے کچھ باقی بچ جائے گا تو وہ ورثاء میں بقدر حصہ تقسیم ہو گا۔ نہیں تو وہ محبوب عن الوراثة رہیں گے۔ اگر تجیز و تکفین کے بعد باقی ترکہ غرماء کے قرض کے لئے کافی ہو تو فیہا و نعمت نہیں تو سابقہ ضابطہ کے مطابق قرض خواہوں کے قرضہ کے تناسب سے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! قسمت التركة میں چار اشیاء کو ملحوظ رکھا جاتا ہے:

(۱) تصحیح (۲) حصۃ الوارث من التصحیح

(۳) ترکۃ المیت (۴) حصۃ الوارث من التركة

پہلی تینوں اشیاء تقسیم ترکہ کے وقت معلوم ہوتی ہیں، جن سے چوتھی غیر معلومہ کو معلوم کیا جاتا ہے یعنی ہر وارث کے حصہ من التصحیح کو جمع ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کرنے سے اس وارث کا حصہ من التركة معلوم ہو گا، جو پہلے معلوم نہ تھا۔

”تصریح“

”تعریف التركة وتقسیمها“ میت کے مال متروک، متاع اور اس کی زمین کو ترکہ سے موسوم کیا جاتا ہے جسے اس کے ورثاء میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے ترکہ کی تقسیم کے دو مشہور طرق مندرجہ ذیل بھی ہیں۔

”طریق الاول“

مال متروک میں سے ایک سہم کی قیمت کو معلوم کر لینے کے بعد جب آپ اسے کسی

بھی وارث کے جمع سهام سے ضرب دیں گے تو حاصل ضرب ترکہ میں سے اس وارث کا حصہ ہو گا۔ مثلاً اگر بالفرض کسی کے اس کی وفات پر ذیل کے ورثاء زوجہ، بنت، ابوان اور ترکہ 240 دینار ہوں تو ہر وارث کے حصہ کو مذکورہ ضابطہ کے مطابق یوں حاصل کیا جائے گا۔ مسئلہ کی تشکیل ثمن، نصف اور سدس کے باعث 24 ہے ہوگی جس میں سے زوجہ کو ثمن، بنت کو نصف، ام کو سدس اور باقی اب کو عصوبہ علی الترتیب 3 - 12 - 4 - 5

اب ترکہ میں سے ایک سهم کی قیمت معلوم کرنے کے لئے جمع ترکہ کو 24 کی تصحیح پر تقسیم کرنے سے اس کی قیمت معلوم ہو جائے گی۔ پھر کسی بھی وارث کے جمع سهام کو اس ایک سهم کی قیمت سے ضرب دے کر آپ اس کا حصہ من ترکہ معلوم کر سکتے ہیں جیسے:

$$10 = \frac{1}{24} \times 240$$

یہ ایک سهم کی قیمت من ترکہ ہوگی۔ لہذا

$$[\text{زوجہ کو} \text{-----} 30 = 10 \times 3 \text{ فرضیہ}]$$

$$[\text{بنت کو} \text{-----} 120 = 10 \times 12 \text{ فرضیہ}]$$

$$[\text{ام کو} \text{-----} 40 = 10 \times 4 \text{ فرضیہ}]$$

$$[\text{اب کو} \text{-----} 50 = 10 \times 5 \text{ عصوبہ}]$$

ترکہ سے حصہ میں آئیں گے۔

$$[\text{المجموع: 240}] \text{-----}$$

مثالہ الثانی

ورثاء = بنات، ابن، ابوان، حقیقی اخوان، ترکہ = 2004

ابوان میں سے ہر ایک کے سدس کے باعث مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی جس میں سے اب کو سدس 1، ام کو سدس 1، باقی بنات اور ابن کو عصوبہ، اخوان محبوب لفرع المیت

$$\text{قیمۃ السهم من التركة: } 334 = \frac{1}{6} \times 2004 \text{ لہذا}$$

334	= 334 x 1	اب کو
334	= 334 x 1	ام کو
1336	= 334 x 4	بنات اور ابن کو

ترکہ میں سے عصبیہ طے گا جو ”للذکر مثل حظ الانثیین“ ان میں تقسیم ہو گا۔ جن میں سے 668 بیٹے کو اور 334 ہر ایک بیٹی کو۔

مثالہ الثالث

ورثاء، زوجہ، اخت شقیقہ، اخوان لام، جدۃ اور ترکہ = 486 زوجہ کے ثمن کے باعث مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہو گی اور تصحیح بالعول 27 سے ہو گی۔ جس میں سے زوجہ کو ثمن 3، اخت شقیقہ کو نصف 12، اخوان لام کو ثلث 8 جدہ کو سدس 4

$$\text{قیمۃ السہم من الترحۃ: } 18 = \frac{1 \times 486}{27} \text{ لہذا}$$

زوجہ کو	$= 18 \times 3$	54 ترکہ میں سے حصہ میں آئیں گے۔
اخت شقیقہ کو	$= 18 \times 12$	216
اخوان لام کو	$= 18 \times 8$	144
جدۃ کو	$= 18 \times 4$	72
المجموع:		486

طریق الثانی:

کسی بھی وارث کے جمیع سهام کو ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ یا اس کی تصحیح پر تقسیم کرنے سے نتیجتاً اس وارث کا حصہ حاصل ہو گا۔ مثلاً: اگر کوئی میت اپنی وفات پر

اپنے پیچھے زوج، ام، بنات، بنت ابن، ابن ابن اور ترکہ 624 دینار چھوڑ جاتا ہے۔ تو ہر وارث کے حصہ کو مذکورہ ضابطہ کے مطابق ترکہ سے اس طرح حاصل کیا جائے گا۔ مسئلہ کی تشکیل زوج کے ربع، ام کے سدس کے باعث 12 سے اور تصحیح بالعول 13 سے ہو گی جس میں سے:

زوج کو ربع	ام کو سدس	بنات کو ثلثان	بنت ابن اور ابن ابن
3	2	8	x محجوب

$$\text{لہذا زوج کو } 144 = \frac{1 \times 624 \times 3}{13} \text{ دینار ترکہ سے حاصل ہوں گے۔}$$

$$\text{ام کو 2} \times 624 \times \frac{1}{13} = 96 \text{ دینار}$$

$$\text{بنان 8} \times 624 \times \frac{1}{13} = 384 \text{ دینار۔}$$

$$\text{المجموع} = 624$$

مثالہ الثانی

زوج، ام، بنت الابن، اخوان شقیقان، ترکہ = 720 دینار زوج کے ربع کے باعث مسئلہ کی تشکیل 12 سے لیکن دو بھائیوں پر ان کا حصہ ایک مستقیم تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ کی تصحیح $2 \times 12 = 24$ سے ممکن ہوگی جس میں سے زوج کو ربع 6، ام کو سدس 4، بنت الابن کو نصف 12، اخوان کو باقی عصبۃ 2 لہذا ضابطہ کے مطابق:

180	زوجہ کو ترکہ میں سے
120	ام کو
360	بنت الابن کو
60	اخوان کو
720	المجموع =

”الدیناریۃ الصغریٰ والكبریٰ“

تقسیم التركات میں اہل العلم کے ہاں مزید دو مسائل ایسے بھی مذکور ہیں جو کافی مشہور ہیں۔ ان میں سے اولیٰ ”الدیناریۃ الصغریٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اور ثانیہ ”الدیناریۃ الکبریٰ“ کے نام سے ”صورة الاولى“

مات رجل وخلف ثلث زوجات، وجدتين وثمان اخوات لاب وام واربع اخوات لام والتركة سبعة عشر دیناراً ربع اور ثلثان کے پیش نظر مسئلہ کی تشکیل 12 ہی سے ہوگی لیکن تصحیح 17 سے ممکن ہوگی جس میں سے زوجات کو ربع 3، جدتان کو سدس 2، اخوات لاب وام کو ثلثان 8، اخوات لام کو ثلث 4، صورت مذکورہ میں تصحیح اور ترکہ میں تماشل کے باعث ترکہ کی تقسیم میں کوئی دشواری نہیں ہر ایک وارث کے حصہ میں ایک ایک دینار کا

علاقائی خالۃ کے دو پوتوں کو 4 ملے جو ان میں 2 - 2 برابر تقسیم ہوں گے۔ اس لحاظ سے علاقائی خال اور خالۃ کے بطن ثالث میں مشترکہ دو نواسوں اور پوتوں کو 5 - 5 حصے نصیب ہوئے جن میں سے 3 - 3 من جتہ الخال اور 2 - 2 من جتہ الخالۃ۔ اور علاقائی خالۃ کی دو نواسیوں کو 2 جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک نصیب ہو گا یوں فریق ام کے 12 حصص ان میں تقسیم ہوں گے۔

پھر یہی مذکور حکم مفصل میت کے اعمام لام، عمت اور احوال و خالات اور ان کی اولاد کے نہ ہونے پر میت کے باپ کے اخیانی چچا، پھوپھی، خالہ اور خال کی طرف نیز میت کی ماں کی پھوپھی، خالۃ، خال اور چچا کی طرف منتقل ہو گا۔

اگر ان میں سے کوئی منفرد ہو گا تو عدم مزاحم کے باعث وہ جمیع ترکہ کا مالک ہو گا اگر کئی ایک جمع ہو جائیں بشرطیکہ چیز قرابت متحد ہو تو پھر ان میں سے جو بھی اقویٰ ہو گا وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا۔ خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔

اگر قرابت میں بھی مساوی ہوں تو پھر ان میں ترکہ "للذکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہو گا۔ اور اگر ان کا چیز قرابت مختلف ہے تو پھر ثلثان $\frac{2}{3}$ قرابت اب کے لئے اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ قرابت ام کے لئے ہو گا۔

اگر میت کے باپ کے اعمام احوال، عمت و خالات میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو پھر ان کی اولاد کی طرف ترکہ منتقل ہو گا۔ جیسے صنف رابع کی اولاد کی طرف ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے باپ کے باپ کے اعمام لام، عمت اور احوال و خالات کی طرف منتقل ہو گا۔ پھر ان کی اولاد کی طرف علیٰ ہذا القیاس۔

"دفع دخل مقدر"

مصنف رحمہ اللہ نے صنف رابع کی اولاد کو علیحدہ فصل میں تتمہ کے طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ فصل اول میں اولاد البنات اور اولاد بنات الابن نیز فصل ثالث میں اولاد الاخوات و بنات الاخوة اور بنو الاخوة لام کے الفاظ عام ہیں جو بلا واسطہ اور بالواسطہ نیچے تک کی اولاد کو شامل ہیں۔

ایسے ہی فصل ثانی میں اجداد الساقطون اور جدات الساقطات کے الفاظ عام ہیں جو اوپر کے اجداد اور جدات کو بھی شامل ہیں۔ لہذا ان کو علیحدہ علیحدہ فصول میں بیان کرنے کی

”ملاحظہ“

اس مسئلہ میں تمام وراثات، عورتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک ترکہ میں سے ملا۔

وایضاً تلقب هذه المسئلة بام الفروج، وام الارامل، وبالسبعة عشرية صورة الثانية:

مات رجل وخلف زوجة، واماً، وبنین، واثنی عشر اخاً شقیفاً، واثناً شقیقة واحدة، والتركة ست مائة دیناراً

ثمن، سدس اور ثلثان کے باعث مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو ثمن، ام کو سدس بنتان کو ثلثان اور 12 حقیقی بھائیوں اور ایک بہن کو مابقی عصوبہ۔ لہذا ترکہ میں سے

[زوجہ کو 75]، [ام کو 100]، [بنتان کو 400]،

[اخوة واخت کو مابقی 25] جن میں سے ہر ایک حقیقی بھائی کو 2 اور حقیقی بہن کو

ایک حصہ میں آئیں گے۔

جمع ترکہ 600 کو مسئلہ کی تصحیح 24 پر تقسیم کرنے سے ایک سہم کی قیمت 25 حاصل ہوئی جب ہم کسی بھی وارث کے سہام کو اس سے ضرب دیں گے تو حاصل ضرب اس کا ترکہ میں سے حصہ ہوگا۔ جیسے 24 کی تصحیح سے:

75	= 25 x 3	زوجہ کو
100	= 25 x 4	ام کے
400 ہر ایک کو 200	= 25 x 16	بنتان کے
25 ہر ایک بھائی کو 2 اور بہن کو ایک	= 25 x 1	اخوة اور
600	المجموع:	اخت کے

مسئلہ ثانیہ، قاضی شریح کے زمانہ میں پیش آیا، جس میں انہوں نے حقیقی بہن کو ایک دینار دیا، اسے کم سمجھتے ہوئے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور شکایت کی کہ قاضی شریح نے مجھے میرا پورا حق نہیں دیا۔

گو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متوفی کے ورثاء کا ذکر نہیں کیا۔
 تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی فطانت و ذکاوت سے متوفی کے ورثاء سمجھ گئے اور اس سے
 کہا شاید تیرے بھائی کے مندرجہ ذیل ورثاء ہوں۔ زوجۃ ام بننان، اثنا عشر اخ شقیق،
 وانت اس کے ”ہاں“ میں جواب دینے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”هَذَا حَقُّكَ لَا يَزِيدُ
 وَلَا يَنْقُصُ“ بس تیرا یہی حق ہے نہ زیادہ اور نہ کم۔
”ملاحظہ“

اس مسئلہ میں ورثاء میں سے بعض اصحاب الفروض میں سے ہیں اور بعض عصباء
 میں سے۔ بعض کو ترکہ میں سے ایک دینار ملا اور بعض کو دو اور بعض کو زیادہ۔
وجہ التسمیہ

پہلے مسئلے میں ورثاء کے حصص دوسرے کی نسبت کم ہیں جبکہ دوسرے میں پہلے کی
 نسبت زیادہ۔ لہذا پہلے کو ”مسئلة الدیناریۃ الصغریٰ“ سے اور دوسرے کو ”مسئلة
 الدیناریۃ الکبریٰ“ سے موسوم کیا گیا ہے۔



فصل فی التَّخَارُج

من صالح علی شیئی من التركة: فاطرح سهامه من التصحيح ثم اقسام ما بقى من التركة علی سهام الباقين، كزوج وام وعم، فصالح الزوج علی ما فی ذمته من المهر وخرج من البين، فتقسم باقى التركة بين الام والعم اثلاثاً بقدر سهامهما سهامان للام وسهم للعم۔

”فصل فی التَّخَارُج.....“

”تخارج“ تفاعل کا مصدر مشتق من الخروج ہے، جس کا لفظ معنی نکل جانے کا ہے فن میراث کی اصطلاح میں اس کا معنی ورثاء میں سے کسی وارث کا باقی ماندہ ورثاء سے حصہ معینہ پر مصالحت کر کے میراث سے خارج ہو جانے کا نام ”تخارج“ ہے۔ ایسی صورت میں مال متروکہ باقی ماندہ ورثاء ہی میں تقسیم ہو گا جس کی وضاحت مصنف یوں کرتے ہیں۔ کہ جو کوئی وارث دوسرے ورثاء سے ترکہ میں سے شے معینہ پر مصالحت کرتے ہوئے میراث سے نکل جائے، تصحیح میں سے اس کے حصہ کو حذف کر دیجئے اور باقی ترکہ کو باقی ماندہ ورثاء کے سهام پر تقسیم کر دیجئے۔ جیسے..... کوئی متوفاة خاوند، ماں اور چچا چھوڑ جائے، تو مسئلہ کی تشکیل لامحالہ 6 سے ہو گی اور حصص کی تقسیم یوں:

اصل مسئلہ (6)

3	نصف	خاوند کو
2	ثلث	ماں کو
1	باقی	چچا کو

لیکن خاوند، مرنے والی کی ماں اور چچا سے کسی حصہ معینہ یا کسی شے یا مہر پر مصالحت کر کے نکل جائے تو باقی ماندہ مال ماں اور چچا میں تین حصوں میں تقسیم ہو گا کیونکہ مسئلہ 6 میں سے ماں کے 2 حصے اور چچا کا ایک حصہ تھا، اب چونکہ یہی دو وارث رہ گئے، لہذا ان کے حصص کے مطابق ان میں ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا، دو حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو۔ زوج کی مصالحت علی المہر کے باوجود اسے ام اور عم کی تصحیح میں کالمعدوم قرار نہ دینے

کی وجہ صرف یہ ہے کہ ماں کا حصہ جمع ترکہ کے ثلث سے کم نہ ہونے پائے کیونکہ صورت مذکورہ میں اس کا حصہ ثلث الکل ہے۔ اگر زوج کو معدوم قرار دے کر باقی ترکہ کو ام اور عم میں تقسیم کیا جائے تو پھر باقی ترکہ ان میں اثلاثاً تقسیم ہو گا جس میں سے ایک ثلث ماں کا اور دو ثلث عصوبہ عم کے ہوں گے اور یہ خلاف اجماع ہے کیونکہ ماں کا حق جمع ترکہ سے ثلث ہے نہ کہ باقی کا ثلث اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب زوج کو بھی مصالحت کے باوجود ام اور عم کی تصحیح میں شامل رکھا جائے۔ کیونکہ اسی صورت میں ماں کا حصہ جو جمع ترکہ کا ثلث ہے باقی کی تقسیم میں بھی برقرار رہ سکتا ہے۔ بصورت دیگر ماں کو چچا کے مقابلے میں نصف آئے گا۔ حالانکہ چچا کا حصہ صورت مذکورہ میں ماں کے حصے سے نصف ہے۔ جیسے ذیل کی صورت سے واضح ہے۔

زوج کو تصحیح میں شمار کرنے سے اصل مسئلہ 6 سے تشکیل پائے گا لہذا

[زوج کو نصف 3]، [ام کو ثلث 2]، [چچا کو باقی عصوبہ 1 ملے گا]

اور اگر شمار نہ کیا جائے تو مسئلہ 3 سے تشکیل پائے گا جس میں سے ام کو باقی کا ثلث 1 اور چچا کو باقی کا باقی ماندہ عصوبہ 2 دیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ دوسری صورت میں چچا کا حصہ سدس سے ثلث ہو جائے گا اور ماں کا حصہ ثلث سے سدس رہ جائے گا۔ یہ ہی خلاف اجماع ہے۔ لہذا ماں کا حصہ جمع ترکہ کے ثلث کو برقرار رکھنے کے لئے زوج کا شمار ام اور عم کی تصحیح میں ضروری ہے۔

اسی طریق پر زوج کی مصالحت سے قبل اور مابعد ام کو جمع کا ثلث یعنی مسئلہ 6 کا ثلث جو چچا کے سدس سے دو گنا ہے مل سکتا ہے۔ اور اگر صورت مذکورہ میں زوج کی جگہ بالفرض عم ترکہ میں سے شے معین پر دوسرے ورثاء سے مصالحت کرتے ہوئے نکل جائے تو مسئلہ کی تشکیل پھر بھی 6 ہی سے ہوگی۔ جب عم کا حصہ بوجہ اس کی مصالحت کے اس سے ختم کر دیا جائے تو باقی حصص 5 رہ جائیں گے جن میں سے 3 زوج کے اور 2 ام کے لہذا باقی ترکہ کو بھی 5 حصص میں تقسیم کر کے 3 حصے زوج کو اور 2 حصے ام کو دیئے جائیں گے۔

اگر بالفرض ام شے معین پر مصالحت کرتے ہوئے نکل جائے تو بھی مسئلہ کی تشکیل 6 ہی سے ہوگی۔ جب اس سے ام کے 2 حصے ختم کر دیئے جائیں تو باقی 4 حصص بچیں گے۔ لہذا باقی ترکہ کو بھی ارباعاً تقسیم کرتے ہوئے 3 زوج کو اور ایک عم کو دیا جائے گا۔

او زوجة واربعة بنين: فصالح احد البنين على شنى وخرج من البين فيقسم باقى التركة على خمسة وعشرين سهاماً للمراة اربعة اسهم ولكل ابن سبعة

دوسری مثال....

یا کوئی متوفی بیوی اور 4 بیٹے چھوڑ جائے تو مسئلہ کی بنیاد بیوی کے ثمن کے باعث 8 سے ہوگی۔

اصل مسئلہ 8 سے

[بیوی کو = 1]، [باقی ماندہ 4 بیٹوں کو علی سبیل العصوبت = 7]

لیکن 7، 4 بیٹوں پر تقسیم نہیں ہوتے، نیز ان کے حصے اور ان کے رؤوس میں مباہنتہ کے باعث تعداد رؤوس کو اصل مسئلہ 8 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب 32 آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی، وہ یوں:

بیوی کو اصل مسئلہ سے ایک ملا تھا، لہذا اسے مضروب 4 میں ضرب دینے سے اس کا حصہ 4 حاصل ہو گا۔ 4 بیٹوں کو باقی 7 ملے تھے مضروب میں ضرب دینے سے 28 حاصل ہوں گے۔

اب چونکہ ایک لڑکے نے باقی بھائیوں سے کسی شئی معینہ پر مصالحت کر لی ہے اور وہ اپنے حصے سے دست بردار ہو چکا ہے، لہذا اس کے حصہ 7 کو تصحیح سے نکال دینے کے بعد باقی ماندہ تصحیح کو ورثاء یعنی بیوی اور 3 بیٹوں پر تقسیم کیا جائے گا، لہذا اب کل حصص 32 کے بجائے 25 قائم کئے جائیں گے، جن کی تقسیم حسب ذیل ہوگی۔ بیوی کو 4، 3 بھائیوں کو = 21 اب 21 کی تقسیم بھی بھائیوں پر ممکن ہے۔ 7 + 7 + 7 کی صورت میں تقسیم کر سکتے ہیں لہذا تخرج کی صورت میں یوں ورثاء یا غراء میں وراثت کی تقسیم عمل میں لائی جائے گی۔

یہ دوسری مثال ”او زوجة واربعة بنين“ کتاب کے بعض نسخوں میں موجود نہیں۔ ”شرح شریفیہ“ میں بھی یہ عبارت مذکورہ نہیں۔ اختصار کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو دوسری مثال کی ضرورت بھی نہیں۔

”تصریح“

جب طرفین مصالحت پر رضا مند ہوں تو اس کے جواز میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی تماضر کلثیہ رضی اللہ عنہا کو مرض موت میں طلاق دے دی۔ ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف کی مطلقہ بیوی حضرت تماضر رضی اللہ عنہا کو دوسری تین بیویوں کے ساتھ ثمن مال میں وارث بنایا۔

حضرت تماضر رضی اللہ عنہا جس ربع ثمن کی مالکہ تھی اس پر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دوسرے ورثاء نے تراسی ہزار درہم یا دینار دے کر مصالحت کر لی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ رقم اس کے ربع ثمن سے کم ہی ہوگی۔ لہذا اگر طرفین یوں تتخارج پر رضا مند ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم اس کے جواز میں اہل علم نے چند شروط بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مصالح کا عاقل ہونا خواہ وہ نابالغ قریب البلوغت ہی ہو لیکن معاملات کو سمجھتا ہو۔

(۲) مصالح عنہ۔ ایسا حق ہو جس کا بدل لینا جائز ہو۔

(۳) مصالح علیہ پر اگر قبضہ ضروری ہو تو اس کا متعین اور معلوم ہونا مصالح علیہ عام ہے کہ وہ از قسم دراہم و دیناتیر ہو یا زیورات یا پھر زمین اور سماں خواہ مصالح علیہ مصالح کے حصہ سے جو اسے تصحیح سے ملتا ہے کم ہو یا زیادہ یا برابر۔ کیونکہ مصالحت میں یہ ضروری نہیں کہ مصالح علیہ مصالح عنہ کے برابر ہو۔ بس مصالحت میں طرفین کی رضامندی چاہئے خواہ وہ کم پر ہی رضا مند ہو جائیں۔

ماتن کے ابتدائی الفاظ ”من صالح علی شینی من التركة“ سے معلوم ہوتا ہے کہ تتخارج میں مال، متروکہ مال سے لینا چاہئے۔ اگر مصالح ورثاء سے مال متروکہ کے علاوہ ان کے دوسرے مال سے وصول کرے تو پھر یہ تتخارج نہ ہو گا بلکہ اپنے حصہ کی بیع ہوگی جس میں بیوع کی شرائط کا خیال ضروری ہوگا۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! جب تتخارج میں مال متروکہ سے مصالح کے لئے وصول کرنا ضروری ہے تو پھر تتخارج اور مصالحت بعض ورثاء کے اعتبار سے درست نہیں بلکہ تمام ورثاء کے اعتبار سے درست ہوگا۔ کیونکہ مال متروکہ میں تمام ورثاء کا حق ہے۔

بَابُ الرَّدِّ

”الرَّدُّ“ ضد ”العول“ ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق له يرد على ذوی الفروض بقدر حقوقهم الا على الزوجين وهو قول عامة الصحابة رضی اللہ عنہم وبہ اخذ اصحابنا رحمہم اللہ وقال زید بن ثابت رضی اللہ عنہ: الفاضل لبیت المال وبہ اخذ مالک والشافعی . رحمہما اللہ . ثم مسائل الباب على اقسام اربعة .

”باب الرد“.....

ترکہ کی تقسیم کے بعد اب مصنف ”رد“ کے مسائل کو بیان کرتے ہیں۔
 ”الرد ضد العول“... ”رد“ ”عول“ کی ضد ہے، کیونکہ ”عول“ سے ذوا الفروض کا حصہ کم اور اصل مسئلہ میں زیادتی پیدا ہوتی ہے، جبکہ ”رد“ سے اصل مسئلہ میں کمی اور اصحاب الفروض کے حصہ میں زیادتی واقع ہوتی ہے۔
 لفظ اس کا معنی ”رجوع“ کے ہیں، جبکہ اہل فن کی اصطلاح میں اس کا معنی ”اصحاب الفروض کے حصص سے بچا کچھا مال عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں اصحاب الفروض النسبیۃ پر لوٹا دینا“ ہے۔

خیال رہے! ”مسئلہ ردیۃ“ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

* احناف کے خیال میں عصبات کے نہ ہونے میں مال کو دوبارہ اصحاب الفروض کے حصص کے مطابق ان پر ہی رد کر دیا جائے گا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام مالک، امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں اصحاب الفروض کے حصص سے بچا کچھا مال ”بیت المال“ میں جمع ہو گا۔

* حضرت عروۃ اور امام زہری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن شافعیہ میں سے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ اگر بیت المال کا وجود نہ ہو تو اصحاب الفروض کے حصص سے زائد مال بھی ان ہی پر بقدر حصص رد کر دیا جائے گا۔ بصورت دیگر بیت المال کو دے دیا جائے گا۔

* حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں زوجین اور جدۃ کے علاوہ باقی ماندہ اصحاب الفروض رد کے مستحق ہوں گے۔

* حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک زوجین بھی رد کے مستحق ہیں۔

”حجۃ المانین“

مانین رد اپنے مسلک کی تائید میں ذیل کے دو دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفروض کے حصص ”یوصیکم اللہ فی اولادکم... الخ“ میں بالنص بیان کر دیئے ہیں لہذا ان پر مزید کسی کا حصہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس سے حد شرعی میں تجاوز لازم آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فرمان ”من یعص اللہ ورسولہ ویتعص حدودہ“ کے خلاف ہے۔ لہذا ان کے مقرر حصہ سے زائد بار رد انہیں دینا تجاوز عن حدود اللہ ہے۔

(۲) نیز اصحاب الفروض کے حصص سے زائد مال ایسا مال ہے جس کا کوئی مستحق نہیں لہذا اس پر حق بیت المال ہی کا ہو گا جیسے اگر متوفی کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو جمیع ترکہ بیت المال کے سپرد کیا جاتا ہے تب ہی اس کے بعض ترکہ کا جب کوئی اصحاب الفروض اور عصباء میں سے مالک نہ ہو گا تو وہ بھی بیت المال کے سپرد کیا جائے گا۔

”حجۃ الجوزین“

صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور احناف ذیل کے اولاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے رد کو جائز قرار دیتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ“ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الفروض بھی صلہ رحم کے باعث متوفی کے جمیع ترکہ کے مستحق ہیں اور یہ استحقاق بار رد ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن آیت الموارث ”یوصیکم اللہ... الخ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے اپنے مقرر حصہ ہی کے مالک ہیں نہ کہ زائد بار رد کے لہذا دونوں آیات پر عمل یوں ممکن ہو گا کہ اصحاب الفروض سے ترکہ نہ بچنے کی صورت میں انہیں صرف ان کے مقررہ حصص ہی آیت الموارث کے مطابق ملیں گے۔ لیکن ترکہ کے بچ جانے کی صورت میں باقی بھی پہلی آیت ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ“ کے مطابق ان پر رد کرنے سے انہیں ملے گا۔

چونکہ آیت ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ... الخ“ سے استحقاق

بالرحم ثابت ہو رہا ہے جس کی بنیاد پر اصحاب الفروض کو بالرد مابقی دیا جاتا ہے لہذا یہ استحقاق جہاں موجود نہ ہو گا وہاں رد بھی نہ ہو گا اسی لئے زوجین کو بوجہ عدم الرحم مابقی سے بالرد نہیں دیا جاتا۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری پر نبی کریم ﷺ ان کی بیمار پر سی کے لئے حاضر ہوتے ہیں تو حضرت سعد آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میری صرف ایک بیٹی ہی وارث ہے تو کیا میں جمع مال کی وصیت نہ کر دوں؟ تو آپ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے نصف کے بارے سوال کیا تو بھی آپ نے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے ثلث مال کی وصیت کی اجازت دی اور ساتھ ہی فرما دیا۔ ”الثلث خیر والثلث کثیر“ (صحیح بخاری) یعنی

ثلث مال کی وصیت بہتر ہے گو یہ بھی اپنی جگہ پر کوئی کم نہیں ہے۔
اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سعد یہ سمجھتے تھے کہ بیٹی بالفرض وبالرد جمع مال کی مالک ہے تب ہی تو وہ آپ سے جمع اور ثانیاً نصف مال کی وصیت کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اگر بیٹی صرف نصف ہی کی مالک ہوتی تو باقی نصف میں اجازت کا کیا معنی؟ اس میں تو حضرت سعد کو تصرف کا حق ہونا چاہئے۔ لیکن آپ نے نصف میں بھی اجازت نہیں دی۔ صرف آپ نے ثلث میں اجازت دی جو ایک بیمار انسان کا حق ہے کہ وہ اتنے میں وصیت کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصحاب الفروض مابقی کے بھی بالرد حق دار ہیں۔

(۳) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے بھی ایک روایت مروی ہے جس میں آپ نے ”ورث الملائعۃ ای جمیع المال من ولدھا“ (ابو داؤد) یعنی ملائعۃ عورت کو آپ نے اس کے بیٹے کی وفات پر اس کی جمع جائیداد کا وارث بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ بلا رد جمع مال کی وارث نہیں ہو سکتی۔

(۴) ایسے ہی حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں: ”انہ قال تحوز المرأة میراث لقیطھا وعتیقھا“ والابن الذی لوعنت بہ“ یعنی عورت اپنے لقیط اور عتیق نیز ملائعۃ اپنے بیٹے کے مال کی مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ان کا کوئی اور وارث ہی نہیں تو پھر ان کے جمع ترکہ کی عورت ہی وارث ہوگی۔

(۵) اصحاب الرد مسئلہ رد کو عقلاً بھی یوں ثابت کرتے ہیں کہ اصحاب الفروض مسلمان ہونے کی صورت میں جمیع اہل اسلام کے ساتھ اسلام میں مساوی شریک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ متوفی کے ترکہ کے ترجیحاً مالک قرابت کی بنیاد پر ہیں۔ یعنی قرابت ہی نے انہیں عام اہل اسلام پر متوفی کے ترکہ میں ملکا ترجیح دی ہے۔ جیسے قرابت الام یعنی بھائیوں کے لئے علاقیتوں پر تقدیم کا سبب ہے۔ یعنی عینیوں کے ہوتے ہوئے علاقیت مجبوع عن الوراثة اس لئے ہیں کہ عینیوں کو ماں کی زائد قرابت حاصل ہے جو علاقیتوں کو نصیب نہیں۔ لہذا جب قرابت اتنی اہم ہے تو پھر کیونکر اسے مسئلہ رد میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اسی لئے بیت المال کی بجائے مالقی ترکہ کو بھی اصحاب الفروض پر ہی رد کر دینا چاہئے۔

بعض اصحاب کا یہ کہنا کہ ”جب اصحاب الفروض سے بچے ہوئے ترکہ کا کوئی مالک نہ ہو تو اسے بیت المال کے سپرد کر دینا چاہئے“ مناسب نہیں۔ کیونکہ جب متوفی کے ترکہ میں ”عامۃ المسلمین“ سے اصحاب الفروض کو ترجیح قرابت کی بنیاد پر ہے تو فرضی حصص سے بچے ہوئے ترکہ میں ”انہیں اسی بنیاد پر بیت المال پر ترجیح کیونکر حاصل نہ ہوگی؟ لہذا“ فیرد علیہم علی قدر انصائبہم“ یعنی دوبارہ مالقی ترکہ اصحاب الفروض کو ان کے حصص کے تناسب سے دے دیا جائے گا۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! جیسے اقرب اور اقویٰ کا اعتبار بعد اور غیر اقویٰ کے لئے حاجب ہے تیسے اقرب کا اعتبار استحقاق الرد میں بھی بعد اور غیر اقویٰ کے لئے حاجب ہے۔

”مسائل الباب“

باب الرد کے مسائل چار اقسام پر مبنی ہیں۔

”وجہ الحصر“

کیونکہ اصحاب الرد یا تو ایک صنف سے ہوں گے یا پھر متعدد اصناف سے ہر دو صورتوں میں ”من لایرد“ موجود ہو گا یا نہیں۔ لہذا چار ہی اقسام حاصل ہوئیں۔

(۱) وجود اصحاب الفروض من صنف واحد مع عدم من لایرد علیہ۔

(۲) وجود اصحاب الفروض من اصناف کثیرہ مع عدم من لایرد علیہ۔

- (۳) وجود اصحاب الفروض من صنف واحد مع من لا یرد علیہ۔
(۴) وجود اصحاب الفروض من اصناف كثيرة مع من لا یرد علیہ۔



احدها: ان يكون في المسئلة جنس واحد ممن يرد عليه عند عدم من لا يرد عليه فاجعل المسئلة من رؤسهم' كما لو ترك بنتين او اختين او جدتين فاجعل المسئلة من اثنتين۔

والثاني: اذا اجتمع في المسئلة جنسان او ثلاثة اجناس ممن يرد عله عند عدم من لا يرد عليه فاجعل المسئلة من سهامهم ۔ اعنى: من اثنتين۔ اذا كان في المسئلة سدسان' او من ثلاثة اذا كان فيها ثلث وسدس' او من اربعة اذا كان فيها نصف وسدس او من خمسة اذا كان فيها ثلثان وسدس او نصف وسدسان او نصف وثلث۔

قسم اول پہلی صورت میں مسئلہ کو اصحاب الرد کے رؤس سے فرض کر کے تمام مال کو ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جیسے: کوئی وفات پانے والا دو بیٹیاں، دو بہنیں یا دو دادیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کو دو سے فرض کرتے ہوئے ان میں نصف و نصف مال کو تقسیم کر دیا جائے گا۔

قسم ثانی دوسری صورت میں اصحاب الرد کے فریقوں کے سام سے مسئلہ تشکیل پا کر جمع متروکہ مال کو ان ہی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً اگر دو سدس جمع ہو جائیں تو مسئلہ دو سے ہی تشکیل پائے گا اور اگر ثلث اور سدس جمع ہو جائیں تو مسئلہ 3 سے اور اگر نصف اور سدس جمع ہو جائیں تو پھر 4 سے مسئلہ کی تشکیل ہوگی۔ جیسے: مرنے والا اپنے پیچھے ایک بیٹی بن اور دو اخیانی بہنیں چھوڑ جائے تو گو مسئلہ 6 سے تشکیل پاتا ہے، لیکن باب الرد میں جب یعنی بن اور دو اخیانی بہنوں کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو تو مسئلہ بجائے 6 کے 5 سے تشکیل پائے گا جس میں سے نصف 3 یعنی بن کو اور ثلث = 2 اخیانی بہنوں کو دے دیئے جائیں گے۔

یعنی دوسری صورت میں جبکہ مسئلہ میں "من لا يرد عليه" کے ہوتے ہوئے "من يرد عليهم" کی دو یا تین اجناس جمع ہوں تو مسئلہ کو ان کے سهام ماخوذة من اصل المسئلة ہی سے وضع کرتے ہوئے ترکہ کو ان پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً:

جب کسی مسئلہ میں صرف دو سدس جمع ہو جائیں جیسے جدہ اور اخت لام تو ان کے سدسان کے پیش نظر اصل مسئلہ 6 سے تشکیل پائے گا کیونکہ کم سے کم تعداد مسئلہ کی تشکیل کے

لئے 6 ہی ہے۔ جس سے سدان حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ ورثاء میں صرف دو ہی ورثاء ہیں جنہیں ایک ایک سدس اصل مسئلہ سے ملتا ہے لہذا رو کے پیش نظر ابتداء ہی مسئلہ 6 کی بجائے 2 سے وضع کرتے ہوئے ان میں نصف و نصف ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ تاکہ تقسیم کا عمل طویل ہونے کے بجائے قصیر ہی رہے۔

اور جب مسئلہ میں ثلث اور سدس جمع ہو جائیں جیسے دو اخیانی بھائی اور ماں۔ تو اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابتداء ہی مسئلہ 6 کی بجائے 3 سے وضع کر لیا جائے گا اور تمام ترکہ کو دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کرتے ہوئے دو حصے اخیانی بھائیوں کو اور ایک حصہ ماں کو دیا جائے گا۔

اور جب مسئلہ میں نصف اور سدس جمع ہو جائیں جیسے بنت اور بنت الابن یا بنت اور ام تو مسئلہ کی تشکیل نصف اور سدس کے باعث 6 سے ہوگی۔ لیکن مسئلہ رویہ میں اس کی تشکیل ابتداءً سهام ماخوذہ سے ہوگی اور وہ چار ہیں تین بیٹی کے اور ایک پوتی یا ماں کا لہذا اگر مسئلہ میں ثلثان اور سدس یا بالنصف اور سدان یا نصف اور ثلث جمع ہو جائیں۔ جیسے بناتان و ام، بنت و بنت ام و ام، اخت لاب و ام و ام علی الترتیب تو مسئلہ ان تین صورتوں میں بھی 6 ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن سهام ماخوذہ ان میں 5 ہیں۔ مثلاً:

صورت اولیٰ میں دو بیٹیوں کے 4 اور ماں کا ایک حصہ ہے لہذا ترکہ کے کل 5 حصے کر لینے کے بعد 4 دو بیٹیوں کو اور ایک ماں کو دے دیا جائے گا۔

صورت ثانیہ میں ورثاء کی تین اجناس مختلف مجتمع ہیں۔ اور ان کے سهام ماخوذہ من مسئلہ الستہ بھی 5 ہی ہیں جن میں سے 3 بیٹی کے 1 اخیانی بہن کا اور 1 ماں کا۔ لہذا ترکہ کے کل 5 حصے بنا کر ان پر ان کے حصص کے مطابق تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

صورت ثالثہ میں بھی سهام ماخوذہ من الستہ 5 ہے۔ یعنی بہن کے 3 اور ماں کے 2۔ لہذا ان پانچ حصص کو اصل مسئلہ قرار دیتے ہوئے جمیع ترکہ کو انہماکاً یعنی بہن اور ماں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

”ما حظہ“

خیال رہے! یوں ترکہ کی تقسیم میں جو آسانی ہے وہ اسے دوبارہ تقسیم کرنے میں نہیں کیونکہ اگر مسئلہ کو سهام ماخوذہ سے تجویز نہ کیا جائے تو باقی کو دوبارہ اصحاب الفروض پر بالرد

ان کے حصص کے مطابق تقسیم کرنا ہو گا۔ ظاہر ہے اس میں تقسیم کا عمل ڈبل (دوگنا) ہو جانے سے آسانی نہ ہو گی۔

”نتیجہ“

اگر وجوہ مذکورہ میں ورثاء پر ان کے حصص کی تقسیم صحیح اور مستقیم ہو تو فیہا و نعمت اور اگر مستقیم بلا کسر نہ ہو جیسے کوئی متوفی 1 بیٹی اور 3 پوتیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل باب الرد میں بیٹی کے نصف اور پوتیوں کے سدس کے باعث 4 سے ہو گی۔ جس میں سے 3 بیٹی کو اور 1 تین پوتیوں کو لیکن وہ ایک ان پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتا لہذا پوتیوں کے ردوس کو اصل مسئلہ سے ضرب دے کر سابقہ قوانین کے مطابق تصحیح کر لی جائے گی۔ لہذا $3 \times 4 = 12$ سے تصحیح ہو گی۔ جس میں سے بیٹی کو $3 \times 3 = 9$ ملیں گے اور تین پوتیوں کو $3 \times 1 = 3$ ملیں گے جو ان میں ایک ایک کے حساب سے تقسیم ہو گا۔



والثالث: ان يكون مع الاول من لا يرد عليه فاعط فرض من لا يرد عليه من اقل مخارجه فان استقام الباقي على رنوس من يرد عليه فيها كزوج وثلاث بنات وان لم يستقم فاضرب وفق رنوسهم في مخرج فرض من لا يرد عليه. ان وافق رنوسهم الباقي كزوج وست بنات.

قسم ثالث تیسری صورت میں جبکہ "من يرد عليه" کی جنس واحد کے ساتھ "من لا يرد عليه" بھی موجود ہو تو پہلے من لا يرد عليه کو اس کے اقل مخرج سے حصہ دے کر دیکھا جائے گا، اگر باقی "من يرد عليه" کے رؤس پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو فیہا ونعت جیسے کوئی متوفاة اپنے پیچھے خاوند اور 3 بیٹیاں چھوڑ جائے تو خاوند کو جو "من لا يرد عليه" سے ہے اس کے اقل مخرج = 4 سے ربع "ایک" دینے کے بعد 3 بچتے ہیں جو 3 بیٹیوں پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں، لہذا مسئلہ کی تشکیل اور تصحیح 4 سے ہی کافی ہوگی۔

اور اگر باقی "من يرد عليه" کے رؤس پر پورا پورا تقسیم نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں "من يرد عليه" کے رؤس کے وفق کو بشرطیکہ اس کا وفق ہو۔ "من لا يرد عليه" کے مخرج میں ضرب دے کر حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ جیسے کوئی متوفاة زوج اور 6 بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل زوج کے اقل مخرج = 4 سے ہوگی۔ زوج کے حصہ ربع کے بعد جو 3 بچے وہ 6 بیٹیوں پر تقسیم نہیں ہوتے، لیکن 3 اور ان کے رؤس 6 میں یہاں اختصار داخل کی بجائے توافق معتبر ہو گا لہذا رؤس کے وفق 2 کو اصل مسئلہ 4 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ لہذا

مسئلہ کی تشکیل 4 سے، تصحیح = 8 سے

زوج کو اصل مسئلہ 4 سے 1 ملا، مضروب = 2 میں ضرب دینے سے 8 سے دو ملیں گے بیٹیوں کو اصل مسئلہ سے 3 ملے، مضروب 2 میں ضرب دینے سے 8 میں سے 6 ملیں گے، جو 6 بیٹیوں پر پورے پورے تقسیم ہوں گے۔



والا فاضرب كل رؤسهم في مخرج فرض من لا يرد عليه فالمبلغ تصحيح المسئلة كزوج وخمس بنات.

والرابع: ان يكون مع الثاني من لا يرد عليه فاقسم مابقي من مخرج فرض من لا يرد عليه على مسئلة من يرد عليه فان استقام فيها وهذا في صورة واحدة وهي ان يكون للزوجات الربع والباقي بين اهل الرد اثلاثاً كزوجة واربع جدات وست اخوات لام

اور اگر من يرد عليه فریق کے رؤس کا وفق نہ ہو تو ان کے رؤس کی کل تعداد کو من لا يرد عليه کے مخرج میں ضرب دے کر حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ جیسے کوئی متوفیہ زوج اور 5 بیٹیاں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل زوج کے اقل مخرج 4 سے ہوگی لیکن زوج کے حصہ ربع ایک کے بعد مابقی 3 پانچ بیٹیوں پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے نیز 3 اور ان کے رؤس 5 میں توافق بھی نہیں بلکہ بتاين ہے، لہذا 5 کو اصل مسئلہ 4 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب 20 حاصل ہو گا اس سے مسئلہ کی تصحیح درست ہوگی۔
اصل مسئلہ = 4، تصحیح = 20 سے

زوج کو اصل مسئلہ سے = 1 ملا تھا، مضروب 5 میں ضرب دینے سے اسے 5 ملیں گے بیٹیوں کو اصل مسئلہ سے = 3 ملے، مضروب 5 میں ضرب دینے سے ان کو 15 ملیں گے جو پانچ بیٹیوں پر تین تین کی صورت میں برابر تقسیم ہوں گے۔

قسم رابع:

چوتھی صورت میں جبکہ من يرد عليه کی اجناس کثیرہ کے ساتھ من لا يرد عليه بھی موجود ہو، تو ترکہ کی تقسیم کی صورت یوں ہوگی۔

من لا يرد عليه کو اس کے اقل مخرج سے حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے اسے من يرد عليه کے مسئلہ پر تقسیم کیجئے، اگر مابقی مسئلہ من يرد عليهم پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو فہما و نعمت، اور اس کی ایک ہی صورت ہے۔ جبکہ مرنے والا انسان زوجہ، 4 جدات اور 6 اخیانی بہنیں چھوڑ جائے تو زوجہ کو اس کے ادنیٰ مخرج 4 سے ربع دینے کے بعد مابقی 3 جدات اور اخیانی بہنوں کے مسئلہ 3 پر پورے پورے تقسیم ہوتے ہیں، کیونکہ اخیانی بہنوں کے ثلث

اور جدات کا سدس جمع ہو جانے سے ان کا مسئلہ 3 سے ہی تشکیل پا سکتا ہے، جس پر مابقی 3 پورے منقسم ہیں۔ اور اس کی صرف ایک ہی صورت مذکورہ ہونے کی وجہ یہ ہے:

کہ مخرج من لایرد علیہ سے مابقی یا تو ایک ہو گا جیسے بیوی بے اولاد کی وفات پر خاوند کو اس کے مخرج دو سے نصف دینے کے بعد ایک ہی بچتا ہے۔

اور یہ امر یقینی ہے کہ ایک مسئلہ من یرد علیہ پر اسی وقت مستقیم ہو گا جبکہ وہ (مستحق الرد) فرد واحد ہو گا۔ لہذا مسئلہ قسم ثالث سے ہو جائے گا جس میں من لایرد علیہ من یرد علیہ کی جنس واحد سے مجتمع ہوتا ہے اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ مسئلہ مفروضہ قسم رابع سے ہے۔

یا پھر مخرج من لایرد علیہ سے مابقی تین ہوں گے جبکہ اس کا مخرج چار ہو گا جیسے خاوند کو بیٹیوں کی موجودگی میں یا بیوی کو بیٹیوں کے نہ ہونے کی صورت میں اب اگر ربع کا حق دار خاوند ہے اور بیٹیوں کے ساتھ کوئی اور وارث نہیں ہے تو پھر یہ مسئلہ بھی قسم ثالث سے ہو گا۔

اور اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا صاحب فرض موجود ہے تو پھر بیوی کی وفات پر جبکہ وہ اپنے پیچھے زوج، بنت اور جدہ چھوڑ جائے تو پھر مسئلہ من یرد علیہ کا 4 سے تشکیل پائے گا۔ اور اگر زوج، بنتان، اور جدہ چھوڑ جائے تو من یرد علیہ کے مسئلہ کی تشکیل 5 سے ہو گی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں مابقی تین، چار اور پانچ کے مسئلہ پر بلا کسر مستقیم نہیں جبکہ مسئلہ مفروضہ قسم رابع سے مبنی بر استقامت ہے۔ یعنی بلا کسر صحیح تقسیم ہو جانا چاہئے۔ اور اگر ربع کی حق دار بیوی ہے تو پھر مابقی کی تقسیم مستقیم من یرد علیہم کے مسئلہ پر ممکن ہے۔ جیسے ماتن کی بیان کردہ مثال: زوج، اربع جدات اور ست اخوات لام سے واضح ہے۔ لیکن یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے۔

اور یا پھر مخرج من لایرد علیہ سے مابقی سات ہوں گے۔ جیسے عورت کو خاوند کی وفات پر مع البنات ثمن ملتا ہے۔ لہذا اسے ثمن دینے کے بعد مابقی 7 ہی بچتے ہیں۔ اور یہ سات بھی مسئلہ من یرد علیہم پر مستقیم نہیں کیونکہ مسئلہ من یرد علیہم پانچ سے متجاوز نہیں۔ لہذا سات اپنے سے کم تعداد پر کیسے مستقیم تقسیم ہو گا؟ ”نتیجہ“ ثابت ہوا قسم رابع میں مخرج من لایرد علیہ سے مابقی مسئلہ من یرد علیہم پر صرف ایک ہی صورت میں مستقیم تقسیم ہو

سکتا ہے۔ جیسے صورت مذکورہ میں زوجہ کو ربع دینے کے بعد جو تین بچے وہ اربع جدات اور ست اخوات لام کے مسئلہ پر مستقیم ہیں۔ کیونکہ ان کا مسئلہ بھی تین ہی سے تشکیل پاتا ہے۔ لیکن آگے اربع جدات پر ان کا حصہ ایک مستقیم نہیں بلکہ ان میں اور ان کے حصہ میں مباہنت ہے لہذا ان کے رؤوس آگے حساب میں تمام کے تمام شمار ہوں گے۔

ایسے ہی اخوات ستہ کا حصہ دو بھی ان پر مستقیم نہیں ہاں ان کے حصہ اور ان کے رؤوس میں موافقت بالنصف ضرور ہے۔ لہذا ان کے رؤوس کو حساب میں نصف شمار کیا جائے گا۔ اس طرح من یرد علیہم کے کل رؤوس حساب کے اعتبار سے جو سامنے آئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جدات 4

موافقت بالنصف میں اخوات لام 3

اب دونوں فریقوں کے رؤوس کی تعداد میں بتائیں کے باعث ایک کو دوسرے میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ من لایرد علیہ میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

$$\text{یعنی } 48 = 4 \times 12 = 4 \times 3$$

زوجہ کو اصل مسئلہ من لایرد علیہ سے ایک ملا تھا لہذا اسے مضروب 12 میں ضرب دینے سے اس کا حصہ

$$12 = 12 \times 1$$

اور جدات اربع کو بھی ایک ملا تھا لہذا $12 = 12 \times 1$ ان کا حصہ ہو گا جو ان پر برابر تقسیم ہو گا اخوات ستہ لام کو دو ملے تھے لہذا $24 = 12 \times 2$ ان کا حصہ ہو گا جو ان میں چار چار کی صورت میں تقسیم ہو گا۔



وان لم يستقم‘ فاضرب جميع مسئلة من يرد عليه في مخرج فرض من لا يرد عليه فالمبلغ مخرج فروض الفريقين‘ كارباع زوجات وتسع بنات وست جدات‘ ثم اضرب سهام من لا يرد عليه في مسئلة من يرد عليه‘ وسام من يرد عليه فيما بقى من مخرج فرض من لا يرد عليه‘ وان انكسر على البعض فتصحیح المسائل بالاصول المذكور۔

اور اگر باقی من یرد علیہم کے مسئلہ پر پورا تقسیم نہ ہو تو مسئلہ من لا یرد علیہ کے مخرج میں ضرب دی جائے گی، پس مبلغ (ماحصل) دونوں فریقوں کے حصوں کا مخرج ہوگا، پھر من لا یرد علیہ کے حصے کو من یرد علیہ کے مسئلہ میں ضرب دے کر ان کا حصہ مبلغ سے علیحدہ کر لیا جائے گا۔

اور ایسے ہی من یرد علیہ کے حصہ کو من لا یرد علیہ کے مخرج کے باقی میں ضرب دینے سے من یرد علیہ کا حصہ مبلغ سے حاصل ہوگا۔

جیسے کوئی متونی 4 بیویاں، 9 بیٹیاں اور 6 دادیاں چھوڑ جائے، تو مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہوگی، کیونکہ بیویوں کا ثمن، بیٹیوں کے ثلثان اور دادیوں کا سدس جمع ہو جانے سے مسئلہ 24 سے ہی تشکیل پاسکتا ہے لیکن چوبیس میں سے ایک بچ جانے کے باعث مسئلہ ”مسئلہ ردیہ“ کی صورت اختیار کر جاتا ہے، لہذا من لا یرد علیہ کے ادنیٰ مخرج 8 سے مسئلہ ردیہ تشکیل پائے گا، جس میں سے ثمن ایک بیویوں کو دے کر باقی 7 کو 9 بیٹیوں اور 6 دادیوں کے مسئلہ 5 پر تقسیم کیا جائے گا، لیکن 7 باقی مسئلہ 5 پر منقسم نہیں، لہذا

جمع مسئلہ من یرد علیہ کو مخرج من لا یرد علیہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب سے دونوں فریقوں کے حصص کو حاصل کیا جائے گا۔

جمع مسئلہ من یرد علیہ = $5 \times$ مخرج میں لا یرد علیہ = 8 حاصل ضرب = 40

اب من لا یرد علیہ کے حصہ = 1 کو مسئلہ من یرد علیہ میں ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا، لہذا $5 \times 1 = 5$ بیویوں کو ملیں گے اور مسئلہ من یرد علیہ کو باقی مخرج من لا یرد علیہ میں ضرب دے کر بیٹیوں اور دادیوں کا حصہ حاصل کر لیا جائے گا لہذا۔

مسئلہ من یرد علیہ = $5 \times$ باقی مخرج من لا یرد علیہ = 7 حاصل ضرب 35

یہ بیٹیوں اور دادیوں کا حصہ ہو گا، جس میں سے 28 بیٹیوں کے اور 7 دادیوں کے۔
اگر کہیں کسی فریق پر کسر لام آتی ہو تو سابقہ مذکورہ قاعدے کے مطابق مسائل کی تصحیح ہو گی۔ مثلاً: صورت مذکورۃ فی المتن میں 40 میں سے زوجات اربع کا حصہ 5 تھا جن کے رؤوس اور حصہ میں مہانیت ہے۔ اور بنات تسع کا حصہ اس میں سے 28 ہے یہاں بھی رؤوس اور ان کے حصہ میں مہانیت ہے۔

جدات ستہ کا حصہ اس میں سے 7 ہے۔ ان کے رؤوس اور حصہ میں بھی مہانیت ہے۔
اب تصحیح کے قاعدہ کے مطابق 4 زوجات، 6 جدات اور 9 بنات میں جب ہم نسبت کو دیکھتے ہیں تو 4 اور 6 میں توافق بالنصف پاتے ہیں لہذا 4 کے نصف کو 6 سے ضرب دیں گے تو حاصل ضرب $2 \times 6 = 12$ آئے گا۔ اب 12 اور 9 کے درمیان جب نسبت کو دیکھتے ہیں تو ان میں توافق بالثلث ملتا ہے۔ لہذا ان میں سے ایک کے ثلث کو جب جمع ثانی میں ضرب دی جاتی ہے تو 36 حاصل ہوتے ہیں۔

اب 36 کو مسئلہ 40 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $40 \times 36 = 1440$ آئے گا اس سے تمام فریقوں کے حصص کی تصحیح ہو گی۔

چالیس میں سے زوجات اربعہ کو 5 ملے جسے مضروب 36 میں ضرب دینے سے اب 36 $5 \times 180 =$ حصہ میں انہیں ملیں گے جس میں سے ہر ایک کو 45 ملیں گے۔ جدات ستہ کو 7 ملے تھے لہذا اب انہیں $7 \times 36 = 252$ ملیں گے۔ جس میں سے ہر ایک کو 42 حصہ میں آئیں گے۔ بنات تسع کو 28 حصہ میں آئے تھے لہذا اب انہیں $28 \times 36 = 1008$ حصہ میں ملیں گے جن میں سے ہر ایک بیٹی کو 112 حصہ میں آئیں گے۔ یوں تصحیح کے قواعد کے مطابق عمل ہو گا۔

”تنبیہ“

خیال رہے! قسم رابع میں ”من لایرد علیہ“ کے حصے کے مخرج سے باقی اور ”من یرد علیہ“ کے مسئلہ کے درمیان موافقت کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی اسی لئے ماتن نے اس میں موافقت کی کوئی مثال بیان نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم رابع میں باقی من مخرج فرض من لایرد علیہ سے 1، 3 اور 7 ہی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا بیان پیچھے بھی گذر چکا ہے اور مسئلہ من یرد علیہ 2، 3، 4 اور یا پھر 5 سے ہو سکتا ہے۔ چونکہ ان اعداد مذکورہ کے درمیان

موافقت کی کوئی صورت نہیں۔ لہذا قسم رابع میں موافقہ کی کوئی صورت نہیں۔ بخلاف قسم ثالث کے اس میں موافقت کا امکان ہے۔ جیسے زوج دست بنات کی مثال سے واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماتن نے قسم ثالث میں موافقت کا ذکر کیا ہے لیکن رابع میں نہیں۔
”تصریح“

لغۃ رد کا معنی رجوع اور عود (لوٹنے) کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرامین سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔

(۱) ورد اللہ الذین کفروا بغیظہم لم ینالوا خیراً یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کو اپنے غیض و غضب میں مقبور اور ذلیل لوٹا دیا۔

(۲) فارتد علی آثارہما قصصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر واپس لوٹے۔

(۳) آپ کی دعا میں بھی آتا ہے اللھم رد کیدھم عنی یا اللہ دشمنوں کی تدبیر مجھ سے لوٹا دے۔

اصطلاحاً اس کا مفہوم اصل مسئلہ کے نقصان کے ساتھ سهام مفروضہ کی مقدار کی زیادتی ہے دوسرے الفاظ میں آپ یوں سمجھئے چونکہ ”رد ضد العول“ ہے اور عول میں سهام مخرج سے بڑھ جاتے ہیں لہذا رد میں مخرج سهام سے فاضل (زائد) ہوتا ہے۔ اور مخرج کے فاضل ہو جانے کا نتیجہ سهام مفروضہ کی زیادتی کی صورت میں ہی سامنے آتا ہے۔ لہذا فرائض میں اصحاب الفروض کے حصص سے بچ جانے والے ترکہ کو جبکہ عصبات میں سے کوئی نہ ہو دوبارہ ان کے حصص کے مطابق انہیں ہی دے دینے کا نام رد ہے۔

”شروط الرد“

کسی مسئلہ میں رد کے تحقق کے لئے ذیل کی تین شروط کا وجود ضروری ہے۔ ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہوگی تو مسئلہ رد کا وجود بھی مفقود ہوگا۔

(۱) اصحاب الفروض میں سے کسی صاحب فرض کا وجود۔

(۲) عصبات میں سے کسی عصبہ کا عدم وجود۔

(۳) اصحاب الفروض کے حصص سے ترکہ کا فاضل وجود

وہ ورثاء جو رد کے مستحق ہیں:

- * غیر نسی ورثاء (زوجین) کے علاوہ اصحاب الفروض میں سے مندرجہ ذیل آٹھ اقسام قائلین کے نزدیک رد کا استحقاق رکھتی ہیں۔
- * میاں بیوی کا رشتہ (رشتہ زوجیت) چونکہ نسی نہیں جو احد الزوجین کی وفات سے ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ رد کے مستحق نہیں۔

(۱) البنت	(۲) بنت الابن
(۳) الاخت الشقیفة	(۴) الاخت لاب
(۵) الاخ	(۶) العدة الصحيحة
(۷) الاخت لام	(۸) الاخ لام

”ملاحظہ“

خیال رہے! اب اور جد کی موجودگی میں مسئلہ رویہ کا وجود ممکن نہیں کیونکہ اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد اگر ترکہ میں سے کچھ فاضل بچ جائے اور دیگر عصبات میں سے بھی باپ اور دادا کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں باپ اور دادا عصبہ ہونے کی حیثیت میں جمع مابقی کے مالک ہوں گے۔ لہذا رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔

اقسام الرد

رد کی اقسام اربعہ میں سے ہر ایک قسم میں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ اور حکم مخصوص ہے جن کا ذکر گزر چکا ہے تاہم قسم ثالث اور رابع کا مزید وضاحت کے لئے ہم ذکر کرتے ہیں۔

”حکم القسم الثالث“

اس قسم میں مسئلہ کی تشکیل من مخرج فرض من لایرد علیہ سے ہوگی اور من لایرد علیہ کو اس کا حصہ دینے کے بعد مابقی کو من یرد علیہ کے فریق واحد کے رؤوس پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

- (۱) جیسے کوئی انسان وفات پر اپنے پیچھے زوجہ، اخوین لام اور اخت لام چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل فرضاً و رداً زوجہ کے ادنیٰ مخرج 4 سے ہوگی جس میں سے ایک اسے دینے کے بعد باقی 3 دو اخیانی بھائیوں اور ایک اخیانی بہن میں برابر برابر ہم شرکاء فی

الثالث کے مطابق تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

(۲) یا کوئی عورت اپنے پیچھے زوج اور اربع بنات چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 4 سے ہو گی لیکن زوج کو ربع دینے کے بعد باقی 3 اربع بنات پر مستقیم نہیں لہذا بنات کے رؤوس کو اصل مسئلہ سے ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔

لہذا پہلے مسئلہ کی تشکیل اور تقسیم		دوسرے مسئلہ کی تشکیل اور تصحیح	
$\frac{4}{4}$		$\frac{4}{16}$	
زوجہ	1	زوج	1
دو اخیانی بھائی			
ایک اخیانی بہن	3	اربع بنات	3
			12

حکم القسم الرابع

اس قسم اور حالت میں جبکہ اصحاب الرمد میں متعدد فریق ہوں تو ضابطہ یہ ہے کہ:
اولاً: احد الزوجین کے اعتبار سے مسئلہ کی تشکیل ہوگی۔
ثانیاً: احد الزوجین کے بغیر۔

پھر دونوں مسئلوں کے حل کے بعد ان میں نسبت دیکھ کر سابقہ ضوابط کے مطابق اس کا حل ہو گا۔ مثلاً کوئی آدمی وفات پر زوجتین، ام اور بنت چھوڑ جاتا ہے۔ ان ورثاء کے ثمن، سدس اور نصف کے باعث مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہوگی ورثاء مذکورہ کو ان کے حصص دینے کے بعد چونکہ ترکہ میں سے $\frac{5}{24}$ فاضل رہ جاتا ہے جس سے اس مسئلہ کا مسئلہ ردیہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ضابطے کے مطابق من لایرد علیہ (زوجتان) کے ادنیٰ مخرج 8 سے انہیں ثمن $\frac{1}{8}$ دینے کے بعد باقی $\frac{7}{8}$ کو ام اور بنت کے مسئلہ 4 پر تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن ان کے مسئلہ 4 اور ان کے حصہ $\frac{7}{8}$ میں ممانیت کے باعث اصل مسئلہ 8 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے جمیع ورثاء کے حصص کی تصحیح ہوگی۔

$$\text{لہذا } 32 = 8 \times 4 \text{ میں سے}$$

$$\text{زوجتان کو } 4 = 4 \times 1 \text{ حصہ میں آئیں گے}$$

ام اور بنت کو $28 = 4 \times 7$ ملیں گے جن میں سے مسئلہ من یرد علیہ کے مطابق
ام کو 7 اور بنت کو 21 تقسیم میں آئیں گے۔



”مسئله الرد وشكلها“

32	8	مسئله من لا يرد عليه	4	بالرد من	۶	اصلها من
4	1	ثمن زوجتان	1			سدس ام
$\frac{7}{21}$	7	ام بنت	3			نصف بنت

تنبیه

خیال رہے! مسئلہ ردیہ میں اگر اصحاب الفروض کے ساتھ کوئی ایسا عصبہ موجود ہو جو اصحاب الفروض کے حصص کے بعد جمع مال کا مستحق ہے تو اسے باقی تمام مال دے دیا جائے گا۔ لہذا رد نہ ہو گا۔ اور اگر وہ جمع باقی کا مستحق نہیں تو پھر جتنے مال کا وہ مستحق ہو گا اتنا اسے دے کر باقی کو اصحاب الفروض پر رد کر دیا جائے گا۔ جیسے کوئی متوفی زوجہ، بنت اور معتق بالثلث چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 8 سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو ثمن 1، بنت کو نصف 4 + 2 اور معتق بالثلث کو باقی کا ثلث 1 عصوبہ اور جو دو باقی بچے وہ بھی رد میں بیٹی کو دے دیئے جائیں گے۔

لہذا 8 میں سے زوجہ کو ایک ملے گا اور بیٹی کو چھ جبکہ معتق بالثلث کو بھی ایک۔ اگر معتق، معتق بالثلث کی بجائے معتق بالکل ہوتا تو باقی تمام عصوبہ وہ ہی لے لیتا اور بیٹی کو رداً کچھ نہ ملتا۔



بَابُ مُقَاسَمَةِ الْجَدِّ

قال ابو بكر الصديق رضى الله عنه ومن تابعه من الصحابة: بنو الاعيان وبنو العلات لا يرثون مع الجد وهذا قول ابى حنيفة رحمه الله وبه يفتى وقال زيد بن ثابت رضى الله عنه 'يرثون مع الجد' وهو قولهما وقول مالک والشافعى وعند زيد بن ثابت 'للجد مع بنى الاعيان وبنى العلات افضل الامرین من المقاسمة ومن ثلث جميع المال

مقاسمة الجد: مفاعلة من القسمة' وسيجى تعريفها

بنوں، بھائیوں اور دادے کے درمیان ورثہ کی تقسیم میں اختلاف ہے۔ بعض اثبات اور بعض نفی کے قائل ہیں، جبکہ بعض دوسروں کو اثبات ونفی میں تردد ہے، لہذا اس باب میں مصنف اس اختلاف اور اس پر متفرع ہونے والے احکام کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عباس، ابن زبیر، ابو سعید خدری اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی رائے، میں عینی اور علاقائی بھائی دادے کی موجودگی میں وارث نہیں، جیسے باپ کی موجودگی میں بالاتفاق وہ وارث نہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور احناف کا مفتی بہ فتویٰ بھی یہ ہے، لیکن حضرت زید بن ثابت، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہاں وہ دادے کے ساتھ ساتھ وارث ہوں گے۔

حنفیہ میں سے صاحبین کا بھی یہی خیال ہے، علامہ سرخسی کے نزدیک مفتی بہ یہی امر ثانی ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔

خیال رہے! یہ اختلاف عینی اور علاقائی بھائیوں کے بارے میں ہے کہ آیا وہ دادے کے ساتھ وارث ہوں گے یا نہیں۔ لیکن اخیانی بالاتفاق دادے کی موجودگی میں ساقط ہوں گے۔ دراصل جد صحیح کے بارے میں اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ آیا جد صحیح باپ کے حکم میں ہے یا عینی بھائی کے حکم؟

چونکہ دادا من بعض الوجوہ باپ سے مشابہت رکھتا ہے اور بعض وجوہ سے بھائی کے ساتھ۔ لہذا جن اصحاب نے اسے باپ سے مشابہت کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے اسے باپ

کے حکم میں سمجھا ہے اور جنہوں نے اس کی بھائی سے مشابہت کو رائج سمجھا انہوں نے اسے بھائی کے حکم میں سمجھا۔

دادا کی باپ سے مندرجہ ذیل امور میں مشابہت ہے۔

- (۱) دادا اولاد ام کے لئے ایسے ہی حاجب ہے جیسے باپ۔
- (۲) دادا جب صغیر اور صغیرہ کا نکاح کر دے تو وہ ایسے ہی عند الاحناف لازم ہے جیسے باپ کا کیا ہوا۔ یعنی صغیر اور صغیرہ کو بلوغت پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں۔
- (۳) ظاہر روایت کے مطابق (امام محمدؒ کی کتب ستہ میں سے کوئی روایت) جیسے باپ کی موجودگی میں بھائی کو بہن کے نکاح کی ولایت حاصل نہیں تھی دادا کی موجودگی میں بھی اسے حاصل نہیں۔
- (۴) دادا پوتے کے بدلے قصاصاً قتل نہیں کیا جاسکتا جیسے باپ بیٹے کے بدلے قصاصاً قتل نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) ان حلیۃ کل واحد من الجانبین تحریم علی الآخر۔ اس بات میں بھی دادا باپ کے مشابہہ ہے کہ جیسے باپ، بیٹے کی زوجات ایک دوسرے پر حرام ہیں تھیں دادا اور پوتے کی بھی۔

(۶) دادے کی شہادت پوتے کے حق میں ایسے ہی مردود ہے جیسے باپ کی بیٹے کے حق میں۔

(۷) پوتے کے مال سے زکوٰۃ کی وصولی کی حرمت میں بھی وہ باپ کے مشابہہ ہے۔

(۸) پوتے کی جان و مال میں وہ ایسے ہی تصرف کا اختیار رکھتا ہے جیسے باپ بیٹے کی جان و مال میں۔

اور دادا بھائی سے ذیل کی امور میں مشابہت رکھتا ہے۔

- (۱) جب کسی صغیر کے ورثاء میں سے باپ کی بجائے دادا اور ماں ہی ہوں تو اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری دادے اور ماں پر اسی تناسب سے ہوگی جس تناسب سے وہ اس کے وارث ہوں گے۔ یعنی اثلاً۔ ایک ثلث نفقہ کی ذمہ داری ماں پر ہوگی اور دو ثلث نفقہ کی ذمہ داری دادے پر۔ اگر دادا کی جگہ بھائی ہو تو وہ بھی دو ثلث نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔ لہذا دادا اس مسئلہ میں بھائی کے مشابہہ ہوا۔

(۲) معسر دادے پر پوتے کا نفقہ فرض نہیں جیسے بڑے بھائی معسر پر چھوٹے بھائی کا فرض نہیں۔

(۳) صغیر کا صدقۃ الفطر دادے پر ایسے ہی واجب نہیں جیسے چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی پر۔

(۴) دادا اس بات میں بھی بھائی سے مشابہت رکھتا ہے کہ پوتا دادے کے اسلام کے بالتبع مسلمان متصور نہیں ہوتا جیسے چھوٹا بھائی بڑے مسلمان بھائی کے بالتبع مسلمان متصور نہیں ہوتا۔

(۵) جب دادا کسی بچے کے بارے پوتا ہونے کا اقرار کرے اور اس کا بیٹا زندہ ہو تو محض دادے کے اقرار سے پوتے کا نسب بیٹے سے قائم نہیں ہو سکتا جب تک بیٹا اقرار نہ کرے اور یہی حال بھائی کا ہے۔ کسی انسان کے بھائی ہونے کا اقرار کرنے سے اس کا نسب مقرر کے باپ سے قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ باپ اقرار نہ کرے۔

(۶) دادا اپنے معتق پوتے کی ولاء اپنے موالی کی طرف نہ کھینچ سکنے میں بھی بھائی کے مماثل ہے جو اپنے معتق بھائی کی ولاء اپنے موالی کی طرف نہیں کھینچ سکتا۔

ان مذکورہ احکام میں اختلاف کے باعث صحابہ، تابعین وغیرہم کا مسئلہ جمع الاخوة میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔

(۱) بعض نے اخوة کو مع الجد وارث قرار نہیں دیا۔

(۲) بعض دوسرے اصحاب نے وارث قرار دیا ہے۔

(۳) اور بعض نے توقف اختیار کیا ہے۔

(۴) اہل علم کی ایک جماعت نے جد کے بارے میں فتویٰ ہی سے انکار کر دیا۔

(۵) محمد بن سلمہؒ کے ہاں اس کا حل عمل بالاصطلاح میں ہے۔ وہ یوں کہ اگر دادا معسر ہو

تو تمام ترکہ اسے دے دیا جائے بشرطیکہ بھائی موسر ہوں۔ اور اگر بھائی معسر ہوں اور

دادا موسر تو ترکہ بھائیوں کو دے دیا جائے۔ اور اگر برابر ہوں تو دونوں میں یعنی دادا کو

بھی بھائی سمجھتے ہوئے سب پر برابر تقسیم کر دیا جائے۔

(۶) محمد بن فضل بخاریؒ کا کہنا ہے کہ دادا کو اس کا اجماعی حصہ سدس جس میں کوئی

اختلاف ہی نہیں دے کر باقی میں بالاصطلاح عمل ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے ہاں جد کی موجودگی میں بنو الاعیان اور بنو العلات وارث ہی نہیں لہذا ان کے ہاں مسائل جد میں کوئی دقت نہیں۔ معاملہ واضح ہے۔ لیکن امام مالک، امام شافعی اور صاحبین رحمہم کے نزدیک الاخوة مع الجدة وارث ہیں لہذا ان کے ہاں مسائل جد میں قدرے دقت ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت علیؓ، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس بات پر تو متفق ہیں کہ بھائی دادا کے ساتھ وارث ہیں۔ لیکن ترکہ کی تقسیم کی کیفیت میں انکا مندرجہ ذیل اختلاف ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں دادا کو بھائیوں کے ساتھ ترکہ میں سے مقاسمۂ حصہ ملے گا۔ یعنی اسے بھائیوں کے ساتھ ایک بھائی فرض کر لینے پر جو کچھ حصہ میں آئے گا وہ ملے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دادا کا حصہ مقاسمہ میں جمع ترکہ کے سدس سے کم نہ ہو۔ اگر کم ہو تو ایسی صورت میں اسے سدس سے کم نہیں بلکہ پورا سدس دیا جائے گا۔ کیونکہ باپ کا حصہ جب سدس سے کم نہیں تو دادا جو اس کے قائم مقام ہے اسے سدس سے کم کیسے دیا جاسکتا ہے؟

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں علاقائی بھائی ترکہ کی تقسیم میں شمار نہ ہوں گے۔ مثلاً.... جب دادے کے ساتھ ایک یعنی اور ایک علاقائی بھائی ہوں تو ترکہ دادے اور یعنی بھائی کے درمیان مقاسمۂ نصف و نصف تقسیم ہو گا اور علاقائی بھائی کا تقسیم میں کوئی اعتبار نہ ہو گا۔ نیز دادا حضرت علی کے نزدیک اکیلی بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ بہن ان کے ہاں ایسی صورت میں صاحبۃ الفرض ہے۔

مثلاً.... جب دادے کے ساتھ ایک یعنی اور ایک علاقائی بہن ہو تو اس صورت میں یعنی کو نصف، علاقائی کو تکملۃ للثلاثین سدس اور دادا کو باقی 2 ملے گا۔

(۲) الف).... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریے میں دادے کو بھائیوں کے ساتھ مقاسمۂ حصہ ملے گا بشرطیکہ یہ حصہ جمع ترکہ کے ثلث سے کم نہ ہو۔

ب).... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمع ترکہ کے ثلث سے کم نہ دینے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اتفاق رکھتے ہیں۔

ج).... اور مقاسمہ میں یعنی بھائیوں کے ساتھ علاقائی بھائیوں کے نہ شمار کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متفق ہیں۔

(د) نیز اکیلی اخوات کو دادا کے ساتھ ذوات الفروض قرار دینے میں بھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اتفاق رکھتے ہیں۔

(۳) الف) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادے کو یعنی اور علاقائی بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ اور جمع ترکہ کے ثلث $\frac{1}{3}$ سے جو بھی حصہ بہتر ہو گا وہ دیا جائے گا۔

ماتن کا رجحان بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف نظر آتا ہے۔ اسی لئے اس نے ان کے قول کو بیان فرمایا ہے۔

”ملاحظہ“

(ب) جب دادا کے ساتھ دو سے چار تک حقیقی بھائی موجود ہوں تو اس کے لئے مقاسمہ بہتر ہو گا۔

(ج) جب پانچ ہوں تو ایسی صورت میں جمع مال کا سدس اور مقاسمہ برابر رہے گا۔
(د) اور اگر چھ ہوں تو پھر جمع ترکہ کا سدس ہی بہتر ہو گا۔



وتفسير المقاسمة: ان يجعل الجد في القسمة كاحد الاخوة وبنو العلات يدخلون في القسمة مع بنى الاعيان اضراً للجد فاذا اخذ الجد نصيبه فبنو العلات يخرجون من البين خائبين بغير شيئى والباقي لبنى الاعيان الا اذا كانت من بنى الاعيان اخت واحدة فانها اذا اخذت فرضها نصف الكل - بعد نصيب الجد فان بقى شيئى فلبنى العلات والا فلا شيئى لهم كجد واخت لاب وام واختين لاب فبقى للاختين لاب عشر المال وتصح من عشرين -

”مقاسمة“ کا مفہوم و تفسیر یہ ہے کہ دادے کو بھائیوں کی طرح ایک بھائی فرض کر کے مال کو تقسیم کر لیا جائے۔

خیال رہے! علاقائی بھائی دادے کو حصہ میں نقصان پہنچانے کے لئے عینی بھائیوں کے ساتھ شریک تو ہوں گے لیکن انہیں وراثت سے کچھ نہیں ملے گا، وہ عینیوں کی موجودگی میں محروم رہیں گے اور دادے کے حصے کے بعد باقی سب کا سب عینی بھائیوں کے لئے ہی ہو گا۔ جو ان میں ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ اس لئے کہ علاقائی بھائی دادے کے ساتھ اس وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ عینی معدوم ہوں۔ ان کی موجودگی میں وہ وارث نہیں۔

لہذا دادے کے مقابلہ میں تو وہ وارث ہیں لیکن عینی بھائیوں کے مقابلہ میں وہ ساقط ہیں۔ اسی لئے وہ ترکہ کی تقسیم میں دادے کے حصہ کو کم کرنے کے لئے شمار تو ہوتے ہیں لیکن عینی بھائیوں کی موجودگی میں وہ ترکہ میں سے کسی شے کے وارث نہیں۔

اس اعتبار اور صورت مختلفہ کی نظیر آپ یوں سمجھئے کہ ایک متوفی ماں، عینی بھائی اور ایک علاقائی بھائی چھوڑ جاتا ہے۔ ماں کو علاقائی بھائی کے اعتبار سے ثلث کی بجائے سدس ملتا ہے اس لئے کہ وہ ماں کے ساتھ وارث ہے۔ حالانکہ وہ عینی بھائی کی موجودگی میں محبوب عن الوراثت ہے۔ جیسے یہاں علاقائی بھائی ماں کے لحاظ سے وارث اور عینی بھائیوں کے لحاظ سے غیر وارث، ایسے ہی علاقائی بھائی دادا کے لحاظ سے وارث اور عینی بھائیوں کے لحاظ سے محبوب غیر وارث۔

جب دادا کے ساتھ عینی بھائی اور علاقائی بھائی بھی ہو، تو ایسی شکل میں دادا کے لئے مقاسمہ اور ثلث من جمیع المال برابر ہیں۔ لہذا دادا کو جمیع مال سے ثلث اور عینی بھائی کو

مابقی اور علاقائی بھائی محبوب کیونکہ وہ یعنی بھائی کی موجودگی میں محبوب عن الوراثة ہے۔ گو ترکہ کی تقسیم میں علاقائی شامل ہیں۔ اور اگر علاقائی بھائی کی جگہ سابق مثال میں علاقائی بہن ہو تو پھر دادا کے لئے مقاسمۃ ہی بہتر ہے۔ لہذا مسئلہ کی تشکیل 5 سے ہوگی جس میں سے دادا کو 2، یعنی بھائی کو مابقی 3 اور علاقائی بہن محبوب کیونکہ علاقائی حساب میں تو آتے ہیں لیکن حصہ کی وصولی میں عینیوں کی موجودگی میں خائب اور خاسر رہتے ہیں۔

”الا اذا كانت من بنی الاعیان اخت واحدة“ ہاں اگر بنو الاعیان میں صرف ایک بہن ہو تو دادے کے حصے کے بعد جمیع مال کا نصف اسے دینے پر اگر کچھ بچ جائے تو وہ بنو العلقات کو دیا جائے گا نہیں تو پھر نہیں۔ جیسے کوئی متوفی دادے کے ساتھ ایک عینی بہن اور دو علاقائی بہنیں چھوڑ جائے تو بوجہ دادے کے لئے مقاسمۃ بہتر ہونے کے اسے ایک بھائی فرض کرتے ہوئے، مسئلہ کی تشکیل 5 سے ہوگی جس میں سے

[یعنی بہن کو نصف $2\frac{1}{2}$]، [دادا کو 2]، اور [مابقی $\frac{1}{2}$ علاقائی دو بہنوں کو]

یعنی بہن کے حصے میں دو کے ساتھ کسر بھی $\frac{1}{2}$ آئی، لہذا نصف کے مخرج دو کے ساتھ اصل مسئلہ کو ضرب دے کر حاصل ضرب $5 \times 2 = 10$ سے تصحیح کو دیکھا جائے گا، لہذا 10 میں سے دادا کو 4 اور بہن کو 5 اور علاقائی دو بہنوں کو 1 ملا، لیکن ایک دو پر صحیح تقسیم نہیں ہوتا بلکہ نصف نصف آتا ہے لہذا نصف کے مخرج 2 کو مزید 10 میں ضرب دے کر مسئلہ کو بسیط کر کے حصص کی تصحیح کی جائے گی، لہذا $10 \times 2 = 20$ سے تصحیح ہوگی۔

دادا کو اب 8، یعنی بہن کو 10 اور علاقائی بہنوں کو 2 ملیں گے جو ان پر ایک ایک کی صورت میں پورے تقسیم ہوں گے۔

تو اس مذکورہ صورت میں علاقائی بہنوں کے لئے جمیع مال کا عشر (دسواں) حصہ بچ گیا جو انہیں دیا گیا اور اگر نہ بچتا تو وہ محروم رہ جاتیں۔



ولو كانت في هذه المسئلة اخت لا ب لم يبق لها شئ، وان اختلط بهم ذوسهم
فللجد هنا افضل الامور الثلاثة بعد فرض ذى سهم:

(1) اما المقاسمة، كزوج وجد واخ-

(2) واما ثلث مابقي، كجد وجدة واخوين واخت

(3) واما سدس جميع المال، كجد وجدة وبنت واخوين

واذا كان ثلث الباقي خيراً للجد وليس للباقي ثلث صحيح، فاضرب مخرج
الثلث في اصل المسئلة

اگر مسئلہ مذکورہ میں دو علاقائی بہنوں کی بجائے ایک ہوتی تو بوجہ مسئلہ کی تشکیل 4 سے
اس کے لئے کچھ نہ بچتا، تو وہ محروم رہ جاتی، کیونکہ دادا کو بوجہ مقاسمت دو ملتے اور جمیع مال کا
نصف یعنی 2 یعنی بن کو، باقی کچھ نہ بچتا، لہذا ایک علاقائی بہن محروم رہ جاتی۔

”وان اختلط ...“

اور اگر دادے اور بھائیوں کے ساتھ کوئی اصحاب الفروض سے وارث موجود ہو تو پھر
صاحب فرض کو اس کا حصہ دینے کے بعد مندرجہ ذیل تین امور میں سے جس امر کے مطابق
دادا کو بہتر حصہ ملتا ہو گا اس کے مطابق دیا جائے گا۔

(1) مقاسمہ - یعنی - دادے کو بھائیوں کے ساتھ ایک بھائی فرض کر کے حصہ دینا۔

(2) اصحاب الفروض کو دینے کے بعد مابقی کا ثلث۔

(3) جمیع مال کا سدس۔

(1) ”اما المقاسمة.....“

* پہلی صورت میں جبکہ کوئی مرنے والی عورت / زوج، جد اور بھائی اپنے پیچھے
چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل بوجہ زوج کے نصف کے دو سے ہو گی۔ 2 کا نصف ایک زوج
کو ملا لیکن مابقی ایک مقاسمہ کی صورت میں جد اور اخ کے درمیان صحیح منقسم نہیں۔ لہذا جد
اور اخ کے رؤوس کو مسئلہ میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی لہذا

$$[2 \times 2 = 4 \text{ سے تصحیح ہوگی}]$$

$$[2 = \text{زوج کو نصف}]$$

مقاسمۃً = [جد اور اخ کو ایک ایک $1+1=2$]

اس صورت میں دادے کے لئے ثلث مابقی اور جمع کے سدس سے مقاسمہ بہتر ہے کیونکہ مقاسمۃ کی صورت میں اسے جمع مال میں سے ایک یعنی ربع مل رہا ہے جو مابقی کے ثلث اور جمع کے سدس سے بہتر ہے۔

(۲) دوسری صورت میں جبکہ مابقی کا ثلث دادے کے لئے بہتر ہو تو اسے مابقی کا ثلث ہی دیا جائے گا جیسے کوئی متونی اپنے پیچھے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن چھوڑ جائے تو مسئلہ کی بنیاد دادی کے سدس کے طفیل 6 سے ہوگی لیکن دادی کو سدس دینے کے بعد جو 5 بچے دادے کے لئے اس کا ثلث صحیح ممکن نہیں لہذا ثلث کے مخرج 3 کو اصل مسئلہ 6 سے ضرب دے کر مسئلہ کو بسیط کر لیا جائے گا۔ لہذا $3 \times 6 = 18$ سے حصص کی تقسیم درست ہوگی۔

دادی کو اصل مسئلہ سے $= 1$ مضروب $= 3$ میں ضرب دینے سے اسے $3 \times 1 = 3$ حاصل ہوں گے۔ مابقی 15 سے دادے کے لئے ثلث 5 ہوں گے۔ اور باقی 10 دو بھائیوں اور ایک بہن میں ”للدکر مثل حظ الانثیین“ کے اصول کے مطابق $4 + 4$ دونوں بھائیوں کو اور 2 بہن کو۔

ظاہر ہے کہ یہاں دادے کے لئے مابقی کا ثلث یعنی $= 18$ میں سے 5 نسبت مقاسمہ اور جمع مال کے سدس سے بہتر ہیں کیونکہ مقاسمہ کی صورت میں اسے دادی کے حصے کے بعد 15 میں سے $4\frac{2}{7}$ ملتا جو مابقی کے ثلث 5 سے کمتر ہے ایسے ہی جمع مال کے سدس 3 سے بھی ثلث $= 5$ بہتر ہیں، لہذا اس صورت میں مابقی کا ثلث ہی دادا کو دیا جائے گا۔

(۳) تیسری صورت میں جبکہ جمع مال کا سدس دادے کے لئے بہتر ہو تو اسے جمع مال کا سدس $\frac{1}{6}$ ہی دیا جائے گا۔ جیسے کوئی متونی جد، جدہ، دو بھائی اور ایک بیٹی چھوڑ جائے تو اصل مسئلہ کی تفکیک 6 سے ہوگی، جس میں سے جدہ کو فرضیت کی بناء پر سدس $= 1$ ملے گا، بیٹی کو بھی فرضیت کی بناء پر نصف $= 3$ ملیں گے۔ مابقی 2 کو دادے اور دو بھائیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

پر یہاں دادے کے لئے جمع مال کا سدس - یعنی 1 - مابقی کے ثلث اور مقاسمہ سے

بہتر ہے، لہذا اسے جمیع مال کا سدس ہی دیا جائے گا کیونکہ باقی کا ٹلٹ $\frac{2}{3}$ اور مقاسمہ کی صورت میں بھی $\frac{2}{3}$ جو دادے کے حصے میں آتا ہے وہ جمیع مال کے سدس یعنی مکمل ایک سے کم ہے۔

لہذا اس صورت میں دادے کو جمیع مال کا سدس $\frac{1}{6}$ ہی دینا بہتر ہو گا۔ جب باقی کا ٹلٹ دادے کے لئے بہتر تو ہو لیکن باقی کا ٹلٹ صحیح نہ ہو تو پھر ٹلٹ کے مخرج 3 کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب سے حصص کی تصحیح کر لی جائے گی، جیسا کہ پیچھے دوسری صورت میں ہوا۔



فان تركت جدًا وزوجًا وبنثًا واما واختًا لاب وام او لاب فالسدس خير للجد وتعول المسئلة الى ثلاثة عشر ولا شينى للاخت واعلم ان زيد بن ثابت رضى الله عنه لا يجعل الاخت لاب وام او لاب صاحبة فرض مع الجد؛ الا فى المسئلة الاكدرية؛ وهى زوج وام وجد واخت لاب وام او لاب فللزوجة النصف؛ وللأم الثلث وللجد السدس؛ وللأخت النصف ثم يضم الجد نصيبه الى نصيب الأخت؛ فيقسمان؛ للذكر مثل حظ الأنثيين لان المقاسمة خير للجد؛ اصلها من ستة وتعول الى تسعة وتصح من سبعة وعشرين وسميت "أكدرية" لانها واقعة امرأة من بنى اكدر؛ وقال بعضهم: سميت اكدرية؛ لانها كدرت على زيد بن ثابت مذهبه؛ ولو كان مكان الأخت اخ واختان فلا عول ولا اكدرية.

اگر کوئی متوفاء جد، زوج، بنت، ام اور ایک عینی بہن یا علاقائی چھوڑ جائے تو ایسی صورت میں دادے کے لئے جمع مال کا سدس نسبت ثلث باقی اور مقاسمہ کے بہتر ہے لہذا اسے جمع مال کا سدس ہی دیا جائے گا۔

مسئلہ مذکورہ کی تشکیل بوجہ دادے کے سدس، زوج کے ربع، بیٹی کے نصف اور ماں کے سدس کے "12" سے ہوگی، لیکن حصص کے پورا نہ ہونے کے باعث 13 تک عول کر جائے گا، چونکہ مال سے کچھ بچا ہی نہیں لہذا بہن محروم رہے گی، کیونکہ وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ ہونے کی صورت میں اصحاب الفروض سے بچا کچھ ہی لے سکتی تھی لیکن بچا ہی کچھ نہیں لہذا محروم رہے گی۔

یہاں دادے کے لئے جمع مال کا سدس ہی بہتر ہے لہذا اسے سدس ہی دیا جائے گا کیونکہ 13 میں سے اسے 2 ملے اور اگر باقی کا ثلث دیا جائے تو پھر اسے 13 میں سے جو ایک بچا اس کا $\frac{1}{3}$ ملے گا جو دو سے کم ہے۔ مقاسمہ کی صورت میں جو ایک بچا اس کا $\frac{2}{3}$ اسے ملے گا یہ بھی 2 سے کم ہے۔

واعلم..... خیال رہے! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عینی یا علاقائی بہن کو دادے کے ساتھ اصحاب الفروض میں سے نہیں سمجھتے، ہاں "مسئلہ اکدریہ" میں اسے صاحب فرض قرار دیتے

ہیں۔ جیسے متوفات زوج، ماں، دادا اور عینی یا علاقائی بہن چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی، جس میں سے

3	= نصف	زوج کو =
2	= ثلث	ماں کو =
1	= سدس	دادا کو =
3 ملین گے۔	= نصف	اور بہن کو =

یہاں چونکہ دادے کے لئے مقاسمہ بہتر ہے، لہذا بہن اور دادے کے حصص ملا کر مجموعاً ان پر ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کئے جائیں گے۔ لہذا مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی اور عول 9 تک، لیکن تصحیح 27 سے ہوگی۔ کیونکہ دادے کا حصہ = 1 اور بہن کے = 3 جمع کرنے پر = 4 دادا اور بہن پر مقاسمۃً پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے، لہذا رؤوس کو مسئلہ کے عول 9 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب 27 آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح درست ہوگی۔

خاوند کو	ماں کو	دادا کو	اور بہن کو
9	6	3	9

حصص حاصل ہوں گے۔ پھر دادا اور بہن کو جو حصص حاصل ہو گئے انہیں جمع کرنے کے بعد ان میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کئے جائیں گے۔ لہذا

دادا کے	3	بہن کے	9	12	میں سے اب
داد کو	8	اور بہن کو	4		ملیں گے۔

”تنبیہ“

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں بہن کو ابتداء ہی صاحبۃ الفرض اس لئے قرار دیا ہے کہ کہیں وہ میراث سے بالکلیہ محروم نہ ہو جائے۔ لیکن بالآخر دادے کے ساتھ ان کے حصص کو مقاسمۃً تقسیم کرتے وقت اسے عصبہ قرار دیا تاکہ اس کا حصہ دادے کے حصے سے بڑھنے نہ پائے۔ کیونکہ دادا یہاں بھائی کے قائم مقام ہے اور عینی، علاقائی بھائی کا حصہ بہن سے دو گنا ہوتا ہے لہذا یہاں بھی دادا کو بہن کے مقابلہ میں دو گنا دیا گیا۔

”اعتراض“

یہاں بہن کو صاحبۃ الفرض قرار دے کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے محرومیت سے بچایا ہے لیکن اس سے قبل کی مثال میں بہن کو صاحبۃ الفرض قرار دے کر اسے محرومیت سے کیوں نہیں بچایا؟

”جواب“

اصل وجہ یہ ہے کہ پہلی مثال میں بہن کو صاحبۃ الفرض قرار دینے سے مانع موجود ہے اور وہ لڑکی کا وجود ہے کیونکہ لڑکی بہن کو ”اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة“ اصول کے مطابق عصبۃ بناتی ہے نہ کہ صاحبۃ الفرض، اس لئے وہاں اس کو صاحبۃ الفرض قرار دے کر محرومیت سے نہیں بچایا جاسکتا۔ بخلاف مسئلہ اکدریہ کے یہاں وہ مانع موجود نہیں لہذا یہاں اسے صاحبۃ الفرض قرار دے کر محرومیت سے بچایا جاسکتا ہے۔

لیکن مسئلہ اکدریہ میں جب انہوں نے دیکھا کہ بہن کا حصہ دادے سے جو برتبہ بھائی کے ہے بڑھ گیا ہے تو انہوں نے مقاسمۃ ان کے حصص کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

”وجہ تسمیہ“

مسئلہ اکدریہ کو ”اکدریہ“ سے موسوم ذیل کی وجوہات پر کیا جاتا ہے۔

(۱) اس کا تعلق بنو اکدر کی کلمی عورت سے ہے جو وفات پر اپنے پیچھے مذکورہ ورثاء چھوڑ گئی۔

(۲) اس مسئلہ کے حل میں چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ان کا اپنا مذہب مکدر (مشتبہ) ہو کر رہ گیا اس لئے اسے ”اکدریہ“ سے موسوم کر دیا گیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ دادا بہن کو عصبۃ بناتا ہے نہ کہ صاحبۃ الفرض لہذا اسے صاحبۃ الفرض قرار دینے سے:

الف) ایک تو ان کے اپنے مذہب سے مخالفت لازم آئی۔

ب) دوسرے بہن کا حصہ دادا سے بڑھ گیا۔

ج) تیسرے اگر اسے عصبۃ قرار دیا جائے تو وہ محرومۃ عن المیراث ہوگی جو عینی اور علاقائی بہن بھائیوں کی توریث مع الجد کے خلاف ہے۔

(۳) یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اس مسئلہ سے بوجہ عول کے اصحاب الفروض کے حصص میں

کندر (نقصان) پیدا ہوتا ہے لہذا اس لئے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۴) بعض کا خیال ہے کہ بنو اکدر سے تعلق رکھنے والے کسی انسان نے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مسلک فی الفرائض پر عبور رکھتا تھا۔ عبد الملک بن مروان کے اس مسئلہ کے بارے سوال کے جواب میں غلطی کی تو اس مسئلہ کو اس کے قبیلہ اکدر کی طرف بوجہ غلطی کے منسوب کر دیا گیا۔

اہل عراق اس مسئلہ کی شہرت کی بنیاد پر اسے ”مسئلۃ الغراء“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

”ملاحظہ“

”مسئلہ اکدریہ“ کے ورثاء میں سے اگر کسی ایک وارث کو بھی تبدیل کر دیا جائے تو پھر وہ اکدریہ نہیں رہتا اس کے وجود کے لئے اس میں مذکور ورثاء کا وجود ضروری ہے اس لئے ماتن فرماتے ہیں:

”ولو كان مكان الاخت اخ او اختان فلا عول ولا اكدرية“ کیونکہ اگر اخت کی جگہ بھائی ہو تو پھر عول کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں جمیع ترکہ کا سدس دادا کے لئے بہتر ہو گا جو اسے دیا جائے گا۔ لہذا مسئلہ 6 سے تفکیل پائے گا جس میں سے زوج کو نصف $1/2$ اور ماں کو ثلث $1/3$ دینے کے بعد سدس ہی بچا جو دادے کو بلا نقصان بالفرضیت دے دیا جائے گا۔ اب بھائی کے لئے کچھ بچا ہی نہیں کہ اسے دیا جائے۔ لہذا وہ محروم رہے گا۔

اور اکدریہ بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ بھائی عصبتہ ہے اسے صاحب فرض بنانا ممکن نہیں لہذا وہ محبوب رہے گا۔ اور جب ایک اخت کی جگہ اختان ہوں تو بھی عول کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں ماں کا حصہ ثلث کی بجائے سدس ہو گا اور عول کی ضرورت نہ پڑے گی۔ کیونکہ مسئلہ کی تفکیل 6 سے ہوگی جس میں سے زوج کو نصف 3، ماں کو سدس 1، دادا کو بھی سدس 1، باقی دو بہنوں کے لئے ایک بچا جو ان پر مستقیم تقسیم نہیں ہوتا۔ لہذا ان کے عدد رؤوس کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر $6 \times 2 = 12$ سے تصحیح کر لی جائے گی۔ اب 6 کی تصحیح سے جو کچھ کسی کو ملا اسے 2 مضروب میں ضرب دے کر 12 کی تصحیح سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔

دو بہنوں کو 6 کی تقسیم سے ایک ملا تھا لہذا اب انہیں $2 = 2 \times 1$ ملیں گے، جو وہ آپس میں ایک ایک تقسیم کر لیں گی۔
”تصرت“

”الجد مع الاخوة“ بھائیوں کے ساتھ جد صحیح کی وراثت میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور آمنہ عظام میں اختلاف ہے۔ چونکہ اس کے بارے کتاب و سنت میں کوئی آیت اور حدیث موجود نہیں لہذا اکثر صحابہ کو جد کی میراث میں توقف رہا۔ اور اس کی توریث میں کسی قسم کے حکم سے خائف رہے۔ حتیٰ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(۱) ”سلونا عن عضلکم واترکونا من الجد“ لایہاء ولایاہ“ یعنی مشکل مسائل کے بارے دریافت کیجئے لیکن دادے کی وراثت کے بارے کچھ نہ پوچھئے اللہ تعالیٰ نہ اسے خوش رکھے اور نہ ہی اسے بلند مقام نصیب کرے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اجرؤکم علی قسمة الجد“ اجرؤکم علی النار“ یعنی دادے اور بھائیوں کی میراث کے بارے دلیری سے کام لینے والا ایسے ہی ہے جیسے کوئی جنم کے حصول میں دلہری کرتا ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”من سرہ ان یقتحم جہنم“ فلیقص بین الجد والاخوة“ یعنی جس انسان کے لئے جنم کا دخول خوش کن ہے وہ دادے اور بھائیوں کی میراث کے بارے فیصلہ دے سکتا ہے۔

ان تینوں اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ دادے کی میراث کے فیصلہ میں کس قدر خائف اور محتاط تھے اور یہ سب کچھ کسی نص کے نہ پائے جانے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ دادے کی توریث مع الاخوة میں نص کے نہ ہوتے ہوئے اجتہاد ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اجتہاد میں خطا کا امکان ہے جس میں مستحق کو غیر مستحق اور غیر مستحق کو مستحق قرار دیا جاسکتا ہے لہذا بعض صحابہ اس میں خوف محسوس کرتے رہے۔ خاص کر حقوق مالیہ (مسئلہ میراث) میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سمجھتے ہوں کہ مسئلہ میراث کی اہمیت کے باعث جب اللہ تعالیٰ اور شریعت نے ہر ایک کا حصہ بیان فرما دیا ہے تو مسئلہ جد میں کیونکر مداخلت کی جائے جس سے ظلم و جور، غبن و قصور کا بھی ورثاء کے حق میں امکان ہے۔

لیکن ان کا یہ خطرہ سلف صالحین اور آمنہ مجتہدین کی اس بارے آراء اور بالادہ

مذہب کے ظہور کے بعد دور ہو گیا۔ اب ان کی اس تحقیق کے بعد انسان کے لئے قابل اعتماد، سنج، اقویٰ اور زیادہ صحیح مذہب کا اختیار کرنا اور اس کے مطابق فتویٰ دینا ممکن اور آسان ہو گیا۔ کیونکہ ہر فریق کی دلیل اب ہر ایک کے سامنے ہے۔

”تحقیق الآئمة“

میراث الجد مع الاخوة میں صحابہ کے اختلاف کے پیش نظر آئمہ کا بھی اختلاف ہے۔ ایک فریق کا یہ کہنا ہے کہ بھائی مطلقاً خواہ وہ یعنی ہوں یا علاقائی اور اخپانی، مذکر ہوں یا مونث دادے کی موجودگی میں محبوب عن الوراثة ہوں گے۔ انہیں وراثت سے کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ دادا باپ کے نہ ہونے کی صورت میں جمیع احوال میں باپ کے قائم مقام ہے۔ لہذا باپ کی موجودگی میں اگر بھائی محبوب ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دادا کی موجودگی میں وہ محبوب نہ ہوں۔

نیز متعدد عصبات کی موجودگی میں جت نبوت کو تمام جہلت پر تقدم حاصل ہے اس کے بعد ابوت کو بعدہ اخوة کو پھر عمومۃ کو۔ تو پھر اس لحاظ سے کبھی دادے کے ہوتے ہوئے بھائی کیسے وارث ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ دادا بھی ایک اب اعلیٰ ہے اور جت ابوت جت اخوت پر مقدم ہے۔

یہ قول صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر، ابن عباس، ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور یہ ہی مذہب امام ابو حنیفہ صاحب کا بھی ہے۔

فریق ثانی کا یہ خیال ہے۔

اولاً: بن بھائی خواہ یعنی ہوں یا علاقائی ”یرثون مع الجد“ کہ وہ دادا کی موجودگی میں وارث ہوں گے اور دادے کا وجود ان کے لئے میراث سے حاجب نہ ہو گا۔ اس پر جت ودلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ دادا اور بھائی کا بحیثیت اولاء الی المیت ایک ہی درجہ ہے۔ کیونکہ دادا بوساطت باپ میت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور بھائی بھی بوساطت باپ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دادا باپ کا اصل ہے اور بھائی باپ کی فرع۔ لیکن فریقین کی نسبت الی المیت کے درجے میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا یہ کوئی معقول اور عدل وانصاف کی بات نہیں کہ دادا کو تو وارث بنایا جائے، بھائیوں، بہنوں کو محبوب رکھا جائے۔ نیز اس سے ترجیح بلا مرجع بھی لازم آئے گی۔ اور یہ ایسا ہو گا جیسے بھائیوں

میں سے بعض کو تو کچھ وراثت میں دیا جائے اور بعض کو محبوب رکھا جائے حالانکہ ان کا درجہ وراثت میں برابر ہے۔

ثانیاً: فریق ثانی کا عقلاً یہ بھی کہنا ہے کہ:

الف)..... بھائیوں کو دادے کی نسبت مال کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ دادا اکثر بڑھاپے اور شخونہ کے مرحلہ میں ہوتا ہے جبکہ بھائی اکثر نوجوان۔ لہذا ایسی صورت میں اگر دادا جمیع ترکہ کا وارث ہو کر وفات پا جائے تو ترکہ اس کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا جو وفات پانے والے انسان اور اس کے بہن بھائیوں کے چچا اور پھوپھیاں ہوں گی۔ لیکن ان کے مقابلہ میں بہن اور بھائیوں کو ماسوائے بکاء اور تفع کے کچھ نہ حاصل ہو گا۔

ب)..... بکاء تو متوفی بھائی کی وفات کے سبب اور

ج)..... تفع مال مفقود پر جس میں سے انہیں کچھ نہ مل سکا۔

یہ مسلک جمہور صحابہ میں سے حضرت علیؓ ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین کا ہے جن کے رئیس امام الفرائض حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور امام شعبی رحمہ اللہ اہل مدینہ اور آئمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا، نیز امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کا علامہ سجاد ندویؒ کے قول کے مطابق احناف کا فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے جبکہ شمس الآئمہ سرخسیؒ کے قول کے مطابق فتویٰ صاحبین کے قول پر۔

یہی دوسری رائے زیادہ رائج، قابل اعتماد، اقرب الی العدل، اقویٰ اور مصلحت عامہ کے زیادہ مطابق ہے۔ اسی لئے اکثر بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل ہے۔

”للجد مع الاخوة حالتان“ جمہور کے مسلک کے مطابق دادے کی مع الاخوة دو حالتیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے۔

(۱) پہلی حالت یہ ہے کہ دادے کے ساتھ صرف بھائی اور بہنیں ہی ہوں۔ کوئی دوسرا وارث اصحاب الفروض میں سے موجود نہ ہو۔ مثلاً متوفی اپنے پیچھے دادا اور بہن بھائی تو چھوڑ جائے لیکن اصحاب الفروض میں سے بیوی، ماں اور بیٹی میں سے کوئی نہ چھوڑے۔ تو ایسی حالت میں دو صورتوں میں سے جوئی صورت دادے کے لئے بہتر ہو گی۔ یعنی جس صورت میں اس کا حصہ زیادہ ہو گا اسی کے مطابق عمل ہو گا۔

صورت اولیٰ: [مقاسمہ] صورت ثانیہ: [جمع مال کا ثلث]
 اگر مقاسمہ بہتر ہو تو اس کے مطابق اسے حصہ دیا جائے گا اور اگر جمع ترکہ کا ثلث بہتر ہو تو اس کے مطابق اسے حصہ دیا جائے گا۔
 خیال رہے! حالت اولیٰ میں مندرجہ ذیل صورتوں میں دادے کے لئے مقاسمہ بہتر ہو گا۔

اولیٰ: جبکہ دادا کے ساتھ ایک سے تین تک عینی بہنیں ہوں۔ تو ایک کی موجودگی میں $\frac{2}{3}$ دادا کو ملے گا۔ دو کی موجودگی میں نصف و نصف، تین کی موجودگی میں $\frac{2}{5}$ جمع ترکہ سے مقاسمہ دادا کو ملے گا۔

ثانیہ: دادا کے ساتھ ایک عینی بھائی موجود ہو تو ترکہ ان میں نصف و نصف تقسیم ہو گا۔
 ثالثہ: دادا کے ساتھ ایک عینی بھائی اور ایک عینی بہن ہو تو دادا اور عینی بھائی کو $\frac{2}{5}$ - $\frac{2}{5}$ اور بہن کو $\frac{1}{5}$ ملے گا۔

ان مذکورہ صورتوں میں مقاسمہ جمع کے ثلث ملے بہتر ہے لہذا دادا کو مقاسمہ دینا ہی بہتر ہے اور ذیل کی صورتوں میں جمع کا ثلث مقاسمہ کی نسبت بہتر ہے لہذا دادا کو جمع کا ثلث ہی دیا جائے گا۔

اولیٰ: دادا اور تین یا زیادہ بھائی ہوں۔

ثانیہ: دادا اور پانچ بہنیں یا زیادہ ہوں۔

ثالثہ: دادا اور دو بھائی اور دو بہنیں ہوں۔

ان مذکورہ بالا صورتوں میں دادا کو جمع ترکہ میں سے ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہن، بھائیوں میں ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کیا جائے گا۔

اگر ان صورتوں میں دادا کو مقاسمہ دیا جائے تو وہ جمع کے ثلث سے کم ہو گا لہذا جمع کا ثلث ہی اس کے حق میں بہتر ہو گا۔ کبھی مقاسمہ اور جمع ترکہ کا ثلث برابر برابر ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جس کے مطابق بھی عمل ہو درست ہے۔ جیسے ورثاء کی مندرجہ ذیل تین صورتوں میں:

اولیٰ: دادا اور دو عینی بھائی ہوں۔

ثانیہ: دادا اور چار عینی بہنیں ہوں۔

ثالثہ:..... دادا ایک یعنی بھائی اور دو یعنی بہنیں ہوں۔

ان تینوں صورتوں میں مقاسمہ اور جمیع کا ثلث برابر ہے۔ اور کبھی مقاسمہ اور جمیع کا سدس برابر برابر ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے دادا کے ساتھ پانچ یعنی بھائیوں کی صورت میں۔

”مفہوم المقاسمہ“

خیال رہے! جد کو ایک بھائی فرض کر کے اس کے ساتھ ترکہ کی تقسیم میں بھائی جیسا سلوک کرنے کا نام مقاسمہ ہے۔ یعنی اگر اس کے ساتھ متوفی کی ایک بہن ہو تو بھائی کی مانند اسے دو گنا ملے گا۔ اور اگر ایک بھائی ہو گا تو ان میں مال نصف و نصف تقسیم ہو گا۔ حالت اولیٰ میں اگر مقاسمہ دادے کے حق میں ثلث مال سے کم ہو تو اسے ثلث دیا جائے گا۔

(۲) دادا کی مع الاخوة دوسری حالت یہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ اصحاب الفروض میں سے بھی کوئی ایک موجود ہو۔

مثلاً.... ماں، بیوی، خاوند، بیٹی اور پوتی میں سے کوئی ایک ہو تو ایسی صورت میں دادے کو ذیل کے تین امور میں سے جو بہتر ہو گا اس کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

اول:..... مقاسمہ کے مطابق۔

ثانی:..... باقی ترکہ میں سے ثلث۔

ثالث:..... جمیع مال کا سدس۔

لیکن اس حالت ثانیہ میں شرط یہ ہے کہ دادے کا حصہ جمیع ترکہ کے سدس سے کم نہیں ہونا چاہئے اگر اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد سدس سے کم دادے کے لئے بچے تو دادے کو سدس پورا دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مسئلہ عول کر جائے گا۔ لہذا بھائیوں کو کچھ نہ مل سکے گا کیونکہ ان کے لئے بچا ہی کچھ نہیں۔

جیسے کوئی متوفیہ خاوند، 5 بیٹیاں، دادا اور 4 یعنی بھائی چھوڑ جائے۔ تو مسئلہ کی تفصیل 12 سے ہوگی۔ جس میں سے خاوند کو ربع، 3 بیٹیوں کو ثلثان، 8 دادا کو سدس 2 ملیں گے اور یعنی بھائی ایسی صورت میں باتفاق آئمہ محبوب ہوں گے۔ کیونکہ مسئلہ کے 12 سے 13 تک عول کر جانے سے بھائیوں کے لئے کچھ نہ بچا۔ اگر اصحاب الفروض کو دینے کے بعد دادے کو مقاسمہ دینا بہتر ہو تو اس کے مطابق اسے حصہ دیا جائے گا جیسے کوئی متوفیہ خاوند، دادا اور ایک یعنی بھائی چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تفصیل 4 سے ہوگی۔ جس میں سے خاوند کو نصف $\frac{1}{2}$

دادا اور بھائی کو مقاسمہ مابقی نصف نصف ملے گا۔ لہذا یہاں مقاسمہ مابقی کے ثلث اور جمع کے سدس سے بہتر ہو گا۔ اور اگر مابقی کا ثلث بہتر ہو تو اس کے مطابق دادا کو حصہ دیا جائے گا۔

جیسے کوئی متوفی ماں، دادا، دو عینی بھائی اور دو عینی بہنیں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی جس میں سے ماں کو سدس $\frac{1}{6}$ دادا کو مابقی کا ثلث $1\frac{2}{3}$ ماں اور دادا کے حصص کے بعد مابقی $3\frac{1}{3}$ بہنوں اور بھائیوں کو ”لذکر مثل حظ الانثیین“ دیا جائے گا۔

مذکورہ صورت میں دادا کے لئے مابقی کا ثلث جمع کے سدس اور مقاسمہ سے بہتر ہے لہذا اسے مابقی کا ثلث ہی دیا جائے گا۔ اگر مقاسمہ اور مابقی کے ثلث سے جمع کا سدس بہتر ہو تو دادا کو جمع کا سدس ہی دیا جائے گا۔

جیسے کوئی متوفی ایک بیٹی، جدہ، جد اور تین عینی بہنیں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی جس میں سے بیٹی کو نصف $\frac{1}{2}$ جدہ کو سدس $\frac{1}{6}$ جد کو بھی سدس $\frac{1}{6}$ اور عینی بہنوں کو مابقی ملے گا۔

یہاں دادا کے لئے سدس مابقی کے ثلث اور مقاسمہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ جمع کا سدس ایک مکمل ہے اور مابقی کا ثلث بیٹی اور جدہ کو ان کے 6 میں سے 4 حصص دینے کے بعد $\frac{2}{3}$ سے زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ $\frac{2}{3}$ ایک مکمل سے کم ہے۔ اور اگر مقاسمہ دیا جائے تو اسے تین بہنوں کے ساتھ $\frac{2}{5}$ حصے میں آئے گا۔

ظاہر ہے کہ $\frac{2}{5}$ مابقی کے ثلث سے بھی کم ہے۔ لہذا یہاں جمع ترکہ کا سدس ہی دادا کے لئے بہتر ہو گا اور وہ ہی اسے دیا جائے گا۔

اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد اگر دادا کے لئے سدس سے کم بچے تو اس کا سدس پورا کیا جائے گا خواہ مسئلہ عول کو ہی اختیار کر جائے۔ جیسے کسی متوفیہ کے ورثاء میں خاوند، 5 بیٹیوں، دادا اور چار عینی بھائیوں کی صورت میں گزر چکا ہے۔ وہاں مسئلہ کی تشکیل 12 سے ہوئی لیکن دادا کے حصہ سدس کو پورا کرنے کے لئے مسئلہ 12 سے 13 تک عول کر گیا۔

اور اگر دادا کے لئے اصحاب الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد کچھ بھی نہ بچے

تو دادا کو سدس ضرور دیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی مسئلہ عول کرے گا۔
 جیسے کوئی متوفاة خاوند، 4 بیٹیاں، ماں، دادا، 3 عینی بھائی، اور 2 عینی بہنیں چھوڑ جائے تو
 مسئلہ کی تشکیل 12 سے ہوگی جس میں سے خاوند کو ربع 3، 4 بیٹیوں کو ثلثان 8، ماں کو
 سدس 2، دادا کو سدس 2 دیا جائے گا۔ عینی بہن بھائیوں کے لئے کچھ بچا ہی نہیں کہ انہیں
 دیا جائے لہذا وہ محبوب رہیں گے۔ یہاں مسئلہ کی تشکیل 12 سے ہوئی لیکن عول 15 تک کر
 گیا۔

”تنہیات“

(1) خیال رہے! مسئلہ عولیہ میں بہنوں بھائیوں کے لئے کچھ نہیں بچتا لہذا وہ محبوب ہوں
 گے۔

(2) اور دادا کو سدس اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں صاحب فرض ہو جاتا ہے
 جس کا حصہ سدس سے کم نہیں خواہ مسئلہ عول ہی کیوں نہ اختیار کر جائے۔

(3) نیز جمع الاخوة کی دونوں سابقہ حالتوں میں اگر عینی بہن بھائیوں کی جگہ علاقائی ہوں تو
 مسائل کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ علاقائی بہن بھائیوں کا معاملہ دادا کے
 ساتھ عینی بہن بھائیوں کی عدم موجودگی میں ایسا ہی ہے جیسے عینیوں کا دادا کے ساتھ۔
 (4) عینی اور علاقائی بھائیوں کی اولاد بالاتفاق دادے کی معیت میں وارث نہیں بلکہ تمام ترکہ
 کا مالک دادا ہوگا۔

”حکم الاخوة لاب وام و لاب مع الجد“

دادے کے سابق احکام کا تعلق یا تو عینی بہن بھائیوں کے ساتھ ہے اور یا پھر علاقائی بہن
 بھائیوں کے ساتھ۔

لیکن ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دادے کے ساتھ عینی اور علاقائی بہن بھائی
 دونوں اقسام سے ہوں۔ ایسی صورت میں عینی اور علاقائی تمام بہن بھائی یوں شمار ہوں گے جیسے
 وہ تمام کے تمام عینی ہیں۔ لیکن ان کا یہ شمار دادے کے حصے کو نقصان پہنچانے کی حد تک ہو
 گا جب دادا اپنا حصہ لے لے گا تو باقی ماندہ ترکہ تمام کا تمام عینی بہن بھائیوں میں ”للذکر
 مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا اور علاقائی محبوب رہ جائیں گے۔

الغرض! علاقائی عینی بہن بھائیوں کے ہوتے ہوئے میراث سے محبوب ہوں گے ہاں اگر

یعنی صرف ایک بہن ہو تو اس کو نصف مال دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو وہ علاقوں میں
 ”لذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔

جیسے کوئی انسان اپنے پیچھے:

(۱) ایک یعنی بہن، دادا اور ایک علاقائی بھائی اور دو علاقائی بہنیں چھوڑ جائے تو مسئلہ کی
 تشکیل 6 سے ہوگی جس میں سے یعنی بہن کو نصف 3، دادا کو ثلث 2 اور علاقائی بہن
 بھائیوں کو باقی ایک سدس حصے میں آئے گا۔ یہاں چونکہ ایک سدس بچ گیا لہذا
 علاقوں کو مل گیا۔ اگر نہ بچتا تو وہ محبوب رہتے جیسے پیچھے گزر چکا ہے۔
 یا جیسے کوئی متوفی۔

(۲) ماں، دادا، یعنی بہن اور دو علاقائی بھائی چھوڑ جائے تو مسئلہ کی تشکیل 12 سے ہوگی لیکن
 تصحیح 36 سے جس میں سے ماں کو سدس 6، دادا کو باقی کا ثلث 10، یعنی بہن کو جمع کا
 نصف 18، اور دو علاقائی بھائیوں کو باقی ملیں گے۔
 24 سے تصحیح اس لئے درست نہیں کہ ماں کو سدس دینے کے بعد باقی 20 کا ثلث
 بلا کسر صحیح نہیں آتا لہذا تصحیح 36 سے ہی ممکن ہے۔



باب المناسخة

ولو صار بعض الانصباء ميراثاً قبل القسمة، كزوج وبنت وام، فمات الزوج قبل القسمة عن امرأة وابوين، ثم ماتت البنت عن ابنين وبنت وجدة ثم ماتت الجدة عن زوج واخوين، فالاصل فيه ان تصحح مسألة المیت الاول وتعطى سهام كل وارث من التصحيح، ثم تصحح مسألة المیت الثانى، وتنظر بين ما فى يده من التصحيح الاول وبين التصحيح الثانى ثلثة احوال، فان استقام ما فى يده من التصحيح الاول على الثانى فلا حاجة الى الضرب، وان لم يستقم فانظر ان كان بينهما موافقة، فاضرب وفق التصحيح الثانى فى الاول۔

باب المناسخة "مناسخه" بوزن مفاعلة مشتق من النسخ جس کے لغۃً معنی "ازالہ الشیئی" "تغییر" اور "نقل" کے ہو سکتے ہیں، جیسے علی الترتیب: نسخت الشمس الظل، نسخت الريح آثار الديار، ونسخت الكتاب بمعنى نقلت ما فيه. کی امثلہ سے واضح ہے۔ لیکن اہل فن کی اصطلاح میں "نقل نصیب بعض الورثة بموته قبل القسمة الى من يرث منه" کا نام مناسخہ ہے۔ یعنی کسی وارث کے حصے کو بوجہ اس کی موت کے جو تقسیم مال سے قبل واقع ہو گئی اس کے وارث کی طرف منتقل کر دینے کو مناسخہ کہتے ہیں۔ اور اس میں وارث کی موت سے کبھی پہلے مسئلہ کا ازالہ، قسمت کی تغیر اور ایک وارث سے دوسرے وارث کی طرف ملک کا انتقال پایا جاتا ہے۔

"ولو صار بعض الانصباء....."

یعنی اگر کسی وارث کا حصہ مورث کے مال کی تقسیم سے قبل میراث بن جائے۔ یعنی وارث بھی فوت ہو جائے تو مال کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل ضابطے کو عمل میں لایا جائے گا۔ سب سے پہلے میت اول کے مال کی تصحیح سابقہ قواعد کے مطابق عمل میں لاتے ہوئے ہر وارث کو اس کا حصہ دیا جائے گا، بعدہ میت ثانی کو میت اول کے مال سے جو کچھ ملا ہے اس کی تصحیح اپنے ورثاء میں عمل میں لائی جائے گی اور جو کچھ اسے تصحیح اول سے ملا اس کے اور تصحیح ثانی کے درمیان مندرجہ ذیل تین امور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

- (۱) جو کچھ اسے تصحیح اول سے ملا ہے اگر وہ تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو فیہا ونعمت ضرب وغیرہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔
- (۲) اگر صحیح تقسیم نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا آیا ان میں نسبت موافقت کی ہے یا نہیں، اگر نسبت موافقت کی ہو تو پھر تصحیح ثانی کے وفق کو تصحیح اول میں ضرب دی جائے گی۔



وان كان بينهما مباينة فاضرب كل التصحيح الثاني في كل التصحيح الاول فالمبلغ مخرج المسئلتين فسام ورثة الميت الاول تضرب في المضروب اعني في التصحيح الثاني او في وفقه وسام ورثة الميت الثاني تضرب في كل ما في يده او في وفقه.

وان مات ثالث او رابع او خامس فاجعل المبلغ مقام الاولى والثالثة مقام الثانية في العمل ثم في الرابعة والخامسة كذلك الى غير النهاية

(۳) مباينة کی صورت میں تمام تصحیح ثانی کو تمام تصحیح اول میں ضرب دے کر حاصل ضرب سے دونوں مسئلوں کی تصحیح کر لی جائے گی۔

وہ یوں کہ میت اول کے ورثاء کے حصوں کو مضروب یعنی تصحیح ثانی -- یا اس کے وفق میں ضرب دے کر علیحدہ کر لیا جائے گا۔ اور میت ثانی کے ورثاء کے حصوں کو مباينة کی صورت میں تمام مانی الید یا اس کے وفق میں ضرب دے کر علیحدہ کر لیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی تیسرا یا چوتھا یا پانچواں وارث بھی مال کی تقسیم سے قبل وفات پا جائے تو اس مبلغ کو۔ جس سے مسئلہ اولیٰ اور ثانیہ کی تصحیح ہوئی۔ مقام اول پر اور وہ مسئلہ جو میت ثالث سے متعلق ہو گا مقام ثانی پر عمل میں رکھا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس رابعہ اور خامسہ کو الی غیر النہایہ

”تصریح“

خیال رہے! مناسختہ تین حالات سے خالی نہیں۔

(۱) اگر میت ثانی کے ورثاء بھی وہی ہوں جو میت اول کے ہیں۔ اور تقسیم ترکہ میں تغیر کا بھی امکان نہ ہو تو ایسی صورت میں ترکہ کی ایک بار موجود ورثاء میں تقسیم کر دی جائے گی اور تکرار تقسیم کی ضرورت نہ ہوگی۔ مثلاً:

کوئی متوفی کسی ایک بیوی سے بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ جائے جن میں سے کوئی ایک بیٹا یا بیٹی متوفی کے ترکہ کی تقسیم سے قبل وفات پا جائے اور اس کا کوئی وارث بھی نہ ہو ماسوائے متوفی اول کے بیٹوں اور بیٹیوں کے جو اس کے حقیقی بھائی اور بہنیں ہیں۔ تو ایسی صورت میں متوفی اول کے ترکہ کو متوفی ثانی کو کالعدم سمجھتے ہوئے موجود بیٹوں

اور بیٹیوں میں "للذکر مثل حظ الانثیین" تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) اگر میت ثانی کے ورثاء وہی ہوں جو میت اول کے ہیں لیکن میت ثانی کے اعتبار سے ترکہ کی تقسیم میں تغیر واقعہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں عمل جدید یعنی تصحیح ثانی کی ضرورت ہوگی۔ جیسے متوفی ایک بیوی سے ایک بیٹا اور دوسری سے تین بیٹیاں چھوڑ جائے پھر متوفی کے ترکہ کی تقسیم سے قبل ایک بیٹی وفات پا جائے اور اپنے پیچھے یہی ورثاء جن میں سے ایک اس کا علاقائی بھائی اور دو یعنی بہنیں ہیں چھوڑ جائے تو ایسی صورت میں پہلی میت کی تصحیح علیحدہ اور دوسری کی علیحدہ ہوگی۔ لہذا

تصحیح اول:

متوفی تاویل مسئلہ 5 سے (کل ترکہ 105 روپیہ)

ورثاء	1 بیٹا	دوسری بیوی سے 3 بیٹیاں
حصص	42	63

مال کی تقسیم "للذکر مثل حظ الانثیین" ہوگی۔ اور ہر بیٹی کو 21 حصص ملیں گے۔

تصحیح ثانی:

تصحیح ثانی سے ترکہ 21 روپیہ

ورثاء	2 یعنی بہنیں	ایک علاقائی بھائی
حصص	14	7

مال کی تقسیم $\frac{2}{3}$ یعنی بہنوں کو، ہر ایک کو 7 اور باقی عصبۃ علاقائی بھائی کو۔

تصحیح اول اور ثانی میں سے متوفی اول کے بیٹے کو 105 میں سے $42 + 7 = 49$ ملیں گے۔ اور دو بیٹیوں کو 105 میں سے $42 + 14 = 56$ ملیں گے۔

اگر ترکہ کی تقسیم میں تغیر واقعہ نہ ہوتی تو موجود ورثاء ایک بیٹے اور دو بیٹیوں میں

ترکہ "للذکر مثل حظ الانثیین" تقسیم ہوتا تو بیٹے کو $52\frac{1}{2}$ اور دو بیٹیوں کو بھی

$52\frac{1}{2}$ ملتے لہذا تصحیح ثانی کے باعث بیٹے کو ساڑھے تین $3\frac{1}{2}$ روپے کم ملے

اور بیٹیوں کو ساڑھے تین $3\frac{1}{2}$ زیادہ۔

(۳) اگر میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے غیر ہوں تو بھی علیحدہ تصحیح کی ضرورت ہوگی۔ جیسے ماتن کی بیان کردہ مثال سے واضح ہے۔

ایک عورت خالدہ وفات کے وقت اپنے پیچھے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ جاتی ہے۔

زوج	بنت	ام
زید	کریمہ	عظیمہ

تصحیح کے بارے میں جب ہم مذکورہ اصولوں کو پیش نظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ، مسئلہ ردیہ ہے۔ کیونکہ زوج، بنت اور ام کا علی الترتیب ربع، نصف اور سدس جمع ہو جانے سے مسئلہ کی تشکیل 12 سے ہوگی۔ جب ہم اس سے ربع نصف اور سدس کو اخذ کرتے ہیں۔ تو باقی ایک بچتا ہے جو اصول رد کے مطابق بنت اور ام کا حق ہے۔ لہذا ایسی صورت میں ”مخرج من لایرد علیہ“ سے ”من لایرد علیہ زوج“ کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ مسئلہ من یرد علیہ پر تقسیم ہو گا جو یہاں بنت کے نصف اور ام کے سدس کے باعث 4 سے تشکیل پاتا ہے۔

لیکن مسئلہ من لایرد علیہ سے ماٹھی 3 مسئلہ من یرد علیہ 4 پر تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ان کے درمیان نسبت تباین کی ہے لہذا مسئلہ من یرد علیہ کو اصل مسئلہ 4 سے ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ $4 \times 4 = 16$ لہذا زوج کو جو مسئلہ من لایرد علیہ سے 1 ملتا تھا اسے مسئلہ من یرد علیہ میں ضرب دینے سے 4 ملیں گے اور بیٹی نیز ام کو مسئلہ من یرد علیہ کے تناسب سے علی الترتیب 9 اور 3 ملیں گے۔

اس لحاظ سے 16 کی تصحیح سے زوج کو 4، بیٹی کو 9 اور ام کو 3 ملیں گے۔ اب خالدہ کے ترکہ کی تقسیم سے قبل اس کا خاوند زید وفات پاتے ہوئے اپنے پیچھے:

زوجہ	اب اور	ام
حلیہ	عمرو	رحیمہ

چھوڑ جاتا ہے۔ اب جبکہ میت ثانی زید کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے غیر ہیں۔ تو ان کی تصحیح بھی خالدہ کے ورثاء کی تصحیح سے علیحدہ ہوگی۔ لہذا زید کے ورثاء میں زوجہ، اب

اور ام کے باعث مسئلہ کی تشکیل ربع للزوجۃ اور ثلث مابقی للام کی وجہ سے 4 سے ہوگی۔ جس میں سے زوجہ کو 1 ماں کو 1 اور مابقی عصبتہ ہونے کی حیثیت میں باپ کو 2 ملے گا۔ چونکہ مسئلہ اور مانی الید میں مماثلت ہے لہذا یہاں ترکہ کی تقسیم آسانی سے مکمل ہوگئی۔ کیونکہ مسئلہ کی تشکیل بھی 4 سے اور مانی الیہ بھی 4 اب خالدہ کی بیٹی کریمہ بھی خالدہ کے ترکہ کی تقسیم سے قبل وفات پا جاتی ہے جو اپنے پیچھے:

بیٹی	بیٹا	دوسرا بیٹا	اور جدہ
رقیہ	خالدہ	عبد اللہ	عظیمہ

جو خالدہ کی ماں ہے، چھوڑ جاتی ہے۔

یہاں بھی کریمہ کے ورثاء سابق وفات پانے والے انسانوں کے ورثاء سے غیر ہیں لہذا ان کی تصحیح بھی علیحدہ ہوگی۔ مسئلہ کی تشکیل جدہ کے سدس کے پیش نظر 6 سے ہوگی۔ مسئلہ اور مانی الید 9 میں چونکہ توافق بالثلث ہے لہذا مسئلہ کے ثلث کو سابقہ تصحیح میں ضرب دے کر توسیع کر لینے سے تقسیم صحیح ہوگی۔

سابقہ تصحیح $16 \times 2 = 32$ میں سے کریمہ کے ہر وارث کو 6 کے مسئلہ میں سے جو کچھ ملا ہے اسے مانی الید کے ثلث میں ضرب دینے سے اس کا حصہ سامنے آئے گا۔ لہذا رقیہ کو 3، خالدہ کو 6، عبد اللہ کو 6 اور جدہ عظیمہ کو 3 ملیں گے۔

جدہ عظیمہ کو 32 کے مسئلہ میں سے خالدہ کی ماں ہونے کی حیثیت میں بھی 6 ملتے ہیں لہذا اس کے 32 میں سے کل حصہ 9 ہو جائیں گے۔ اب خالدہ کی ماں اور کریمہ کی جدہ عظیمہ بھی خالدہ کے ترکہ کی تقسیم سے قبل وفات پاتے ہوئے اپنے پیچھے:

زوج	اخ	اخ
عبد الرحمن	عبد الکرم	عبد الرحیم

چھوڑ جاتی ہے۔ زوج کے ربع کے باعث مسئلہ کی تشکیل 4 سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی تصحیح 4 اور مانی الید 9 میں ممانیت کے باعث مسئلہ 4 کو سابق تصحیح 32 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے سبھی مسائل کی تصحیح ہوگی۔ لہذا $128 = 4 \times 32$ کی تصحیح سے ترکہ کی تقسیم درست ہوگی۔

اب جس کسی کو مسئلہ 32 میں سے جو کچھ ملا اسے جدۃ عظیمة کے مسئلہ 4 میں ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا اور جس کسی کو مسئلہ جدۃ عظیمة سے جو کچھ ملا اسے اس کے مافی الید سے ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا متوفاۃ خالدۃ کے ورثاء کو 128 کی تصحیح میں سے مندرجہ ذیل کے حساب سے حصص ملیں گے۔

ثانی: مرنے والے زوج زید کی بیوی کو 32 کی تصحیح سے دو حصے ملے تھے جب اسے جدۃ عظیمة کے مسئلہ 4 میں ضرب دیں گے تو اسے 8 ملیں گے۔ اور اس کے باپ عمرو کو 4 ملے تھے مسئلہ 4 میں ضرب دینے سے اسے 16 ملیں گے۔ اور اس کی ماں رحیمۃ کو 2 ملے تھے لہذا اب اسے 8 ملیں گے۔

ثالث: مرنے والی خالدۃ کی بیٹی کریمۃ کے دو بیٹوں کو مسئلہ 32 سے 6 - 6 اور بیٹی کو 3 ملے تھے لہذا مسئلہ جدۃ 4 میں ضرب دینے سے انہیں علی الترتیب 24 - 24 - 12 ملیں گے۔

رابعہ: مرنے والی جدۃ عظیمة کے زوج کو عظیمة کے مسئلہ 4 سے 2 ملے تھے لہذا اس کے مافی الید 9 میں ضرب دینے سے اسے 18 ملیں گے اور اس کے بھائیوں کو اس کے مسئلہ سے ایک ایک ملا تھا لہذا مافی الید میں ضرب دینے سے ہر ایک کو 9 - 9 ملیں گے۔ نتیجۃً خالدہ کے ترکہ کی تقسیم کے وقت مندرجہ ذیل زندہ ورثاء کو 128 کی تصحیح سے ذیل کے حصص ملے۔

زوجہ	اب	ام
حلیمہ	عمرو	رحیمہ
8	16	8
بنت	ابن	ابن
رقیۃ	خالد	عبد اللہ
12	24	24

زوج	اخ	اخ
عبد الرحمن	عبد الرحيم	عبد الکريم
18	9	9

خیال رہے! مثال مذکورہ میں متوفی ثانی زید کے ورثاء کے مسئلہ اور اس کے مافی الید میں نسبت تماشل کی ہے اور متوفیہ، ثالثہ کریمہ کے ورثاء کے مسئلہ اور اس کے مافی الید میں نسبت توافق بالثلاث کی جب کہ متوفیہ رابعہ عظیمہ کے ورثاء اور اس کے مافی الیہ میں نسبت تبارین کی۔ یعنی ایک ہی مثال میں تینوں نسبتیں موجود ہیں۔

اب ہم علیحدہ علیحدہ نسبت پر مبنی مثالوں سے مزید وضاحت کرتے ہیں۔

”مثال التماثل فی المناسخه“

متوفی اپنے پیچھے زوجہ، اب، ام اور بنت ابن چھوڑ جاتا ہے پھر متوفی کے ترکہ کی تقسیم سے قبل بنت ابن وفات پا جاتی ہے اور اپنے پیچھے زوج، ام، بنات ثلاثہ اور ابنان چھوڑ جاتی ہے۔ ورثاء کے غیر ہونے کے باعث دونوں کی تصحیح علیحدہ علیحدہ ہو گی۔

متوفی اول کا مسئلہ 24 سے ہو گا۔

ورثاء

زوجہ	ام	بنت ابن	اب
1/8	1/6	1/2	باقی عصیہ
3	4	12	5

متوفیہ ثانیہ کا مسئلہ 12 سے ہو گا۔ و مافی الید ایضاً 12

زوجہ	ام	بنات ثلاثہ	ابنان
1/4	1/6	و مابقی للذکر مثل حظ الانثیین	
3	2	3	4

ہر لڑکی کو ایک ایک اور ہر لڑکے کو دو دو۔

مسئلہ اور مافی الید میں چونکہ نسبت تماشل کی ہے لہذا ترکہ ورثاء کے سام پر پورا

تقسیم ہو جانے سے مزید توسیع کی ضرورت نہیں۔

”مثال الموافقة في المناسخة“

متوفاة جو اپنے بعد ذیل کے ورثاء چھوڑ گئی۔ زوج، بنت، بنت ابن، ابن ابن۔ پھر زوج متوفاة کے ترکہ کی تقسیم سے قبل وفات پا جانے پر اپنے پیچھے زوجہ، ام، اختین لاب، اخ لام چھوڑ جاتا ہے۔

لہذا سابقہ اصولوں کے مطابق دونوں کی تصحیح علیحدہ علیحدہ ہو گی۔

متوفیہ اولی اصل مسئلہ 12 سے

ورثاء

زوج	بنت	بنت ابن	ابن ابن
1/4	1/2	مابقی علی سبیل العصوبة	
3	6	1	2
	30	5	10

متوفی ثانی زوج اصل مسئلہ 12 عول الی 15 تصحیح من 60 و مانی الیہ 3

ورثاء

زوجہ	ام	اختین لاب	اخ لام
1/4	1/6	2/3	1/6
3	2	8	2

متوفی کے مانی الید 3 اور اس کے ورثاء کے سام میں یعنی مسئلہ عول 15 میں توافق بالثلث کے باعث عول کے وفق 5 کو اصل مسئلہ 12 میں ضرب دینے سے حاصل ضرب ساٹھ 60 سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو گی۔ پہلے مسئلہ سے ورثاء کو جو کچھ ملا اسے عول کے وفق میں ضرب دینے سے انکا حصہ برآمد ہو گا۔

[لہذا بیٹی کو $5 \times 6 = 30$ ملیں گے۔]

[بنت ابن کو $5 \times 1 = 5$ اور]

[ابن ابن کو $5 \times 2 = 10$ ملیں گے۔]

متوفی ثانی زوج کو متوفاة اولیٰ سے 3 ملے تھے لہذا $5 \times 3 = 15$ کو اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

چونکہ متوفی ثانی کا مسئلہ 12 سے 15 کو عول کر گیا تھا لہذا اس کے ورثاء کو مسئلہ 12 میں سے جو کچھ ملتا تھا۔ اسی کے مطابق اس کے مانی الید 15 کو ان پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہذا انہیں علی الترتیب 60 میں سے وہی کچھ ملے گا جو انہیں پہلے مسئلہ عولیہ سے مل رہا تھا۔ یعنی 2-8-2-3

”مثال المباینة فی المناسخة“

متوفاة اپنے بعد ذیل کے ورثاء چھوڑ گئی۔ زوج، ابوان، بنتان پھر زوج متوفاة کے ترکہ کی تقسیم سے قبل وفات پا گیا اور اپنے پیچھے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ گیا۔ اخت یعنی، ام، زوجہ، اخ لام یہاں بھی سابقہ قانون کے مطابق دونوں کی تصحیح علیحدہ علیحدہ ہوگی۔

متوفاة اولیٰ اصل مسئلہ 12 عول الی 15 سے

ورثاء

زوج	اب	ام	بنتان
1/4	1/6	1/6	2/3
3	2	2	8
	26	26	104

متوفی ثانی، زوج اصل مسئلہ 12 عول الی 13 تصحیح من 195 مانی الید 3

ورثاء

اخت حقیقی	ام	زوجہ	اخ لام
1/2	1/6	1/4	1/6
6	2	3	2
18	6	9	6

متوفی ثانی زوج کے مافی الید 3 اور اس کے ورثاء کے سام یعنی مسئلہ عولیہ 13 میں
تباہ کے باعث جمع مسئلہ ثانیہ کو مسئلہ اولیٰ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب $15 \times 13 = 195$ سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی۔

پہلے مسئلہ سے ہر ایک وارث کو جو کچھ ملا اسے مسئلہ ثانیہ کے عول میں ضرب دینے
سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا:

$$[\text{باپ کو } 2 \times 13 = 26]$$

$$[\text{ام کو بھی } 2 \times 13 = 26]$$

$$[\text{دو بیٹیوں کو } 8 \times 13 = 104 \text{ حصص ملیں گے۔}]$$

متوفی ثانی زوج کو متوفیہ اولیٰ کے مسئلہ سے 3 ملے تھے لہذا $3 \times 13 = 39$ اسے ملیں
گے جو اس کے ورثاء میں یوں تقسیم ہوں گے۔

اس کے ورثاء کو اپنے مسئلہ سے جو کچھ ملا اسے متوفی کے مافی الید میں ضرب دینے
سے ان کا حصہ نکل آئے گا۔ لہذا:

$$[\text{اس کی عینی بہن کو } 6 \times 3 = 18]$$

$$[\text{ماں کو } 2 \times 3 = 6]$$

$$[\text{زوجہ کو } 3 \times 3 = 9]$$

اور اخ لام کو $2 \times 3 = 6$ کے حساب سے 195 میں سے حصص ملیں گے۔



بَابُ ذَوَى الْأَرْحَامِ

ذو الرحم: هو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبۃ، وكانت عامة الصحابة رضی اللہ عنہم۔ یرون توریت ذوی الارحام وبہ قال اصحابنا رحمہم اللہ۔

وقال زید بن ثابت رضی اللہ عنہ لامیراث لذوی الارحام، ویوضع المال فی بیت المال وبہ قال مالک والشافعی۔ رحمہما اللہ۔

وذووا الارحام اصناف اربعة:

الصنف الاول ینتمی الی المیت وہم: اولاد البنات، اولاد بنات الابن، والصنف الثانی ینتمی الیہم المیت، وہم: الاجداد انساقطون والجدات الساقطات والصنف الثالث ینتمی الی ابوی المیت وہم: اولاد الاخوات، وبنات الاخوة وبنو الاخوة لام۔

”ذووا الارحام“ ”ارحام“ رحم کی جمع ہے دراصل ”وعاء الولد فی البطن“ کا نام ”رحم“ ہے، ”ذووا الارحام“ مطلقاً قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔

لیکن علماء فن کی اصطلاح میں ”ذووا الارحام“ ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو اصحاب الفروض اور عصبات میں سے نہ ہوں، جیسے مصنف کی پیش کردہ عبارت ”ذو الرحم“ ہو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبۃ“ سے واضح ہے۔

ذووا الارحام کی توریت میں اختلاف ہے۔

* حضرت عمر، علی ابن مسعود اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔ صحابہ میں سے ان کی توریت کے قائل ہیں، احناف بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

* حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں وہ وارث نہیں، آئمہ میں سے امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی خیال ہے، ان کے ہاں اگر اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث نہ ہو تو متوفی کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

”ذووا الارحام کی چار اقسام ہیں“

(۱) قسم اول ان ذووا الارحام کی ہے جو میت کی طرف منسوب ہوں یعنی بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد۔

والصنف الرابع ينتمى الى جدى الميت اوجدتيه‘ وهم: العمت والاعمام لام والاحوال والخالات‘ فهو لاء وكل من يدلى بهم من ذوى الارحام۔

روى ابو سليمان عن محمد بن الحسن عن ابى حنيفة رحمهما اللہ تعالى ان اقرب الاصناف الصنف الثانى‘ وان علوا ثم الاول وان اسلفوا ثم الثالث‘ وان نزلوا ثم الرابع وان بعدوا۔

وروى ابو يوسف والحسن بن زياد عن ابى حنيفة وابن سماعة عن محمد بن الحسن عن ابى حنيفة۔ رحمهم اللہ۔ ان اقرب الاصناف‘ الصنف الاول‘ ثم الثانى‘ ثم الثالث‘ ثم الرابع‘ كترتيب العصبات‘ وهو الماخوديه۔

وعندهما الصنف الثالث مقدم على الجد۔ اب الام۔ لان عندهما كل واحد منهم اولى من فرعه وفرعه‘ وان سفل۔ اولى من اصله۔

(۲) قسم ثانی میں وہ ذووا الارحام داخل ہیں جن کی طرف میت منسوب ہوتی ہے یعنی..... نانے اور نانیاں‘ اجداد‘ ساقطوں‘ جدات ساقطات۔

(۳) قسم الثالث ان ذووا الارحام کو شامل ہے‘ جو میت کے والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یعنی..... بہنوں کی اولاد‘ بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیانی بھائیوں کی اولاد۔

(۴) چوتھی قسم میں وہ ذووا الارحام آتے ہیں جو میت کے دادے اور نانے کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یعنی..... اخیانی چچے‘ پھوپھیاں‘ ماموں اور خالات۔

یہ چاروں اقسام اور جو کوئی ان کی وساطت سے میت کے ساتھ متعلق ہو گا وہ ذووا الارحام میں سے شمار ہو گا۔

ابو سلیمان محمد بن حسن کی وساطت سے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ تمام اصناف سے مقدم صنف ثانی ہو گی بعدہ صنف اول اس کے بعد ثالث‘ پھر صنف رابع کا مقام ہو گا‘ لیکن امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد امام ابو حنیفہؒ سے نیز ابن سماعة امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی وساطت سے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ..... تمام ذووا الارحام کی اقسام میں سے اقرب فی المیراث قسم اول‘ بعدہ قسم ثانی‘ اس کے بعد..... قسم ثالث اور پھر رابع ہو گی‘ اہتاف کے ہاں فتویٰ اسی آخری قول پر ہے۔

ان دو مختلف روایات میں علامہ عبد اللہ بن فراغی یوں تطبیق دیتے ہیں۔ کہ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی امام صاحب سے روایت یہ انکا قدیم قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت ان کا جدید یعنی آخری قول ہے۔ اسی وجہ سے مفتی بہ بھی یہی قول ہے۔

پہلی روایت کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ نانا اب الام وراثت کی سبیت میں اولاد بنت سے اقویٰ ہے۔ کیونکہ نانے کے درجہ کی انٹی جسے نانی کہا جاتا ہے۔ وہ صاحبۃ الفرض ہے جبکہ ابن البنت کے درجہ کی انٹی بنت البنت صاحبۃ الفرض نہیں بلکہ وہ ذوا الارحام میں سے ہے۔

نیز نانا بوجہ اصل ہونے کے میت سے حکماً قرب زیادہ رکھتا ہے۔ جس کے باعث اس سے قصاص بھی نہیں لیا جاتا بخلاف اولاد البنت کے جن سے اس کا قصاص لیا جاتا ہے۔ لہذا نانا اولاد بنت پر مقدم ہو گا۔

اور مفتی بہ روایت کی وجہ یہ ہے کہ ذوا الارحام من وجہ علی سبیل التعصیب وارث ہوتے ہیں کیونکہ اقرب فالاقرب کا اعتبار ان کی تورث میں بھی ویسے ہی ہے جیسے عصبۃ کی تورث میں۔

لہذا من کل الوجوہ عصبۃ پر ان کی تورث کا اعتبار کرنا مناسب ہے۔ اور عصبۃ میں چونکہ ابناء المیت کی اولاد دادے ابو الاب اور تمام عصبۃ پر مقدم ہے۔ لہذا اولاد البنت نانے اب الام پر مقدم ہے۔ گو یہاں بھی دادے سے قصاص نہیں لیا جاتا اور اولاد ابن المیت سے لیا جاتا ہے۔

صاحبین کے ہاں قسم ثالث قسم ثانی اجداد ساقطون اور جدات ساقطات پر مقدم ہو گی۔ ”لان عندہما کل واحد منہم اولیٰ من فرعہ“ الی آخرہ یعنی..... صاحبین کے نزدیک قسم ثالث کی ثانی پر تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ.... ثالث کا اصل اپنی فرع سے اولیٰ فی المیراث ہے، بخلاف ثانی کے جس کی فرع اصل سے اولیٰ ہے، حالانکہ ضابطہ فی المیراث یہ ہے کہ اصل اپنی فرع سے بہتر ہے، لہذا اس ضابطہ پر جو بھی قسم پوری اترے گی وہی بہتر ہوگی اور وہ قسم ثالث ہے نہ کہ ثانی، لہذا ثالث مقدم علی الثانی عند صاحبین ہو گی۔

جیسے قسم ثالث ابن الاخت لاب وام اولیٰ من ابن ابن الاخت لاب وام اور قسم ثانی میں ”ام ام المیت ہی فرع لاب ام ام المیت ومع ذلک ہی اولیٰ من

الاصل ”کیونکہ فرع زووا الفروض سے ہے۔ جبکہ اصل زووا الارحام سے۔ اور یہ مفہوم تب ثابت ہو گا جب ضمیر ”مِنْهُمْ“ کی اصحاب الصنف الثالث کی طرف راجع ہو اور ”من فرعه“ کی کل واحد کی طرف اور آگے ”وفرعه“ کی ضمیر صنف ثانی کی طرف اور ”اصلہ“ کی الی الفرع راجع ہو۔

محمود بن ابی بکر صاحب ضوء السراج فرماتے ہیں کہ بعض نسخہ جات میں یہ عبارت ”لان عندهما کل واحد منهم اولی من فرعه“ موجود نہیں کیونکہ اس کا کوئی صحیح مفہوم واضح نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت ان کے کسی شاگرد کا اضافہ ہے اور اس کی دلیل بعض نسخوں میں اس کا عدم وجود ہے۔



فصل فی الصنف الاول

اولیہم بالمیراث اقربہم الی المیت، کبنت البنت، فانہا اولیٰ من بنت بنت الابن وان استووا فی الدرجة فولد الوارث اولیٰ من ولد ذوی الارحام کبنت بنت الابن فانہا اولیٰ من ابن بنت البنت۔

وان استوت درجاتہم، ولم یکن فیہم ولد الوارث او کان کلہم یدلون بوارث فعند ابی یوسف .. رحمہ اللہ تعالیٰ .. والحسن بن زیاد یعتبر ابد ان الفروع، ویقسم المال علیہم سواءً اتفقت صفة الاصول فی الذکورة والانوثة او اختلفت، ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یعتبر ابد ان الفروع۔ ان اتفقت صفة الاصول موافقاً لہما، ویعتبر الاصول ان اختلفت صفاتہم ویعطى الفروع میراث الاصول مخالفاً لہما کما اذا ترک ابن بنت وبنت بنت، عندہما یكون المال بینہما للذکر مثل حظ الانثیین باعتبار الابدان وعند محمد رحمہ اللہ۔ کذا لک لان صفة الاصول متفقة۔

ولو ترک بنت ابن بنت، وابن بنت بنت عندہما المال بین الفروع اثلاً باعتبار الابدان، ثلثاً للذکر وثلثاً لانیثی

”فصل فی الصنف الاول“

اجلاً ذوا الارحام کی چاروں اقسام کے ذکر کے بعد اب مصنف ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”ذوا الارحام“ کی پہلی قسم ”اولاد البنات واولاد بنات الابن“ کی چار حالتیں ہیں۔

(۱) ”اولہم بالمیراث اقربہم الی المیت“ یعنی ان میں سے میراث میں بہتر وہ ہو گا جو اقرب الی المیت ہو گا، جیسے نواسی نسبت پوتی کی بیٹی کے اقرب ہے، لہذا وارث بھی وہی ہے۔

(۲) ”وان استووا فی الدرجة فولد الوارث اولیٰ من ولد ذوی الارحام“ اگر درجہ میں برابر ہوں، تو وارث کی اولاد ذوا الارحام کی اولاد سے بہتر ہو گی۔ جیسے پوتی کی بیٹی نواسی

کی بیٹی سے بہتر ہوگی، کیونکہ وہ پوتی وارث کی بیٹی ہے، بخلاف نواسی کے بیٹی کے جو وارث کی بیٹی نہیں۔

وعند محمد - رحمه الله - المال بين الاصول ' اعنى فى البطن الثانى اثلاثاً: ثلثاه لبنت ابن البنت نصيب ابوها' وثلثه لابن بنت البنت نصيب امه
وكذلك عند محمد - رحمه الله - اذا كان فى اولاد البنات بطون مختلفة يقسم المال على اول بطن يختلف فى الاصول ثم يجعل الذكور طائفة والاناث طائفة بعد القسمة فما اصاب الذكور يجمع ويقسم على اعلى الخلاف الذى وقع فى اولادهم' وكذلك ما اصاب الاناث' وهكذا يعمل الى ان ينتهى بهذه الصورة:

بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت ابن ابن

24 36

بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت

24 36

بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
12	12		18			18				

بنت	بنت	بنت	ابن	بنت	بنت	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
12	12	9	9			12			6		

بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	ابن	بنت	ابن	بنت	بنت
12	8	4	9	9	3	6	3	3	3	3

بنت	ابن	بنت	ابن	بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
1	2	3	3	6	3	6	3	9	4	12

(۳) ”وان استوت درجاتهم“ ولم یکن فیہم ولد الوارث“ اگر درجہ میں برابر ہونے کے ساتھ ساتھ تمام غیر وارث کی اولاد ہوں۔

(۴) یا درجہ میں برابر ہونے کے ساتھ تمام وارث کی اولاد ہوں۔

ان دو آخری حالتوں میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے۔

* امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کے ہاں فروع کے ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے ان پر مال لڑکیاں یا لڑکے ہونے کی صورت میں برابر اور مخلوط ہونے کی صورت میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا، خواہ ان کے اصول کی صفت ذکورۃ اور انوثۃ متحد ہو یا مختلف۔

* اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اصول کی صفت متحد ہونے کی صورت میں ایسے ہی تقسیم ہو گا جیسے امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کے ہاں اور مختلف ہونے کی صورت میں مال اصول پر ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا، اصول کے حصے میں جو کچھ آئے گا وہی فروع کو ملے گا اس صورت میں امام محمد کا نظریہ امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کے مخالف ہے۔ مثلاً ایک متوفی ایک بیٹی سے نواسہ اور دوسری سے نواسی چھوڑ جاتا ہے تو امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کے ہاں مال نواسے اور نواسی میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ باعتبار ان کے ابدان کے تقسیم ہو گا اور امام محمد کے ہاں بھی اس مذکورہ صورت میں ایسے ہی تقسیم ہو گا کیونکہ دونوں کے اصل کی صنف متحد اور متفق ہے۔ یعنی دونوں لڑکیوں کی ہی اولاد ہیں۔

اگر نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑ جائے تو پھر مال کی تقسیم مختلف ہے۔ امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کے ہاں تو مال فروع میں باعتبار ابدان ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا، لڑکے کو دو ثلث اور لڑکی کو ایک ثلث، لیکن امام محمد کے نزدیک مال اصول۔ یعنی بطن ثانی میں۔ املاًئاً تقسیم ہو گا، لہذا مال کا دو ثلث حصہ نواسے کی بیٹی کو۔ جو اس کے باپ کا حصہ ہے ملے گا، اور ایک ثلث نواسی کے بیٹے کو۔ جو اس کی ماں کا حصہ ہے اسے ملے گا۔

”کذلک عند محمد“..... یعنی ایسے ہی امام محمد کے ہاں جب بیٹیوں کی اولاد میں بطون مختلفہ ہوں تو مال کی تقسیم اصول میں پہلے مختلف فیہ بطن میں ہوگی، پھر ذکور اور اناث کی علیحدہ علیحدہ گروپ بندی کے بعد جو کچھ ذکور اور اناث کے گروپوں کے حصے میں آئے گا، اسے ان کی اپنی اولاد میں جہاں ذکورۃ و انوثۃ کے اعتبار سے اختلاف ہو گا تقسیم کیا جائے گا۔ علی ہذا القیاس مال بچے تک تقسیم ہوتا چلا جائے گا۔

”تصریح“

یہ مسئلہ ذووالارحام میں بارہ اشخاص پر مشتمل ہے جن میں سے نو اثاث اور تین ذکور جو تمام کے تمام بطن سادس میں ایک ہی درجہ پر ہیں اور ان میں کوئی بھی اولاد وارث سے نہیں۔

اس مسئلہ کی تصحیح امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ کے ہاں 15 سے ہوگی کیونکہ ہر لڑکا جب دو لڑکیوں کے برابر ہوگا تو تین لڑکے برابر چھ لڑکیوں کے ہوں گے لہذا کل رؤوس $9 + 6 = 15$ ہوئے اور یہی تعداد رؤوس مسئلہ کی تصحیح ہے۔ ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ اور ہر لڑکے کو دو حصے ملیں گے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ کی تصحیح 60 سے ہوگی۔ کیونکہ ان کے قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب ہم بطن اول مختلف فیہ میں 9 لڑکیوں اور 3 لڑکوں میں ترکہ کو ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کرتے ہیں تو لڑکوں کو 6 اور لڑکیوں کو 9 ملتے ہیں۔

جب ہم لڑکوں کو ایک طائفہ قرار دے کر ان کے حصے کو بیچے ان کی اولاد میں تقسیم کرتے ہیں تو بطن ثانی کو غیر مختلف فیہ پاکر بطن ثالث میں ہم دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پاتے ہیں۔ جب ان پر 6 کو ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کیا جائے تو لڑکے کو 3 اور دو لڑکیوں کو بھی 3 حصے میں آتے ہیں۔

لڑکے کا حصہ درمیانی بطون میں عدم اختلاف کے باعث ہم بیچے بطن سادس میں اس کی لڑکی کو دے دیں گے اور دو لڑکیوں کو ایک طائفہ قرار دے کر بیچے بطن خامس ان کی اولاد میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کریں گے تو لڑکے کو 2 اور لڑکی کو 1 ملے گا جو آگے بطن سادس میں ہر ایک کی لڑکی کو دے دیا جائے گا۔

تین لڑکوں کے طائفہ کا حصہ یوں بطن سادس میں ان کی اولاد کو ملے گا۔ اب اسی طریق پر 9 لڑکیوں کا حصہ بھی ان کی بطن سادس میں اولاد کو ملے گا۔

بطن اول میں لڑکیوں کا حصہ بیچے بطن ثانی میں عدم اختلاف کے باعث بطن ثالث میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہوگا تو چھ لڑکیوں کے ساتھ تین لڑکے بھی ہر تہ چھ لڑکیوں کے ہوں گے لہذا کل رؤوس 12 ہوئے اور ترکہ 9 حصص جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتا۔ لہذا رؤوس اور ترکہ میں مناسبت کو دیکھنے کے بعد اصل مسئلہ سے ضرب دے کر حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ 12 اور 9 میں مناسبت توافق بالثلث کے باعث

رووس کے توافق بالثلث 4 کو اصل مسئلہ 15 میں ضرب دے کر $15 \times 4 = 60$ حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ 15 کے مسئلہ سے لڑکیوں کو 9 اور لڑکوں کو 6 آئے تھے لہذا مضروب 4 میں 9 کو ضرب دینے سے $9 \times 4 = 36$ لڑکیوں کا $4 \times 6 = 24$ لڑکوں کا حصہ سامنے آئے گا۔

تین لڑکوں کا حصہ تو 15 کے مسئلہ سے بطن سادس تک تقسیم ہو گیا ان میں سے ہر ایک کے حصے کو مضروب 4 میں ضرب دینے سے ساٹھ میں سے اس کا حصہ برآمد ہو جائے گا۔ باقی نو لڑکیوں کا حصہ 36 بطن ثالث میں چھ لڑکیوں اور تین لڑکوں میں ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق انصافاً تقسیم ہو گا جو 18 لڑکیوں کے طائفہ کو اور 18 لڑکوں کے طائفہ کے حصہ میں آئے گا۔

اب لڑکوں کے طائفہ کے 18 بطن رابع میں اختلاف کے باعث ایک لڑکے اور دو لڑکیوں میں ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کرنے سے لڑکے کو 9 اور لڑکیوں کو بھی 9 حصے میں آئیں گے لڑکے کا حصہ بطن خامس میں عدم اختلاف کے باعث بطن سادس میں اس کی لڑکی کو دے دیا جائے گا اور دو لڑکیوں کا بھی حصہ نیچے بطن سادس میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ کے حساب سے لڑکے کو 6 اور لڑکی کو 3 دیا جائے گا۔

بطن ثالث میں تین لڑکوں کے طائفہ کے مقابلہ میں چھ لڑکیوں کے طائفہ کا حصہ بھی

18 ہے۔



و كذلك محمد - رحمه الله تعالى - ياخذ الصفة من الاصل حال القسمة عليه
والعدد من الفروع كما اذا ترك: ابني بنت بنت بنت و بنت ابن بنت بنت و بنتي
بنت ابن بنت بهذه الصورة

میت		
بنت	بنت	بنت
بنت	بنت	بنت
بنت	ابن	بنت
ابنی	بنت	بنتی

عند ابی یوسف - رحمه الله تعالى - يقسم المال بين الفروع اسباعًا باعتبار ابدانهم
وعند محمد رحمه الله تعالى يقسم المال على اعلى الخلاف اعنى فى البطن
الثانى اسباعا باعتبار عدد الفروع فى الاصول اربعة اسباعه لبنتى بنت ابن البنت
نصيب جدهما وثلاثة اسباعه وهو نصيب البنيتين - يقسم على ولديهما - اعنى فى
بطن الثالث - انصافًا نصفه لبنت ابن بنت البنت - نصيب ابوها - والنصف الاخر
لابنى بنت بنت البنت - نصيب امهما وتصح المسئلة من ثمانية وعشرين وقول
محمد - رحمه الله تعالى - اشهر الروايتين عن ابى حنيفة - رحمه الله تعالى - فى
جميع ذوى الارحام وعليه الفتوى

جو ان کے نیچے بطن رابع میں اختلاف کے پیش نظر تین لڑکوں اور تین لڑکیوں میں
لڑکوں کو ”للمذكر مثل حظ الانثيين“ کے اعتبار سے 12 اور لڑکیوں کو 6 ملیں گے۔ اب لڑکوں
کا نیچے بطن خامس میں اختلاف کے باعث ”للمذكر مثل حظ الانثيين“ تقسیم ہو گا تو لڑکے کو
6 اور دونوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو 3 + 3 ملیں گے جو نیچے بطن سادس میں ان کے
اپنے ورثاء کو منتقل کر دیئے جائیں گے۔

بطن رابع میں تین لڑکوں کے طائفہ کے مقابلہ میں تین لڑکیوں کے طائفہ کو لڑکوں
سے نصف 6 ملے تھے جو نیچے ان کے بطن خامس میں بھی اختلاف کے باعث ایک لڑکے اور

دو لڑکیوں کو نصف نصف تقسیم ہوں گے۔ لڑکے کو بھی 3 اور دو لڑکیوں کو بھی 3 لڑکے کا حصہ بیچے باطن سادس میں اس کی لڑکی کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اور دو لڑکیوں کا حصہ 3 بیچے ان کے باطن سادس میں لڑکے اور لڑکی کو ”للذکر مثل حظ الانثیین“ منتقل کر دیا جائے گا۔
امام محمد رحمہ اللہ کے ضابطہ کے مطابق باطن سادس میں ہر ایک کے حصہ کو اوپر نقشہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ خیال رہے امام محمد رحمہ اللہ کا ضابطہ امام یوسف رحمہ اللہ کے ضابطہ کی نسبت مشکل ہے۔

ایسے ہی امام محمد اصل پر مال کی تقسیم کے وقت صفت تو اصل کی مراد لیتے ہیں لیکن تعداد فروع کی جیسے کوئی متوفی نواسی کے دو نواسے اور نواسی کی پوتی نیز نواسے کی دو نواسیاں چھوڑ جائے تو مال کی تقسیم یوں ہوگی۔

امام محمد کے نزدیک اعلیٰ خلاف۔ یعنی باطن ثانی۔ میں صفت اصل اور تعداد فروع کو ملحوظ رکھتے ہوئے مال کو سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

4/7 حصہ مال نواسے کی دو نواسیوں کو۔ جو ان کے نانے کا حصہ ہے۔ دیا جائے گا اور 3/7 حصہ مال باطن ثالث میں نصف نصف امام محمد کے ضابطے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ نصف نواسی کی پوتی کو اس کے باپ کا حصہ اور نصف آخر نواسی کے دو نواسوں کو ان کی ماں کا حصہ۔

”تصریح“

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ابتداء مسئلہ کی تفصیل 7 سے ہی ہوگی اور بوجہ ترکہ کے صحیح اور پورا پورا تقسیم نہ ہونے کے تصحیح 28 سے ہوگی۔ کیونکہ باطن ثانی میں اختلاف کے باعث امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں اصل مسئلہ 7 سے تفصیل پائے گا جن میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق وصف اصل کی اور تعداد فروع کی ملحوظ رکھنے سے ابن البنت کو 4 اور اس کے مقابلے پر دونوں لڑکیوں کو 3 ملیں گے۔ ابن البنت کا حصہ بیچے اس کی دونوں نواسیوں یعنی بنتی بنت الابن کو دیا جائے گا۔ اور اس کے مقابلے کی دونوں لڑکیاں جو باطن ثانی میں ہیں ایک طائفہ میں شامل ہونے کے باعث جو ان کا مجموعی حصہ 3 ہے ان کے بیچے باطن ثالث میں ایک لڑکے اور لڑکی پر تقسیم ہوگا۔

لیکن لڑکی فرع کی تعداد کے باعث دو کے قائم مقام ہوگی۔ لہذا باطن ثالث میں یوں

سمجھئے کہ بطن ثانی کی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کی دو لڑکیاں اور دوسری کا ایک لڑکا ہے۔ لڑکا چونکہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ لہذا ان پر جب بطن ثانی کی دو لڑکیوں کا حصہ 3 تقسیم کیا جائے گا تو انصافاً بلا کسر تقسیم نہ ہو گا کیونکہ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں برابر 4 رؤوس کے ہوئے۔ جو نصف نصف کے حق دار ہیں۔ لیکن 3 کا نصف صحیح نہیں نکلتا لہذا نصف کے مخرج 2 کو اصل مسئلہ 7 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا $2 \times 7 = 14$ اس سے مسئلہ کی تصحیح دیکھی جائے گی۔ لہذا اب 14 کی تصحیح سے بنتی بنت ابن البنت کو یعنی میت کے نواسے کی دونوں نواسیوں کو 8 ملیں گے جو ان کے نانے کا حصہ ہے۔ اور بنت ابن بنت البنت یعنی نواسی کی پوتی کو 3 جو اس کے باپ کا حصہ ہے۔ اور ابنی بنت بنت البنت یعنی نواسی کے دو نواسوں کو بھی 3 جو ان کی والدہ کا حصہ ہے۔

لیکن 3 یہاں بھی دو نواسیوں پر انصافاً تقسیم نہیں ہوتے لہذا یہاں بھی نصف کے مخرج 2 کو 14 کی تصحیح میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $2 \times 14 = 28$ آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح صحیح ہوگی۔ لہذا 14 کی تصحیح سے جو کچھ کسی کو ملا اسے مضروب 2 میں ضرب دے کر 28 کی تصحیح سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا اب ابنی بنت بنت البنت کو 28 کی تصحیح سے 6 ملیں گے جن میں سے ہر ایک کو 3۔ 3 آئیں گے۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ترکہ کی تقسیم فروع میں باعتبار ابدان 7 حصوں میں ہوگی۔

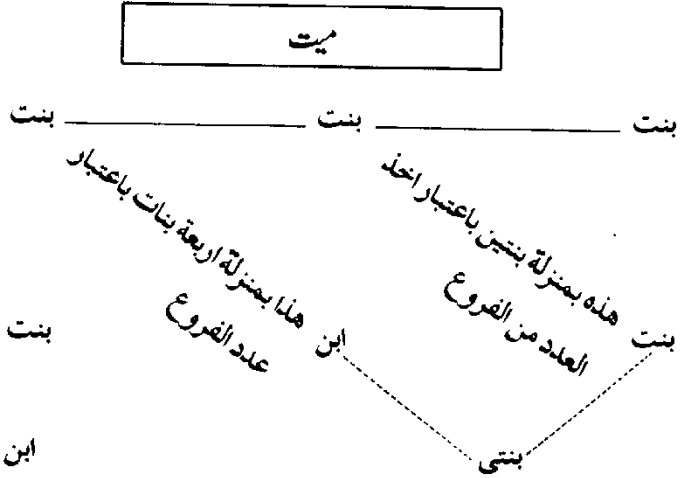
”ملاحظہ“

احناف کے ہاں مفتی بہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہی ذودا الارحام کے بارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور روایت ہے۔ بعض اہل علم کے خیال میں بخاری کے مشائخ کا عمل ذودا الارحام کی میراث اور مسائل حیض میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ کیونکہ ان کے قول میں مفتی کے لئے آسانی ہے۔



فصل

علماءنا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ يعتبرون الجهات في التوريث، غير ان ابا يوسف رحمه الله تعالى يعتبر الجهات في ابدان الفروع، ومحمد رحمه الله تعالى يعتبر الجهات في الاصول كما اذا ترك بنتى بنت بنت، وهما ايضاً بنتا ابن بنت، وابن بنت بنت، بهذه الصورة:



عند ابي يوسف رحمه الله تعالى يكون المال بينهم اثلاثاً وصار كانه ترك اربع بنات وابنا ثلثاه للبنتين وثلثه للابن۔

وعند محمد رحمه الله تعالى يقسم المال بينهم على ثمانية وعشرين سهماً۔ للبنتين اثنان وعشرون سهماً ستة عشر سهماً من قبل ابیها وستة اسهم من قبل امهما وللابن ستة اسهم من قبل امه۔

فصل علماء احناف ذووا الارحام کی توريث میں جہات کا تو اعتبار کرتے ہیں لیکن امام ابو یوسف جہات کا اعتبار فروع میں کرتے ہیں، جبکہ امام محمد اصول میں، جیسے کوئی انسان نواسی کی دو بیٹیاں چھوڑ جائے جو کہ وہ اس کے کسی دوسرے نواسے کی بھی بیٹیاں ہوں اور کسی تیسری نواسی کا بیٹا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ”مال میت“ تین حصوں میں تقسیم ہو گا۔ دو

حصے دو بیٹیوں کو بوجہ ذہل جت کے۔ ایک جت ماں کی جانب سے اور دوسری باپ کی طرف سے ملیں گے اور ایک حصہ تیسرے نواسی کے بیٹے کو، یوں سمجھئے جیسے مرنے والا دو نہیں بلکہ چار بیٹیاں چھوڑ گیا ہے لہذا دو حصے ان کو اور ایک حصہ تیسرے بیٹے کو۔
”تصریح“

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جب صنف اول میں ذووا الارحام کے فروع اور اصول پر ترکہ کو تقسیم کرنے کے بارے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف بیان کیا تو مناسب سمجھا کہ ساتھ ہی ان کی توریث من الجہات کا بھی ذکر کر دیا جائے، لہذا اس بحث کو سابقہ بحث (صنف اول) کا تمہ ہی سمجھنا چاہئے۔ فرماتے ہیں ”علماءنا يعتبرون الجهات في التوريث“ یعنی آئمہ احناف ذووا الارحام کی توریث میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں۔

اگر کوئی ذورحم دو جتوں سے کسی متوفی کا وارث ہو گا تو اسے دونوں جتوں کے لحاظ سے ترکہ میں سے حصہ ملے گا۔ لہذا یہاں تک تو بات اتفاق ہوئی۔ لیکن صاحبین کا اختلاف اس بات میں ہے کہ جہات کا اعتبار ابدان فروع میں ہو گیا اصول میں؟

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تو جہات کا اعتبار فروع میں کرتے ہیں کیونکہ جیسا کہ گزر چکا ہے وہ ترکہ کو ابتداء ہی فروع میں تقسیم کرنے کو مناسب اور بہتر سمجھتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے اہل عراق اور خراسانی علماء کو اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں توریث میں جہات کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ ذوجہتیں ان کے نزدیک ایک جت سے ہی وارث ہو گا۔ جیسا کہ جدات کی توریث میں بھی ان کی یہی رائے ہے۔

ماورائے النہر علماء کی تحقیق میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں توریث میں جہات کا اعتبار ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ذووا الارحام کی توریث میں جہات کا اعتبار اور جدات کی توریث میں عدم اعتبار میں فرق یہ ہے کہ جدات کی توریث میں استحقاق فرضیت کی بنیاد پر ہے۔ لہذا ان کا حصہ کسی دوسری وجہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور ذووا الارحام کا استحقاق عصوبیت کی بنیاد پر ہے۔ جس میں تعدد جہات کا اعتبار دو طرح کا ہوتا ہے۔

- (۱) کبھی ترجیح کے لئے۔ جیسے اخوة لاب وام اور اخوة لاب میں ترجیح اخوة لاب وام کو اسی لئے ہے کہ ان کا تعلق متوفی سے دو جہات سے ہے جبکہ اخوة لاب کا ایک جت سے۔
- (۲) اور کبھی جہات کا اعتبار استحقاق وراثت کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے اخ لام میں جبکہ وہ

ابن عم بھی ہو اور ابن الام میں جبکہ وہ خاوند بھی ہو۔

پہلی مثال میں ایک سبب اخیانی بھائی کا اخیانی ہونا اور دوسرا اس کا چچا زاد بھائی ہونا دوسری مثال میں کسی عورت کا چچا زاد بھائی ہونا اور اس کا خاوند بھی ہونا۔ جیسے یہاں استحقاق کی دونوں جہات معاً معتبر ہیں تیے مسئلہ ذوا الارحام میں بھی دونوں جہات (اسباب) کا اعتبار ہے۔

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ان کا اعتبار فروع میں ہو گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں اصول میں۔ کیونکہ وہ ترکہ کو اصول کے مختلف فیہ بطن اول میں فروع کی تعداد کو اخذ کرتے ہوئے تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ بعدہ ذکور واثاث کو علیحدہ علیحدہ طائفہ قرار دیتے ہوئے جو کچھ ہر طائفہ کے حصہ میں آتا ہے آگے تقسیم کرتے ہیں۔

اعتبار جہات کی مذکور فی المتن صورت میں:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ترکہ بطن ثالث میں لڑکے اور دو لڑکیوں میں اثلاثاً تقسیم ہو گا کیونکہ لڑکیوں کی دو جہتوں کے باعث یوں سمجھئے جیسے وہ دو ماں کی جانب سے اور دو باپ کی جانب سے ہیں۔ لہذا چار لڑکیوں اور ایک لڑکے میں ترکہ کو اثلاثاً تقسیم کرتے ہوئے دو ثلث دو تہائی لڑکیوں کو اور ایک ثلث ایک تہائی لڑکے کو دیا جائے گا جو صرف ایک جہت رکھتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ترکہ اولاً بطن ثانی میں جہاں اختلاف واقعہ ہے تقسیم ہو گا ان کے سابقہ ضابطہ کے مطابق لڑکا قائم مقام دو لڑکوں کے اور دو لڑکیوں میں سے ایک قائم مقام دو لڑکیوں کے ہوگی۔ چونکہ دو لڑکے میراث میں برابر چار لڑکیوں کے ہوتے ہیں لہذا بطن ثانی میں کل $7 = 1 + 2 + 4$ لڑکیاں جمع ہو گئیں۔ لہذا مسئلہ بھی 7 سے تشکیل پائے گا۔ جس میں سے لڑکے کو 4 حصے اور لڑکی کو 2 اور دوسری لڑکی کو 1 ملے گا۔

اب اس بطن ثانی میں ذکور کو ایک طائفہ اور اثاث کو دوسرا طائفہ قرار دے کر لڑکے کا حصہ نیچے بطن ثالث میں دو لڑکیوں کو دیں گے تو ان میں سے ہر ایک کو دو حصے آئیں گے۔ اور طائفہ اثاث کا حصہ جب ہم ان کے مقابلے پر نیچے بطن ثالث میں تقسیم کرتے ہیں تو وہ ان پر مستقیم تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا حصہ 3 ہے اور رؤوس میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔ چونکہ لڑکا دو لڑکیوں کے برابر ہوتا ہے لہذا یوں سمجھئے کہ رؤوس میں چار لڑکیاں ہیں۔

اب ان کے حصے اور تعداد رؤوس میں یعنی 3 اور 4 میں چونکہ مبنائیت ہے لہذا رؤوس 4 کو اصل مسئلہ 7 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $4 \times 7 = 28$ آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

بطن ثانی میں ابن البنت کو 7 کے مسئلہ سے 4 ملے لہذا اب مضروب 4 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $4 \times 4 = 16$ آئے گا وہ ان کا 28 کی تصحیح سے حصہ ہو گا جن میں سے اس کی ہر ایک لڑکی کو 8 - 8 حصہ میں آئیں گے۔ بطن ثانی میں دو لڑکیوں کو 7 کے مسئلہ سے 3 ملے تھے اب انہیں $3 \times 4 = 12$ حصہ میں آئیں گے۔ جن میں سے 6 ابن بنت البنت کو حصہ میں آئیں گے اور باقی 6 بنتی بنت البنت کو ملیں گے جن میں سے 3 - 3 ہر ایک کے حصہ میں آئیں گے۔

اس تقسیم سے بطن ثالث میں ہر ایک لڑکی کو گیارہ گیارہ حصے آئے۔ آٹھ آٹھ باپ کی طرف سے اور تین تین ماں کی طرف سے اور لڑکے کو 6۔



فصل فی الصنف الثانی

اولہم بالمیراث اقربہم الی المیت من ای جهة کان‘ وعند الاستواء فمن کان یدلی بوارث‘ فہو اولیٰ کاب ام الام اولیٰ من اب اب الام عند ابی سہیل الفرائضی۔ وابی فضل الخصاف‘ وعلی بن عیسیٰ البصری۔

ولا تفضیل لہ عند ابی سلیمان الجرجانی وابی علی البستی‘ وان استوت منازلہم ولس فیہم من یدلی بوارث او کان کلہم یدلون بوارث واتفقت صفة من یدلون بہم واتحدت قرابتہم‘ فالقسمة حینئذ علی ابدانہم وان اختلف صفة من یدلون بہم یقسم المال علی اول بطن اختلف‘ کما فی الصنف الاول۔

وان اختلفت قرابتہم فالثلثان لقرابة الاب‘ وهو نصیب الاب والثلث لقرابة الام وهو نصیب الام ثم ما اصاب لكل فريق یقسم بینہم کما لو اتحدت قرابتہم۔

فصل فی الصنف الثانی.....

زودا الارحام کی قسم ثانی جو اجداد ساقطون اور جدات ساقطت پر مشتمل ہے‘ ان میں سے اولیٰ بالمیراث وہ ہو گا جو اقرب الی المیت ہو گا۔ خواہ وہ کسی بھی جانب سے اقرب ہو ماں کی جانب سے خواہ باپ کی جانب سے۔

اور اگر وہ درجات قرب میں برابر ہوں تو پھر جو کسی وارث کی وساطت سے منسوب الی المیت ہو گا وہ اولیٰ بالوراثت ہو گا‘ جیسے ثانی کا باپ‘ ابو سہیل فرائضی‘ ابو فضل خصاف اور علی بن عیسیٰ بصری کے ہاں وراثت میں نانے کے باپ سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ منسوب بالوارث ہے‘ جب کہ دوسرا جد فاسد کے پیش نظر منسوب بلا وارث ہے۔

ابو سلیمان جرجانی اور ابو علی البستی کے ہاں منسوب بالوارث کو منسوب بلا وارث پر کوئی ترجیح اور فضیلت حاصل نہیں‘ لہذا صورت مذکورہ میں مال کی تقسیم ان میں اٹلاٹا ہو گی۔ دو ثلث نانے کے باپ کو اور ایک ثلث ثانی کے باپ کو یعنی اپنے اپنے لڑکے اور لڑکی کا حصہ‘ کیونکہ مال کی تقسیم بطن ثانی میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے طور پر ہو گی جہاں اختلاف واقع ہے‘ پھر ان کا حصہ آگے ان کے اپنے اپنے باپ کو دیا جائے گا۔

اگر ان کے درجات قرب و بعد میں برابر ہوں اور کوئی بھی کسی وارث کی وساطت سے منسوب الی المیت نہ ہو، یا سبھی منسوب الی المیت بالوارث ہوں، اور جس وارث کی وساطت سے منسوب ہو رہے ہیں اس کی صفت ذکورہ وانوشہ میں متفق ہو، نیز ان کی قرابت بھی متحدہ ہو۔ یعنی سبھی میت کے باپ کی طرف سے ہوں، یا اس کی ماں کی طرف سے، ایسی صورت میں۔ یعنی مذکورہ شرائط کے پائے جانے کی صورت میں مال فروع کے ابدان پر ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔

اگر وہ وارث جس کی وساطت سے وہ منسوب الی المیت ہو رہے ہیں۔ مختلف فی الصفتہ ہوں تو مال ”اول مختلف بطن“ میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا، پھر مختلف فیہ بطن میں ورثاء کو جو کچھ ملے وہ آگے ان کے ورثاء کو ملے گا۔

اور اگر ان میں درجات کی مساوات ہو، لیکن قرابت مختلف ہو تو پھر دو ”ثلث قرابت باپ“ کو اور ایک ثلث ”قرابت ماں“ کو دیا جائے گا، پھر ہر فریق کے حصے میں جو کچھ آئے گا وہ اس کے اپنے ورثاء میں ایسے تقسیم ہو گا، جیسے متحدہ قرابت کی صورت میں۔
”تصریح“

”ذووا الارحام“ کی صنف ثانی ”الاجداد الساقطون والجدات الساقطات“ میں ترکہ کے ورثاء مندرجہ ذیل ضابطہ کے مطابق درجہ بدرجہ وارث ہوں گے۔

(۱) ان میں سے جو بھی میت کے اقرب ہو گا وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا خواہ وہ اقرب من جتہ الاب ہو یا من جتہ الام۔ جیسے اجداد میں سے اب الام (نانا) اب ام الام (تانی کے باپ) سے اولیٰ بالمیراث ہے۔ کیونکہ نانا بنسبت ثانی کے باپ کے اقرب الی المیت ہے۔ ایسے ہی اب ام الاب (دادی کا باپ) بنسبت اب ام ام الاب (دادی کے نانے سے اولیٰ بالمیراث ہے۔ کیونکہ دادی کا باپ اقرب الی المیت ہے۔ جدات میں سے ام اب الام (نانے کی ماں) بنسبت ام ام اب الام (نانے کی تانی) سے اولیٰ بالمیراث ہو گی۔ کیونکہ وہ بھی دوسری کی بنسبت اقرب الی المیت ہے۔

(۲) اگر درجات قرب میں برابر ہوں تو پھر ابو سہیل الفرائضی وغیرہم کے ہاں مدلی بالوارث غیر مدلی بالوارث سے اولیٰ بالمیراث ہو گا۔ جیسے اب ام الام بنسبت اب اب الام اولیٰ بالمیراث ہے۔ کیونکہ اول مدلی بالوارث ہے جو جدۃ صحیحہ ہے اور ثانی مدلی بغیر

الوارث ہے اور وہ جد فاسد (ثنا) ہے۔ جدہ صحیحہ کی موجودگی میں وارث نہیں۔ لہذا ثانی نانے کی نسبت اقوی ہوگی۔ اسی لئے اس کا باپ بھی مثال مذکورہ میں اقوی بالمیراث ہوگا۔ لیکن جوزجانی اور ابو علی بستی کے ہاں مدلی بالوارث کو غیر مدلی بالوارث پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

لہذا مثال مذکورہ میں ترکہ دونوں کے درمیان اثلاً تقسیم ہوگا۔ دو ثلث $\frac{2}{3}$ ترکہ لاب اب الام کو دیا جائے گا جو اس کے باپ کا حصہ ہے۔ اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ لاب ام الام کو جو اس کی ماں کا حصہ ہے۔

عدم تفضیل کی علت غیر مفضلین کے نزدیک یہ ہے کہ اس طرح یعنی اجداد اور جدات فاسدات کو اولاء بالوارث کے ساتھ ترجیح دینے سے متبوع جد اور جدہ کا اپنے تابع کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے جو غیر صحیح اور خلاف عقل ہے۔ لہذا وراثت بالاولاء غیر معقول ہوگی۔ لیکن یہ غیر معقولیت صرف اجداد اور جدات فاسدات کی حد تک ہے۔ ورنہ صنف اول میں اولاء مدلی بالوارث غیر مدلی بالوارث سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ وہاں غیر معقولیت اس لئے لازم نہیں آتی کہ وہاں اولاد جو تابع ہے وہ تابع ہی رہتی ہے اور مدلی بہ وارث جو متبوع ہے وہ متبوع ہی رہتا ہے۔

(۳) اگر ذوا الارحام کے منازل (درجات) قرب و بعد میں برابر ہوں اور ان میں مدلی بالوارث کوئی نہ ہو جیسے کاب اب ام الاب (دادی کا دادا) اور ام اب اب ام الاب (دادی کی دادی) میں دونوں مدلی بالوارث نہیں۔ کیونکہ ان کا مدلی بہ غیر وارث ذوا الارحام میں سے ہے۔ یا تمام مدلی بالوارث ہوں جیسے کاب ام اب اب اب اب اور اب ام ام اب ام الاب میں دونوں مدلی بالوارث ہیں کیونکہ ان کا مدلی بہ وارث ہے۔ اور ان کے مدلی بہ کی صفت ذکورۃ و انوثہ میں بھی متفق ہو جس کی صورت یہ ہے کہ درمیانی وسائط میں مونث کے مقابلہ پر مونث اور مذکر کے مقابلہ پر مذکر ہو۔ جیسے غیر مدلی بالوارث کی مثال میں اوپر موجود ہے۔ اس میں جد اور جدہ دونوں کے مدلی بہ کی صفت ذکورۃ و انوثہ میں متحد ہے۔

نیز وہ قرابت میں بھی متحد ہوں یعنی تمام یا تو میت کے باپ کی جانب سے ہوں یا پھر ماں کی جانب سے جیسے مدلی بالوارث کی مثال میں دونوں فریق میت کے باپ کی

قربت میں متحد ہیں۔

ان مذکورہ شرائط کے پائے جانے پر ترکہ کی تقسیم ابدان فروغ پر ”للدکر مثل حظ الانثیین“ ہوگی۔ جیسے عدم الادلاء بالوارث کی مثال مذکورہ میں جو اب اب ام الاب اور ام اب ام الاب پر مشتمل ہے۔ اس میں چاروں شرائط موجود ہیں۔

اول..... دونوں ذورحم ودرشاء کا درجہ میں برابر ہونا ثانی..... عدم الادلاء بالوارث۔

ثالث..... مدلی بہ کی صفت میں اتفاق واتحاد رابع..... اتحاد القرابہ..... قربت میں اتحاد
لہذا ترکہ اس مثال میں باعتبار ابدان الفروع ”للدکر مثل حظ الانثیین“ اٹلاٹا تقسیم ہوگا۔

دو ثلث $\frac{2}{3}$ لاب اب ام الاب کو اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ لام اب ام
الاب کو چاروں شرائط کے پائے جانے پر ترکہ کی تقسیم کا حکم معلوم ہوا کہ وہ اٹلاٹا ہوگی۔
لیکن پہلی اور دوسری شرط کے نہ پائے جانے کا حکم علی الترتیب ماتن نے اوپر بیان کر دیا
ہے۔ وهو هذا

(۱) ”اولہم بالمیراث اقرابہم الی المیت“

(۲) ”فمن کان یدلی بوارث فہو اولی“

اب تیسری شرط کے معدوم ہونے کا حکم ماتن یوں بیان کرتے ہیں:

”وان اختلف صفة من ید لون بہم یقسم المال علی اول بطن اختلف کما فی
الصنف الاول“ یعنی اگر مدلی بہ کی صفت ذکورۃ وانوشت میں متحد نہ ہو بلکہ مختلف ہو
خواہ وہ درجے میں برابر ہی ہوں۔ جیسے ادلاء الکمل بوارث کی مثال میں مذکورہ ہے۔
وهو هذا: ”کاب ام اب اب الاب واب ام ام اب ام الاب“ اس مثال میں درمیانی وسائط
صفت ذکورۃ وانوشت میں متحد نہیں۔ ایسی صورت میں ترکہ کو مختلف فیہ بطن میں
”للدکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کرتے ہوئے ذکور واناث کے علیحدہ علیحدہ طائفے قائم
کئے جائیں گے۔ جیسا صنف اول میں گزر چکا ہے۔

چوتھی شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں (یعنی جب قربت میں اختلاف ہو خواہ
آگے درجات برابر ہی کیوں نہ ہوں) جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے ام اب ام اب الاب
اور ام اب اب اب الام چھوڑ جائے تو ایسی صورت میں بھی دو ثلث $\frac{2}{3}$

ترکہ باب کی قرابت کے لئے ہو گا جو ان کے باپ کا حصہ ہے۔ اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ ماں کی قرابت کے لئے جو ان کی ماں کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ مدلی بالاب باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور مدلی بالام ماں کے قائم مقام۔

”خلاصہ“

”فجعل التركة اثلاثا كانه ترك ابوين“ پھر جو ہر فریق کے حصے میں آئے گا اسے ان میں ایسا ہی تقسیم کیا جائے گا جیسے متحد فی القرابت فریق میں مال کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

”ضابطہ“

صنف ثانی کے بارے ضابطہ یہ ہے:

زودا الارحام درجہ میں برابر ہیں یا نہیں؟

اگر برابر نہیں تو جو اقرب الی المیت ہو گا وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا۔

اور اگر برابر ہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

قرابت متحد ہوگی یا نہیں۔

متحد نہ ہونے کی صورت میں ترکہ اٹھلافا تقسیم ہو گا۔

پہلی صورت میں جبکہ قرابت متحد ہوگی تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔

آیا صفت اصول متفق ہے یا نہیں؟

متفق نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کو اعلیٰ بطن مختلف فیہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور متفق ہونے کی صورت میں ترکہ کو ابدان فروع پر تقسیم کیا جائے گا۔



فصل فی الصنف الثالث

الحکم فیہم کالحکم فی الصنف الاول، اعنی 'اولہم بالمیراث اقربہم الی المیت وان استووا فی القرب۔ فولد العصبۃ اولی من ولد ذوی الارحام کبنت ابن الاخ وابن بنت الاخت کلاہما لاب وام او لاب' او احدہما لاب وام والاخر لاب' المال کلہ لبنت ابن الاخ لانہا ولد العصبۃ ولو کان لام المال بینہما للذکر مثل حظ الانثیین عند ابی یوسف رحمہ اللہ۔

ذووا الارحام کی قسم ثالث بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیوں اور اخینائی بہن بھائیوں کی اولاد پر مشتمل دس کی تعداد میں منحصر ہے۔

- | | |
|---------------------------|---------------------------|
| (۱) عینی بھائی کی بیٹی | (۲) علاقائی بھائی کی بیٹی |
| (۳) عینی بہن کا بیٹا | (۴) عینی بہن کی بیٹی |
| (۵) علاقائی بہن کا بیٹا | (۶) علاقائی بہن کی بیٹی |
| (۷) اخینائی بھائی کا بیٹا | (۸) اخینائی بھائی کی بیٹی |
| (۹) اخینائی بہن کا بیٹا | (۱۰) اخینائی بہن کی بیٹی |

اور ان کی چھ حالتیں ہیں:

(۱) درجات میں مختلف ہونے کی صورت میں اقرب مقدم ہوگا، خواہ اقرب کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) درجات اور عصوبت میں برابر ہونے کی صورت میں اقوی فی القرابت مقدم ہوگا۔

(۳) درجات میں تو برابر ہیں لیکن بعض عصبات کی اولاد میں سے اور بعض ذووا الارحام کی اولاد میں سے، ایسی صورت میں عصبات کی اولاد مقدم ہوگی۔

(۴) درجات میں تو برابر ہیں لیکن اصول میں اختلاف ہے ایسی صورت میں اول بطن مختلف فیہ میں "للذکر مثل حظ الانثیین" مال تقسیم ہوگا لیکن "فروع ام" میں مال برابر برابر تقسیم ہوگا۔ جیسے اخینائیوں میں برابر برابر تقسیم ہوتا ہے۔

(۵) اصول میں اختلاف کی بنیاد پر جب مال ان میں تقسیم ہوگا تو تعداد فروع کی معتبر ہو

گی۔
 (۶) فروع کا تعلق اگر متعدد اصول کی جہات سے ہوگا، تو اصول کی جہات کا فروع میں اعتبار ہو گا لہذا مصنف کا یہ کہنا ”الحکم فیہم کالحکم....“ کا یہی مفہوم مذکور ہے اگر قرب میں برابر ہوں تو ”ولد العصبۃ“ زودا الارحام کی اولاد سے اولیٰ اور بہتر ہو گا۔



باعتبار الابدان، وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، المال بینہما انصافاً باعتبار الاصول
بہذہ الصورۃ:

میت

الاخت لام	الاخ لام
بنت	ابن
ابن	بنت

وان استووا فی القرب، ولس فیہم ولد عصبۃ او کان کلہم اولاد العصابات، او کان
بعضہم اولاد العصابات وبعضہم اولاد اصحاب الفرائض، فابو یوسف رحمہ اللہ
تعالیٰ یعتبر الاقویٰ ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقسم المال علی الاخوة والاختوات
مع اعتبار عدد الفروع والجات فی الاصول فما اصاب کل فریق یقسم بین
فروعہم کما فی الصنف الاول۔

جیسے ابن الاخ کی بیٹی اور دوسری جانب بنت الاخت کا بیٹا، بھائی اور بہن خواہ عینی
ہوں خواہ علاقائی یا ایک علاقائی اور ایک عینی مال بہر حال ابن الاخ کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ
عصبہ کی اولاد ہے۔

اگر بہن بھائی صرف ماں کی طرف سے۔ یعنی..... خیانی ہوں تو پھر مال ان کی اولاد کے
درمیان امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ”للمذکر مثل حظ الانثیین“ ہو گا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ
کے نزدیک اصول کا اعتبار کرتے ہوئے نصف و نصف، کیونکہ خیانی بہن بھائی تقسیم میں
جب برابر ہیں تو ان کی اولاد بھی برابر ہو گی، لہذا صورت مذکورہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے
ہاں مسئلہ 3 سے ہو گا اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک 2 سے۔

”تصریح“

مثال مذکور میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ”للمذکر مثل حظ الانثیین“
اولاً تو اس لئے تقسیم ہو گا کہ اصل قاعدہ میراث میں ”تفضیل الذکر علی الانثی“ ہے
لیکن یہ قاعدہ خیانی بہن بھائیوں میں اس لئے متروک ہے کہ نص صریح ”فہم شریکاء فی
الثلث“ اس اصل (قیاس) کے خلاف موجود ہے۔ اور جو چیز کسی اصل (قیاس) سے یوں

مخصوص ہو اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز ملحق قرار نہیں دی جاسکتی جو من جمیع الوجوہ اس کے معنی میں نہ ہو لہذا

اخیانی بہن، بھائیوں کی اولاد اخیانی بہن، بھائیوں کے معنی میں یعنی ان کے قائم مقام نہ ہوگی۔ کیونکہ اخیاہوں کی فروع (اولاد) توریث بالفرضیت میں اصول کے برابر نہیں۔ اصول بالفرضیت وارث ہیں جبکہ فروع بالرحم۔ لہذا



کما اذا ترک ثلاث بنات اخوة متفرقين، وثلاثة بنين، وثلاث بنات اخوات متفرقات بهذه الصورة:

میت

اخ لاب وام اخ لاب اخ لام اخت لاب وام اخت لاب اخت لام
بنت بنت بنت ابن بنت ابن بنت ابن بنت

عند ابی یوسف - رحمہ اللہ - یقسم کل المال بین فروع بنی الاعیان ثم بین فروع بنی العلات ثم بین فروع بنی الاخیاف للذکر مثل حظ الانثیین 'ارباعاً باعتبار الابدان۔

وعند محمد - رحمہ اللہ - یقسم ثلاث المال بین فروع بنی الاخیاف علی السوية اثلاثاً لاستواء اصولهم فی القسمة، والباقی بین فروع بنی الاعیان انصافاً باعتبار عدد الفروع فی الاصول 'نصفه لبنت الاخ۔ نصیب ابيها والنصف الاخر بین ولدی الاخت: للذکر مثل حظ الانثیین 'باعتبار الابدان، وتصح من تسعة

”تفضیل الذکر علی الانثی“ کا قاعدہ اصول یعنی اخیانی بہن، بھائیوں میں تو ناقابل اعتبار ہے لیکن فروع میں قابل اعتبار۔

ثانیاً..... اس لئے کہ ذوا الارحام کی توریث عضویت کے معنی میں ہے تو پھر ان میں بھی مذکر کو مونث پر فضیلت حاصل ہوگی جیسے عصباء میں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک باعتبار الاصول انصافاً تقسیم ہو گا۔ اس لئے کہ ان کا استحقاق میراث ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے اور اس قرابت میں مذکر کو مونث پر فضیلت حاصل نہیں۔ بلکہ کبھی انثی مذکر پر فضیلت لے جاتی ہے۔ جیسے ام الام (ثانی) اب الام (نانے) پر فضیلت رکھتی ہے۔

کیونکہ وہ جدہ صحیحہ ہونے کے باعث صاحبۃ الفرض حصہ دار ہے۔ جبکہ نانا جد فاسد ہونے کے باعث وراثت سے محروم ہے۔ لہذا

مدلی بہ کے اعتبار سے اخیانیوں کی اولاد میں مال برابر برابر تقسیم ہو گا۔ جیسے مدلی بہ

اخیاہی بن، بھائی ٹلٹ میں برابر تھے ان کی اولاد بھی مال کی تقسیم میں برابر۔
اگر ذوالاارحام کی قسم ثالث قرب الی المیت میں برابر ہوں اور ان میں کوئی بھی اولاد
عصبۃ میں سے نہ ہو یا تمام کے تمام اولاد عصبۃ میں سے ہوں یا بعض اولاد عصبۃ میں سے
اور بعض اولاد اصحاب الفروض میں سے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مال کی تقسیم میں
اقوی فی القرابۃ کا اعتبار ہو گا۔ لہذا اول حیثیت میں وہ ہو گا جس کا اصل ”یعنی“ ہو گا۔
دوسری حیثیت میں وہ جس کا اصل ”علائی“ اور تیسری میں وہ جس کا ”اخیاہی“ ہو گا۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کی تقسیم فروع کی بجائے اصول میں ہو گی، لیکن تعداد
فروع کی اور وصف اصل کی اصول میں معتبر ہو گی، پھر اصول میں سے جو کچھ کسی کو ملے گا
وہ اس کے فروع میں ”صنف اول“ کی طرح تقسیم ہو گا۔ جیسے..... کوئی انسان تین متفرق
بھائیوں کی تین بیٹیاں اور تین متفرق بہنوں کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ جائے تو امام
ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تمام مال ”بنو الاعیان“ کے فروع میں تقسیم ہو گا، وہ نہ ہوں تو ”بنو
العلات“ کے فروع میں، نہیں تو پھر ”بنو الاخیاف“ کے فروع میں ”للذکر مثل حظ
الانثیین“ یعنی..... ان کے ابدان کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک $\frac{1}{3}$ حصہ مال بنو الاخیاف کے فروع میں برابر برابر
تقسیم ہو گا کیونکہ ان کے اصول میں بھی مال برابر برابر ہی تقسیم ہوتا ہے۔

اور باقی $\frac{2}{3}$ حصہ مال بنو الاعیان کے فروع میں نصف نصف بوجہ فروع کی
تعداد اصول میں معتبر ہونے کے لہذا $\frac{2}{3}$ کا نصف بنت اللخ کو اس کے باپ کا حصہ
اور باقی نصف اخت کے دونوں بچوں کو ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔
مسئلہ کی تشکیل 3 سے ہو گی اور تصحیح 9 سے۔

”تصریح“

یہ مسئلہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 4 سے صحیح ہو گا لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک
9 سے کیونکہ ان کے ہاں اصل مسئلہ 3 سے تشکیل پاتا ہے جن میں سے 1 تینوں اخیاہی بن،
بھائیوں کی اولاد کو اور باقی 2 حقیقی بن، بھائیوں کی اولاد کو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ ”عدد الفروع ماخوذ فی الاصل“ کے مطابق حقیقی بھائی کی بیٹی
کو ایک اور حقیقی بن کی بیٹی اور بیٹے دونوں کو ایک ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق۔

بیٹا چونکہ قائم مقام دو بیٹیوں کے ہوتا ہے لہذا یوں سمجھئے جیسے بہن کی تین بیٹیاں ہیں۔ اور ایک جیسے تین اخیانی بہن، بھائیوں کی اولاد میں صحیح منقسم نہیں ہوتا جیسے ایک حقیقی بہن کی اولاد تین بیٹیوں میں بھی صحیح تقسیم نہیں ہوتا۔ لہذا اخیانی بہن، بھائیوں کی اولاد کے رؤوس 3 اور ان کے حصہ 1 نیز عینی بہن کی اولاد کے رؤوس 3 اور ان کے حصہ میں مماثلت کے باعث ایک کے رؤوس کی تعداد 3 کو اصل مسئلہ 3 میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ لہذا

$$9 = 3 \times 3 \text{ سے تصحیح ہوگی۔}$$

اصل مسئلہ سے اخیانی بہن، بھائیوں کو ایک ملا تھا مضروب 3 میں ضرب دینے سے حاصل ضرب 3 آئے گا جو ان میں ایک ایک کے حساب سے صحیح تقسیم ہوگا۔



ولو ترك ثلث بنات بنی اخوة متفرقين بهذه الصورة:

الاخ لاب وام	الاخ لاب	الاخ لام
ابن	ابن	ابن
بنت	بنت	بنت

المال كله لبنت ابن الاخ لاب وام بالاتفاق لانها ولد العصبه ولها ايضاً قوة القرابة

یعنی بھائی کی بیٹی کو بھی ایک ملا تھا مضروب میں ضرب دینے سے اب اسے 3 ملیں گے۔

یعنی بہن کی بیٹی اور بیٹے کو بھی ایک ہی ملا تھا مضروب میں ضرب دینے سے اب انہیں 9 کی تصحیح سے 3 ملیں گے جو ان میں ”للدکر مثل حظ الانثیین“ کی صورت میں تقسیم کرنے سے لڑکی کو 1 اور لڑکے کو 2 ملیں گے۔

اگر متوفی تین متفرق بھائیوں کے بیٹوں کی تین بیٹیاں چھوڑ جائے تو مال تمام کا تمام بالاتفاق یعنی بھائی کے بیٹے کی بیٹی کو ملے گا، ایک تو اس لئے کہ وہ عصبہ کی اولاد میں سے ہے، دوسرے اس لئے کہ اسے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قوت قرابت حاصل ہے، بخلاف بنت ابن الاخ لاب اور بنت ابن الاخ لام کے، جنہیں یہ قوت قرابت حاصل نہیں۔
”تصریح“

ماتن نے صنف ثالث میں امام محمد رحمہ اللہ کے نظریہ کے مطابق جہات اور عدد فروع کے اصول میں اعتبار کئے جانے کی کوئی مثال بیان نہیں کی۔ لہذا بعض شارحین نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔ جیسے کوئی متوفی ترک

”ابن بنت الاخ لاب“ و بنتی ابن اخت لاب“ و هما ایضاً بنتا بنت لاب وام و ایضاً ترک بنت ابن اخت لام“ بھذہ الصورة“

اخ ت لام	اخ ت لاب و ام	اخ ت لاب	اخ ت لاب
ابن	بنت	ابن	بنت
بنت		بنتی	ابن

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تمام ترکہ حقیقی بہن کی دونوں نواسیوں کو بوجہ قوت قرابت ملے گا اور باقی ورثاء محجوب ہوں گے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اصول میں جہات اور عدد فروع کا اعتبار کرتے ہوئے تقسیم ہو گا اور جو کچھ اصول کے حصے میں آئے گا وہ آگے ان کے اپنے اپنے فروع کو ملے گا۔

لہذا صورت مذکورہ میں اصل مسئلہ بوجہ سدس کے پائے جانے کے 6 سے تشکیل پائے گا۔ جس میں سے اخیاہی بہن کو سدس 1، حقیقی بہن کو بوجہ فروع کی تعداد کے اصل میں معتبر ہونے سے 4، ثلاثان۔ علاقائی بھائی اور بہن کو ”ما بقی للذکر مثل حظ الانثیین عصبۃ“ 1۔

لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے اصل کے مطابق فروع کی تعداد اصل میں ماخوذ ہونے سے علاقائی بہن ایک کی بجائے دو متصور ہوں گی۔ لہذا علاقائی بھائی اور بہن میں ان کا حصہ انصافاً تقسیم ہو گا۔ چونکہ ایک حصہ ان پر مستقیم بلا کسر تقسیم نہیں ہوتا لہذا نصف کے مخرج دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر $2 \times 6 = 12$ سے تصحیح کی کوشش کی جائے گی۔

اب 6 کی تصحیح سے جو کچھ کسی کو ملا اسے مضروب 2 میں ضرب دے کر 12 کی تصحیح سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا اب اخیاہی بہن کو 2، حقیقی بہن کو 8، علاقائی بھائی اور بہن کو 2 ملیں گے جن میں سے علاقائی بھائی کو ایک اور بہن کو بھی ایک حصہ میں آئے گا۔ لیکن بہن کا حصہ نیچے دو پوتیوں پر مستقیم تقسیم نہیں ہوتا لہذا پھر نصف کے مخرج 2 کو تصحیح ثانی میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔ تو اب $2 \times 12 = 24$ میں سے اخیاہی بہن کو 4، حقیقی بہن کو 16 علاقائی بھائی بہن کو 4 ملیں گے۔

علاقائی بھائی، بہن کا حصہ ان میں نصف نصف تقسیم ہو گا۔ بہن کے دو حصے نیچے اس کی دو پوتیوں میں ایک ایک کے حساب سے پورا پورا تقسیم ہوں گے۔ اور حقیقی بہن کی دو نواسیوں کو جو علاقائی بہن کی بھی پوتیاں ہیں۔ دونوں جتوں سے اٹھارہ ملیں گے جن میں سے ہر ایک کو نو، نو حصہ میں آئیں گے۔

فصل فی الصنف الرابع

الحکم فیہم انہ اذا انفرد واحد منهم استحق المال کله لعدم المزاحم وان اجتمعوا وکان حیز قرابتہم متحدًا کالعمات والاعمام لام والاخوال والخالات فالاقویٰ منهم اولیٰ بالاجماع اعنی من کان لاب وام اولیٰ ممن کان لاب ومن کان لاب اولیٰ ممن کان لام ذکورًا کانوا او اناثًا وان کانوا ذکورًا واناثًا واستوت قرابتہم فللذکر مثل حظ الانثیین کعم وعمۃ کلاہما لام او خال وخالۃ کلاہما لاب وام او لاب او لام۔

وان کان حیز قرابتہم مختلفًا فلا اعتبار لقوة القرابة کعمۃ لاب وام وخالۃ لام او خالۃ لاب وام وعمۃ لام فالثلثان لقرابة الاب وهو نصیب الاب والثلث لقرابة الام وهو نصیب الام ثم ما اصاب کل فریق یقسم بینہم کما لو اتحد حیز قرابتہم۔

”الصنف الرابع.....“

اس قسم میں وہ ذووا الارحام داخل ہیں۔ جو ”یتنسبون الی جدی المیت او جدتیہ“ یعنی عمات، اخوال وخالات علی الاطلاق واعمام لام پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں، حقیقی ہوں، خواہ علاقائی یا پھر اخیانی، اور اخیانی چچے، نیز ان سب کی اولاد اور اولاد در اولاد۔ خیال رہے! اخیانی چچا، پھوپھی اور خالہ نیز ماموں دس اقسام میں منحصر ہیں۔ چار من جہۃ الاب اور چھ من جہۃ الام۔ یعنی علاقائی، اخیانی پھوپھیاں، نیز اخیانی چچا یہ تو چار باپ کی جانب سے ذووا الارحام ہوئے اور یعنی علاقائی، اخیانی ماموں، اور ایسی ہی تین قسم کی خالائیں یہ چھ ماں کی طرف سے ہوئے۔

ان اعمام، اخوال، عمات، اور خالات میں تفاوت فی القرب تو نہیں ہاں ان کی اولادوں میں آگے چل کر ہو سکتا ہے، جہاں اقرب فالاقرب کا اعتبار ہو گا۔ ان مذکورہ دس ذووا الارحام کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) اس میں سبھی کے سبھی حیز قرابت میں ماں کی جانب سے ہوں، یا باپ کی طرف سے، جو بھی ان میں اقویٰ فی القرابت ہو گا وہ مقدم فی المیراث ہو گا، خواہ کوئی لڑکی ہی کیوں

نہ ہو، یعنی..... یعنی علاقائی پر اور علاقائی اخائی پر مقدم ہو گا۔

(۲) اس میں ان کی قرابت کا چیز مختلف ہو گا، یعنی..... بعض کی قرابت باپ کی طرف سے اور بعض کی ماں کی طرف سے ہو گی، ایسی صورت میں باپ کی قرابت والوں کو دو ثلث $\frac{2}{3}$ اور ماں کی قرابت والوں کو ایک ثلث $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا، مثلاً اگر کوئی متوفی پھوپھی اور خالہ چھوڑ جائے تو جمع مال متروکہ کا دو ثلث پھوپھی کو اور ایک ثلث خالہ کو دیا جائے گا۔

ان مذکورہ دو حالتوں کو مد نظر رکھ کر مصنف فرماتے ہیں۔

(۱) ”الحکم فیہم انہ اذا انفرد واحد منہم“ یعنی..... جب ذوا الارحام کی صنف رابع میں ایک ہی انسان ہو تو وہ بوجہ کسی دوسرے حصہ دار کے نہ ہونے کے جمع متروکہ مال کا مالک اور وارث ہو گا۔ ”کما ترک عما واحداً وخالاً واحداً“

(۲) اور اگر کئی ایک انسان ہوں اور ان کا چیز قرابت بھی متحد ہو تو پھر جو ان میں اقویٰ فی القرابت ہو گا۔ خواہ کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو۔ وہی اولیٰ بالمیراث ہو گا، جیسے..... پھوپھیاں اور اخائی چچے یا ماموں اور خالات، جو بھی ان میں سے لاب و ام ہو گا وہ وراثت میں ایسے انسان سے بہتر ہو گا جو صرف لاب ہو گا اور صرف باپ کی جانب سے جو ہو گا وہ نسبت اس کے بہتر ہو گا جو صرف ماں کی طرف سے ہو گا اور یہ اس لئے کہ جانبین کی قرابت اقویٰ ہے اور ایسے ہی قرابت الاب ماں کی قرابت سے اقویٰ ہے لہذا حقیقی پھوپھی، علاقائی پھوپھی اور اخائی چچا اور پھوپھی سے اولیٰ بالمیراث ہو گی اور ایسے ہی ماموں اور خالہ بھی قرابت کے متحد ہونے کی صورت میں اگر وہ قرابت میں بھی برابر ہیں تو پھر ان میں مال ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ جیسے چچا، پھوپھی، یا خال اور خالہ دونوں ماں باپ کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے۔

اور اگر ان کا چیز قرابت مختلف ہو تو پھر قوت قرابت کا کوئی اعتبار نہ ہو گا، بلکہ دو ثلث جمع مال کا باپ کی جانب سے ذوا الارحام کے لئے ہو گا اور ایک ثلث ماں کی طرف سے ذوا الارحام کے لئے پھر جو ہر فریق کے حصے آئے گا اس کو ان میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کیا جائے گا۔ جیسے مذکور فی المتن مثال میں باپ کی

قرابت والوں کو دو ثلث $\frac{2}{3}$ اور ماں کی قرابت والوں کو ایک ثلث $\frac{1}{3}$ ملے گا۔ پھر جو کسی فریق کو ملے گا وہ اس میں یوں تقسیم ہو گا۔
 اگر عمت ایک سے زیادہ ہیں تو ان کا حصہ دو ثلث $\frac{2}{3}$ ان میں برابر برابر تقسیم ہو گا۔ ایسے ہی حالات میں بھی اگر ایک سے زیادہ ہیں تو ان کا ایک ثلث $\frac{1}{3}$ ان میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اگر کسی فریق میں مرد و زن دونوں موجود ہوں تو پھر ”للذكر مثل حظ الانثيين“ تقسیم ہو گا۔ جیسے اخیانی چچا اور چچی میں۔



فصل فی اولادہم

الحکم فیہم کالحکم فی الصنف الاول۔

ذووا الارحام کی صنف رابع کی اولاد کا حکم وراثت میں ذووا الارحام کی صنف اول ہی کے مماثل ہے، یعنی..... اولی بالمیراث وہ ہو گا جو اقرب الی المیت ہو گا، خواہ کسی ہی جانب سے ہو، باپ کی طرف سے یا ماں کی جانب سے۔
خیال رہے! ان کی آٹھ حالتیں ہیں:

(۱) جب درجات میں وہ متفاوت ہوں تو اقرب الی المیت مقدم فی الوراثة ہو گا، لہذا پھوپھی اور خالہ کی اولاد، پھوپھی کی اولاد کی اولاد اور خالہ کی اولاد کی اولاد سے بوجہ قرب کے مقدم ہوگی۔

(۲) اس حالت میں جبکہ درجات اور چیز قرابت میں تو وہ متحد اور مساوی ہوں آگے خواہ وہ ماں کی جانب سے ہوں یا باپ کی طرف سے، عصبہ کی اولاد ہوں، یا ذو رحم کی، جو بھی اقوی فی القرابت ہو گا مقدم فی المیراث ہو گا۔ لہذا جو ذو رحم ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو گا وہ ایسے ذو رحم سے جو صرف باپ کی طرف سے ہو گا بوجہ قوت قرابت کے مقدم ہو گا۔ اور اگر قوت قرابت میں برابر ہوں تو پھر وہ مساوی فی المیراث ہوں گے۔

(۳) درجات میں تو وہ برابر اور چیز قرابت میں بھی وہ متحد ہیں، لیکن بعض ان میں سے اولاد عصبہ ہیں، جبکہ بعض اولاد ذو رحم، ایسی صورت میں عصبہ کی اولاد مقدم فی المیراث ہوگی، جیسے حقیقی چچا کی بیٹی اور حقیقی پھوپھی کا بیٹا ہو تو وراثت چچے کی بیٹی کو ملے گی، کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے۔

(۴) اور اگر چیز قرابت مختلف ہو لیکن بعض ولد العصبۃ اور بعض ولد ذی الرحم ہوں، جیسے..... ایک طرف چچا کی بیٹی اور دوسری طرف ماموں کا بیٹا تو یہ صورت مختلف فیہ ہے، بعض فقہاء کے نزدیک ماموں کا بیٹا محروم رہے گا اور تمام تر مال چچا کی بیٹی کو ملے گا، لیکن بعض دوسروں کے نزدیک مال کی تقسیم یوں ہوگی۔

دو ثلث مال $\frac{2}{3}$ چچا کی بیٹی کو، اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ ماموں کے بیٹے کو،

ماتن اور صاحب ہدایہ کا یہی خیال ہے۔
 (۵) اس حالت میں ان کی قرابت کا چیز تو مختلف ہے، لیکن ہیں تمام کے تمام اولاد و زو رحم
 میں سے، جیسے ایک طرف پھوپھی کی بیٹی اور دوسری طرف خالہ کی بیٹی۔



اعنی: اولہم بالمیراث اقربہم الی المیت، من ای جہۃ کان، وان استووا فی القرب،
وکان حیز قرابتہم متحداً فمن كانت له قوة القرابة، فهو اولی بالاجماع۔
وان استووا فی القرب والقرابة وکان حیز قرابتہم متحداً فولد العصبۃ اولی کبنت
العم وابن العمۃ، کلامہما لاب وام او لاب المال کلہ لبنت العم لانہا ولد العصبۃ۔
وان کان احدہما لاب وام، والاخر لاب: المال کلہ لمن کان له قوة القرابة فی ظاہر
الروایۃ۔ قیاساً علی خالۃ لاب مع كونہا ولد ذی رحم ہی اولی بقوة القرابة من
الخالۃ لام مع كونہا ولد الوارثۃ لان الترجیع لمعنی فیہ۔ وهو قوة القرابة اولی من
الترجیع لمعنی فی غیرہ وهو الادلاء بالوارث۔

وقال بعضهم: المال کلہ لبنت العم لاب، لانہا ولد العصبۃ، وان استووا فی القرب
ولکن اختلف حیز قرابتہم فلا اعتبار لقوة القرابة، ولا لولد العصبۃ فی ظاہر الروایۃ:
قیاساً علی عمۃ لاب وام مع كونہا ذات القرابتین، وولد الوارث من الجہتین، ہی
لیست باولی من الخالۃ لاب او لام۔ لکن الثلثین لمن یدلی بقرابة الاب فتعتبر
فیہم قوة القرابة ثم ولد العصبۃ والثلث لمن یدلی بقرابة الام وتعتبر فیہم قوة
القرابة۔

- ایسی صورت میں مال کا دو ٹلٹ $\frac{2}{3}$ قرابت باپ کو اور ایک ٹلٹ $\frac{1}{3}$
قرابت ماں کو ملے گا، یعنی پھوپھی کی بیٹی کو $\frac{2}{3}$ اور خالہ کی بیٹی کو $\frac{1}{3}$
(۶) درجات میں تو وہ برابر ہیں لیکن ان کے اصول کی صفت ذکورۃ وانوشۃ میں مختلف
ہونے کے ساتھ بطون میں تعدد ہے، ایسی حالت میں مال کو اولاً بطن اول میں تقسیم کیا
جائے گا، جہاں ذکورۃ وانوشۃ میں اختلاف ہو گا۔
(۷) اس حالت میں جبکہ مال اصول میں تقسیم کیا جائے گا تعداد فروع کی اصول میں معتبر ہو
گی۔

- (۸) اس حالت میں جبکہ مال اصول کی بجائے فروع میں تقسیم ہو گا، جہات اصول کا اعتبار
فروع میں معتبر ہو گا، جیسے صنف اول اور ثالث میں بیان ہو چکا ہے۔
لہذا ان مذکورہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماتن پہلی حالت کے مطابق کہتے ہیں:

”اولہم بالمیراث اقربہم الی المیت.....“

اور دوسری حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے:

”وان استووا فی القرب.....“

اور تیسری حالت کے متعلق کہتے ہیں:



ثم عند ابی یوسف - رحمه الله تعالى - ما اصاب كل فريق يقسم على ابدان فروعهم مع اعتبار عدد الجهات في الفروع -
 وعند محمد - رحمه الله تعالى - يقسم المال على اول بطن يختلف مع اعتبار عدد الفروع والجهات في الاصول كما في الصنف الاول -
 ثم ينتقل هذا الحكم الى جهة عمومة ابويه وخوولتهما ثم الى اولادهم ثم الى جهة عمومة ابوى ابويه وخوولتهما ثم الى اولادهم كما في العصابات -

”وان استووا في القرب والقربة.....“

جیسے چچا کی بیٹی اور پھوپھی کا بیٹا۔ چچا اور پھوپھی دونوں یعنی ہوں یا علاقائی۔ مال تمام کا تمام عصبتہ کی اولاد ہونے کے باعث چچا کی بیٹی کو ملے گا۔
 اور اگر چچا اور پھوپھی میں سے کوئی ایک ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں اور دوسرا صرف باپ کی طرف سے تو تمام مال ظاہر روایت کے مطابق اسے ملے گا جسے قوت قرابت نصیب ہوگی، جیسے..... خالۃ لاب اور خالۃ لام میں سے قوت قرابت کے باعث مال تمام کا تمام خالۃ لاب کو ہی ملے گا۔ حالانکہ خالۃ لاب ذو رحم کی اولاد میں سے ہے، جبکہ خالۃ لام وارث کی اولاد میں سے، لیکن ترجیح خالۃ لاب کو بوجہ قوت قرابت کے ہوگی، کیونکہ باپ کی طرف سے قرابت بنسبت ماں کی طرف سے قرابت سے قوی ہے۔

چوتھی اور پانچویں حالت کا بیان ماتن قدرے اجمال سے: ”وان استووا في القرب ولكن اختلف حيز قرابتهم فلا اعتبار لقوة القرابة ولا لولد العصبه“ میں کرتے ہیں، نیز چھٹی کا ضمناً اور ساتویں، آٹھویں کا قدرے وضاحت سے بیان: ”ثم عند ابی یوسف - رحمه الله تعالى - ما اصاب كل فريق يقسم على ابدان فروعهم“ میں کرتے ہیں۔

مثلاً کوئی انسان اپنی وفات پر ذیل کے ورثاء چھوڑ جاتا ہے۔

علاقائی پھوپھی کے دو نواسے، علاقائی پھوپھی کی دو پوتیاں جو علاقائی چچا کی بھی نواسیاں ہیں۔

عم لاب	عمۃ لاب	عمۃ لاب	بہذہ الصورۃ:
بنت	ابن	بنت	
	بنتی	ابنی	

نیز علاقائی خالہ کی دو نواسیاں، علاقائی خالہ کے دو پوتے جو علاقائی ماموں کے نواسے بھی

ہیں۔

بنده الصورة:	خالۃ لاب	خالۃ لاب	خال لاب
	بنت	ابن	بنت
	بنی	ابنی	

اصل مسئلہ سابقہ ضابطہ کے مطابق 3 سے تشکیل پائے گا جس میں سے دو ثلث

$\frac{2}{3}$ قرابت اب کے لئے اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ قرابت ام کے لئے ہو گا۔

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فروع پر تقسیم کی تصحیح تیس سے ہو گی۔ اس لئے کہ فریق اب کو جو ثلثان کی صورت میں 2 ملے ہیں وہ ان کے رؤوس پر صحیح تقسیم نہیں ہوتے جو تعداد میں 4 ہیں۔

دو علاقائی پھوپھی کے نواسے اور باعتبار جہات کے علاقائی پھوپھی اور علاقائی چچا کی چار پوتیاں اور نواسیاں جو بالاختصار دو بیٹوں کے قائم مقام ہیں۔ تاہم ان کے رؤوس 4 اور ان کے حصہ 2 میں توافق بالانصف پایا جاتا ہے جس کے باعث ان کے رؤوس کی تعداد نصف شمار ہو گی۔ اور فریق ام کو ثلث کی صورت میں 1 ملا جو فروع میں جہات کے اعتبار سے ان کے رؤوس 5 پر صحیح منقسم نہیں۔ نیز ان کے حصے اور رؤوس میں مبنیت ہے۔

لہذا فریق اب کے رؤوس 2 کو فریق ام کے رؤوس 5 میں (جن کے درمیان نسبت بتاین کی ہے) ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ 3 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔

$2 \times 3 \times 5 = 30$ سے تصحیح ہو گی۔ جس میں سے دو ثلث 20 فریق اب کو ملیں گے

جن میں سے 10 علاقائی پھوپھی کے دو نواسوں کو اور 10 علاقائی پھوپھی اور علاقائی چچا کی پوتیوں اور نواسیوں کو۔ اور باقی ایک ثلث 10 فریق ام کو جن میں سے 8 علاقائی خالہ اور علاقائی ماموں کے دو پوتوں، نواسوں کو ملیں گے اور 2 علاقائی خالۃ کی دو نواسیوں کو۔

امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں مسئلہ کی تصحیح 36 سے ہو گی کیونکہ ان کے ضابطہ کے مطابق مال بطن اول مختلف فیہ میں جہات اور عدد فروع کا اعتبار کرتے ہوئے تقسیم کیا جاتا ہے۔ لہذا فریق اب میں علاقائی عم کو دو عم کے برابر تصور کیا جائے گا جو چار عمت کے برابر ہوں گے اور

ہر ایک علاقائی عمتہ دو دو کے برابر لہذا آٹھ عمت کے جمع ہو جانے پر جب ان میں اختصار کیا جائے گا تو وہ عم جو بمرتبہ چار عمت کے ہے برابر ایک کے اور باقی ماندہ چار برابر ایک کے شمار ہوں گے۔ جب ان کا حصہ دو ثلث $\frac{2}{3}$ ان میں تقسیم کیا جائے گا تو ہر ایک کو حصہ میں ایک ایک آئے گا۔

ایسے ہی فریق ام میں بھی علاقائی خال بمرتبہ دو خال کے ہو گا جو برابر چار خالات ہوں گے اور ہر ایک دو علاقائی خالات میں سے جہات اور عدد فروع کا اصول میں اعتبار کرنے سے دو دو شمار ہوں گی۔ لہذا یہاں بھی مجموعہ آٹھ خالات جمع ہو گئیں جب ان کا عدد رؤوس میں اختصار کیا جائے گا تو وہ خال جو بمرتبہ چار خالات کے تھا ایک خال شمار ہو گا اور باقی ماندہ چار خالات بمرتبہ ایک خال کے۔

اور جو انہیں اصل مسئلہ کے ثلث کے اعتبار سے ایک ملا تھا وہ ان دو احوال پر مستقیم تقسیم نہیں ہوتا، لہذا ان کے عدد رؤوس کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر $6 = 3 \times 2$ حاصل ضرب سے تصحیح کی کوشش کی جائے گی۔ جس میں سے فریق اب کو 4 حصے میں آئیں گے جن میں سے 2 علاقائی عم کو دیئے جائیں گے جو نیچے اس کے فروع میں بنتی بنت کو دے دیئے جائیں گے۔ جو آپس میں ایک ایک تقسیم کر لیں گی۔

اور فریق اب کے حصہ میں سے دوسرے 2 دو علاقائی عمت کو دیئے جائیں گے اور انہیں امام محمد رحمہ اللہ کے ضابطہ کے مطابق ایک طائفہ قرار دیتے ہوئے نیچے بطن مختلف فیہ میں تقسیم کیا جائے گا جس میں فروع کی تعداد اصل میں اعتبار کرنے سے بیٹا بمرتبہ دو بیٹوں کے اور بیٹی بمرتبہ دو بیٹیوں کے متصور ہوگی۔

رؤوس میں اختصار سے دو بیٹیاں ایک بیٹے کے قائم مقام ہوں گی لہذا مجموعاً رؤوس کی تعداد 3 سامنے آئے گی۔ دونوں علاقائی عمت کا حصہ 2 تھا جو رؤوس کی تعداد 3 پر مستقیم تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ان کے درمیان مباہنت ہے۔ لہذا 3 رؤوس اپنی جگہ بحال رہیں گے۔ اور فریق ام کو 6 کے مسئلہ سے 2 ملے جن میں سے 1 علاقائی خال کو دیا جائے گا اور دوسرا دونوں علاقائی خالات کو ایک طائفہ قرار دیتے ہوئے دیا جائے گا۔

جب علاقائی خال کا حصہ 1 اس کے اپنی بنت کو منتقل ہو گا تو وہ ان پر مستقیم تقسیم نہ ہو گا لہذا ان کے عدد رؤوس 2 بھی اپنی جگہ بحال رہیں گے۔ پھر جب ہم علاقائی خالات کے بطن

ثانی میں نظر ڈالتے ہیں تو وہاں ایک بیٹا دو کے قائم مقام اور ایک بیٹی دو بیٹیوں کے قائم مقام تعداد الفروع فی الاصول کے اعتبار سے نظر آتے ہیں جو اختصاراً مجموعاً تین بیٹوں کے قائم مقام ہیں۔

جن پر دو علاقائی حالات کا 1 حصہ مستقیم تقسیم نہیں ہوتا۔ لہذا ان کے عدد رؤوس کو بھی محفوظ رکھا جائے گا۔ اب ہم جب محفوظ رؤوس کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں تو وہ مندرجہ ذیل نظر آتے ہیں۔ 3-2-3

تین اور تین میں تو نسبت مماثلث ہے لہذا حسابی عمل میں ان میں سے ایک ہی تعداد کافی ہوگی اور دو اور تین کے درمیان نسبت تباہ کی ہے لہذا ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $2 \times 3 = 6$ آئے گا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب $6 \times 6 = 36$ سے مسئلہ کی تصحیح کر لی جائے گی۔ اصل مسئلہ 6 سے فریق اب کے لئے 4 تھے لہذا مضروب 6 میں ضرب دینے سے جو $6 \times 4 = 24$ حاصل ضرب آئے گا وہ 36 کی تصحیح سے ان کا حصہ ہو گا۔ جس میں سے بنت العم کی دو بیٹیوں کے حصہ 2 کو مضروب 6 میں ضرب دے کر $6 \times 2 = 12$ ان کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا جو آپس میں انصافاً تقسیم کر لیں گی۔ نیز ان کے حصہ جو عمتہ علاقائی سے ملا وہ ایک ہے مضروب مذکور میں ضرب دینے سے مزید انہیں 6 ملیں گے لہذا 24 میں سے ان کے کل حصہ $12 + 6 = 18$ ہوئے جو ہر ایک کو 9-9 کی تعداد میں نصیب ہوں گے۔ اور جو علاقائی عمتہ کے دونوں کو حصہ میں ملا تھا اسے مضروب میں ضرب دے کر ان کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔

انہیں مسئلہ 6 سے ایک ملا تھا لہذا $6 \times 1 = 6$ انہیں دیئے جائیں گے۔ یوں 24 حصہ فریق اب میں تقسیم ہوں گے۔ ایسے ہی فریق ام کے لئے اصل مسئلہ 6 سے 2 حصے تھے جن کو مضروب 6 میں ضرب دے کر 36 کی تصحیح سے ان کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ لہذا $6 \times 2 = 12$ ان کا حصہ ہو گا جن میں سے علاقائی خال کے دونوں کو 6 کی تصحیح سے ملنے والے 1 حصہ کو مضروب 6 میں ضرب دینے سے ان کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا جسے دونوں میں انصافاً تقسیم کرنے سے ہر ایک کو تین تین حصہ میں آئیں گے۔

ایسے ہی جب ہم علاقائی حالات کے فروع کے حصہ کو مضروب میں ضرب دیں گے تو 6 حصے ہی برآمد ہوں گے کیونکہ ان کا حصہ بھی 6 کی تصحیح سے 1 ہی تھا لہذا $6 \times 1 = 6$ میں سے

علاقائی خالۃ کے دو پوتوں کو 4 ملے جو ان میں 2-2 برابر تقسیم ہوں گے۔ اس لحاظ سے علاقائی خال اور خالۃ کے بطن ثالث میں مشترکہ دو نواسوں اور پوتوں کو 5-5 حصے نصیب ہوئے جن میں سے 3-3 من جۃ الخال اور 2-2 من جۃ الخالۃ۔ اور علاقائی خالۃ کی دو نواسیوں کو 2-2 جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک نصیب ہو گا یوں فریق ام کے 12 حصص ان میں تقسیم ہوں گے۔

پھر یہی مذکور حکم مفصل میت کے اعمام لام، عمت اور احوال و خالات اور ان کی اولاد کے نہ ہونے پر میت کے باپ کے اخیانی چچا، پھوپھی، خالہ اور خال کی طرف نیز میت کی ماں کی پھوپھی، خالۃ، خال اور چچا کی طرف منتقل ہو گا۔

اگر ان میں سے کوئی منفرد ہو گا تو عدم مزاحم کے باعث وہ جمیع ترکہ کا مالک ہو گا اگر کئی ایک جمع ہو جائیں بشرطیکہ چیز قرابت متحد ہو تو پھر ان میں سے جو بھی اقویٰ ہو گا وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا۔ خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔

اگر قرابت میں بھی مساوی ہوں تو پھر ان میں ترکہ ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ اور اگر ان کا چیز قرابت مختلف ہے تو پھر ثلثان $\frac{2}{3}$ قرابت اب کے لئے اور ایک ثلث $\frac{1}{3}$ قرابت ام کے لئے ہو گا۔

اگر میت کے باپ کے اعمام احوال، عمت و خالات میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو پھر ان کی اولاد کی طرف ترکہ منتقل ہو گا۔ جیسے صنف رابع کی اولاد کی طرف ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے باپ کے باپ کے اعمام لام، عمت اور احوال و خالات کی طرف منتقل ہو گا۔ پھر ان کی اولاد کی طرف علیٰ ہذا القیاس۔

”رفع دخل مقدر“

مصنف رحمہ اللہ نے صنف رابع کی اولاد کو علیحدہ فصل میں تترہ کے طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ فصل اول میں اولاد البنات اور اولاد بنات الابن نیز فصل ثالث میں اولاد الاخوات و بنات الاخوة اور بنو الاخوة لام کے الفاظ عام ہیں جو بلا واسطہ اور بالواسطہ سنیچے تک کی اولاد کو شامل ہیں۔

ایسے ہی فصل ثانی میں اجداد الساقطون اور جدات الساقطات کے الفاظ عام ہیں جو اوپر کے اجداد اور جدات کو بھی شامل ہیں۔ لہذا ان کو علیحدہ علیحدہ فصول میں بیان کرنے کی

ضرورت نہ تھی۔ بخلاف صنف رابع کے جس میں اعمام و عمت اور احوال و خالات کی تعبیر خواہ کسی بھی عبارت سے کی جائے ان کی اولاد کو شامل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس صنف کی اولاد کے لئے علیحدہ فصل ہی مناسب تھی جو مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کر دی۔

”التصريح على الاقسام الاربعة.....“

ذووا الارحام مطلقاً قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی جانب سے کیونکہ کلمہ ”ارحام“ کا اطلاق واستعمال لغتاً و شرعاً اقارب پر بالعموم ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرامین سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔

(۱) واتقوا الله الذي تسالون به والارحام۔

(۲) فهل عسيتم ان توليتم ان تفسلوا في الارض وتقطعوا ارحامكم
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من احب ان يبسط له في رزقه وينسأله في

اجله فليصل رحمه“

”ذووا الارحام کی توریت کے دلائل“

ذووا الارحام کی توریت کے قائل حضرت عمرؓ، علیؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم، حنفیہ اور حنبلیہ کا استدلال تین چیزوں سے ہے۔

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور استدلال بالمعقول

(۱) ”استدلال بالکتاب“ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”واولو الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ“ سے ان کا استدلال یوں ہے کہ ”اولو الارحام“ عام ہے جو جمیع اقارب کو شامل ہے خواہ وہ اصحاب الفروض سے ہوں یا اصحاب العصابات سے یا پھر ان دونوں کے غیر سے۔ جب یہ جمیع اقارب کو بلا تفریق شامل ہو گا تو آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا۔ ”الاقارب ایامن کانوا فہم احق بمیراث بعضهم بسبب القرابة“ یعنی قریبی رشتہ دار خواہ وہ کسی قسم کے ہوں قرابت کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ خواہ وہ ذووا الارحام ہی کیوں نہ ہوں۔

آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار غیر کی نسبت اپنے قریبی کا زیادہ حق دار ہے لہذا ذووا الارحام اپنے رشتہ دار کے نسبت بیت المال کے زیادہ حق دار ہوں گے۔
ثانیاً: ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”للرجال نصیب مما ترک الوالدان

والاقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او كثر نصيباً مفروضاً" سے بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو اپنے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ برابر کا حصہ دار بنایا ہے۔
یعنی آیت سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ترکہ میں اقرباء بھی شریک ہیں۔ اور ذوا الارحام بالاتفاق اقرباء میں داخل ہیں۔ لہذا وہ متوفی کے ترکہ کے کیونکر مالک نہ ہوں گے۔

نیز یہ آیت کریمہ شروع اسلام کے توارث بالموالیات کو منسوخ قرار دیتے ہوئے بلا تفریق اقرباء کی توریث کو مشروع قرار دے رہی ہے۔ لہذا آیت توریث ذوا الارحام میں صراحۃً واضحۃً الدلالت ہے۔

(۲) استدلال بالسنة

اولاً: حضرت ثابت بن وحید کی وفات پر حضرت قیس بن عاصم سے آپ کے فرمان ”هل تعرفون له نسباً فيكم“ فقال انه كان فينا غريباً ولا نعرف له الا ابن اخته هو (ابو لبانة بن عبد المنذر) فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ميراثه له“ سے ہے۔

یعنی آپ نے اس کے اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کسی وارث کے نہ ہونے پر اس کا ترکہ ابن اخت (بھانجے) کو دے دیا اور یہ بات قطعی ہے کہ ابن اخت (بھانجا) ذوا الارحام ہی سے ہے کیونکہ وہ نہ ہی تو اصحاب الفروض سے ہے اور نہ ہی عصبات میں سے نیز نبی کریم ﷺ کے اسے وارث بنا دینے سے معلوم ہوا کہ اقارب من ذوی الارحام وارث ہیں جبکہ اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو۔

ثانیاً: اس اثر سے ہے: ”روی ان رجلاً رمى سهل بن حنيف بسهم فقتله“ ولم يكن له وارث الا اخاله فكتب ابو عبيدة بن الجراح الى عمر بن الخطاب يسئله في ذلك“ فاجابه عمر بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قال الخال وارث من لا وارث له“

حضرت سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ تیر لگنے سے وفات پا جاتے ہیں جن کا ماموں کے علاوہ کوئی وارث نہ تھا حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تو انہوں نے جواباً لکھا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث ماموں ہے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذوا الارحام وارث ہیں کیونکہ خال بالاتفاق نہ اصحاب الفروض سے ہے

اور نہ ہی عصبات میں سے۔

بعض اصحاب کے ہاں ”الخال وارث من لا وارث له“ سے مقصود توریت کی نفی ہے نہ کہ اثبات جیسے ”الصبر حيلة من لا حيلة له“ میں مقصود صبر کے حیلہ ہونے کی نفی ہے نہ کہ اثبات، کیونکہ حیلہ تو کہتے ہیں ”ما يدفع المكروه“ کو اور صبر کی یہ کیفیت نہیں، لہذا آپ کا یہ فرمان ذوا الارحام کی توریت پر دال نہ ہوگا۔

لیکن یہ تشبیہ اس لئے مخدوش ہے کہ حدیث کا ابتدائی حصہ اس کا موید نہیں۔ بلکہ اس کے مخالف ہے۔ مکمل حدیث یوں ہے:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ له“ والخال وارث من لا وارث له“

جب حدیث کا ابتدائی حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی موالیات کی نفی نہیں کرتا تو دوسرا حصہ خال کی وراثت کی نفی کیسے کر سکتا ہے؟ بلکہ حکم شرعی کلام مثبت میں ہے اس سے نفی کا ارادہ تو مخاطبین میں التباس کو دعوت دیتا ہے جو صاحب شریعت کی حیثیت اور شان کے خلاف ہے۔ لہذا ”الخال وارث من لا وارث له“ سے خال کی وراثت ثابت ہوگی۔ (۳) استدلال بالمعقول:

توریت کے قائل اصحاب عقلاً بھی ذوا الارحام کو بیت المال سے زیادہ متوفی کے ترکہ کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ بیت المال متوفی سے صرف ایک رابطہ (رابطہ اسلام) رکھتا ہے اور ذوا الارحام میت سے دو رابطے (رابطہ اسلام اور رابطہ رحم) رکھتے ہیں۔ لہذا جس کی قرابت دو جہتوں سے ہوگی وہ یقیناً ایک جہت سے قرابت رکھنے والے سے اقویٰ ہوگا۔ جیسے حقیقی بھائی اور علاقائی میں سے حقیقی بوجہ قوت قرابت کے متوفی کے جمع مال کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقی بھائی کی قرابت دو جہتوں سے ہوتی ہے۔ (جہۃ الاب اور جہۃ الام سے) جبکہ علاقائی کی صرف ایک جہت (جہۃ الاب) ہے۔

بس یہی قوت قرابت ذوا الارحام میں بھی موجود ہے تو پھر وہ کیونکر بیت المال سے اولیٰ بالوراثت نہ ہوں گے؟

”ذوا الارحام کی عدم توریت“

عدم توریت کے قائلین میں سے حضرت زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (شافعیہ

اور مالکیہ کی حجت مندرجہ ذیل وجوہات پر مبنی ہے۔

اول: اصل ضابطہ اور قانون توریت میں یہ ہے کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے نص شرعی موجود ہو۔ چونکہ ان دونوں میں ذوا الارحام کی توریت کے بارے نص شرعی موجود نہیں لہذا ان کی توریت، توریت بلا دلیل ہے جو کہ باطل ہے، لہذا ذوا الارحام وارث نہ ہوں گے۔

ثانی: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد سئل عن میراث العمة والخالة فقال اخبرنی جبریل ان لا شیئ لهما ”یعنی آپ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ ان کے لئے میراث میں کوئی حصہ نہیں۔“

ہر ایک انسان جانتا ہے کہ پھوپھی اور خالہ ذوا الارحام میں سے ہیں جب ان کے لئے میراث میں حق نہیں تو پھر دوسرے ذوا الارحام کے لئے کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ پھوپھی اور خالہ کو تو نہ دیا جائے اور باقی ماندہ ذوا الارحام کو دیا جائے ایسے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو باطل ہے۔ لہذا ذوا الارحام کی توریت باطل ہے۔

ثالث: یہ اصحاب، عقلی نقطہ نگاہ کے اعتبار سے بھی توریت کی نفی کرتے ہیں کہ جب ہم کسی کا ترکہ اصحاب الفروض اور عصبات کے نہ ہونے پر بیت المال کو دے دیں گے تو اس سے جمیع مسلمانوں کو کافی منافع اور فوائد حاصل ہوں گے۔ بخلاف ذوا الارحام کو ترکہ دے دینے کے۔ اس میں ذوا الارحام کو تو فائدہ ضرور ہو گا لیکن دوسرے مسلمان بھائی اس میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ جبکہ قاعدہ فقہیہ یہ ہے: ”ان تقدم المصلحة العامة على المصلحة الخاصة“ یعنی مصالح عامہ کو خاصہ پر فوقیت حاصل ہے لہذا بیت المال ذوا الارحام پر مقدم ہو گا۔

”مذاہب مختلفہ میں ترجیح“

اولیٰ کے تقابل سے حنفیہ اور حنبلیہ کا مسلک بلحاظ دلیل اقویٰ اور واضح ہے۔

اولاً: کیونکہ عدم توریت کے قائلین کا یہ کہنا کہ اس بارے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں صراحۃً اس کا ذکر موجود نہیں کافی حد تک کمزور ہے۔ کیونکہ ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض“ اور ”للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون الخ“ سے جیسا کہ

پیچھے گزر چکا ہے ذووا الارحام کی توریث کا ذکر ملتا ہے۔

ثانیاً: ان کا یہ کہنا کہ ”پھوپھی اور خالہ کے بارے آپ کے فرمان ”اخبونی جبریل ان لاشئ لهما“ سے ذووا الارحام کی عدم توریث ثابت ہوتی ہے“ کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث نزول آیت سے پہلے کی ہے۔ یا یہ روایت اس مفہوم پر محمول ہے کہ جب اصحاب الفروض من الرد اور عصبات موجود ہوں تو پھوپھی اور خالہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

اور واقعہ ہی اصحاب الفروض من الرد اور عصبات کی موجودگی میں ذووا الارحام کو کچھ نہیں ملتا اور ظاہرات اس روایت کے بارے یوں معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صرف ذووا الارحام کی توریث کے بارے سوال نہیں کیا گیا تھا بلکہ سوال میں ذووا الفروض، عصبات اور ذووا الارحام سبھی تھے جن کے بارے سوال کیا گیا تو جواباً آپ نے فرمایا کہ پھوپھی اور خالہ کے لئے کچھ نہیں۔ یعنی اصحاب الفروض الذین یرد علیہم اور عصبات کی موجودگی میں ان کے لئے کچھ نہیں۔

یہ تاویل اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ نے دوسری روایت میں یوں بھی فرمایا ہے: ”الخال وارث من لا وارث له“ اس تاویل کو تسلیم کیا جائے تو پھر دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہوگی۔

ثالثاً: عقلی اعتبار سے ان کا بیت المال کو ذووا الارحام سے بہتر ثابت کرنا خود عقلی نقطہ نگاہ کے اعتبار سے بھی رائج نہیں۔ کیونکہ ذووا الارحام کا رابطہ متوفی کے ترکہ سے دو طرح کا ہے جبکہ بیت المال کا ایک طرح کا۔ خصوصاً جبکہ قائلین کی رائے جمہور صحابہ، تابعین اور اکثریت کی رائے ہے۔

نیز قائلین کی رائے قوت دلیل کے ساتھ ساتھ عدل، اسلم، اور اقرب الی الواقع بھی ہے کیونکہ جو ذووا الارحام کی بجائے بیت المال کو دینے کے قائل ہیں وہ یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ بیت المال کا نظم و نسق بھی ہونا چاہئے اور اس کا عادل منظم بھی ہونا چاہئے جو حق دار کو اس کا حق دے سکے اور بیت المال کے مال کو صحیح مصارف میں صرف کر سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسا بیت المال اور اس کا ایسا نظم و نسق فی زمانہ کہاں ہے؟ ایسا تو خلافت راشدہ کے زمانہ میں ہی تھا۔ اب تو اہل اسلام کا ویسا نظم و نسق منتشر ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منتشر اور متنافر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ ایک

بار پھر مسلمانوں کو خلافت راشدہ کی سی خلافت کے تحت جمع کر دے لیکن اس کے لئے جمع مسلمانوں کی عملی کوشش ضروری ہے۔)

اسی لئے متاخرین مالکیہ اور شافعیہ نے تیسری صدی ہجری میں جب دیکھا کہ بیت المال کا نظم و نسق فساد کا شکار ہو گیا ہے تو انہوں نے بیت المال پر ذووا الارحام کی توریث کی تقدیم کا فتویٰ دے دیا اور یہی رائے ان کے ہاں بھی مفتی بہ قرار پائی۔

اس لحاظ سے اب یوں سمجھئے کہ تمام فقہاء کا تیسری صدی ہجری سے اب تک ذووا الارحام کی توریث پر اتفاق ہو گیا۔

”کیفۃ توریث ذوی الارحام“

جمہور اہل علم ذووا الارحام کی توریث کے تو قائل ہیں لیکن وہ ان کی توریث کے طریقہ اور کیفیت میں تین مذاہب پر منقسم ہیں۔

(۱) مذہب اہل الرحم (۲) مذہب اہل التزئیل

(۳) مذہب اہل القربا

(۱) اہل الرحم: تو ذووا الارحام میں ترکہ کو برابر تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ ان میں کوئی قریب ہو یا بعید، مذکر ہو یا مؤنث۔ ہر ایک ذو رحم ان کے ہاں بوجہ ذو رحم ہونے کے وارث ہو گا۔ لہذا ”فیکون التركة لهم على السواء“۔ مثلاً کوئی انسان وفات کے وقت: پوتی، بھانجی، پھوپھی، خالہ اور اخیانی بھتیجا چھوڑ جائے تو ان تمام ذووا الارحام میں متوفی کا ترکہ برابر برابر تقسیم ہو گا۔ لہذا مسئلہ کی تشکیل 5 سے ہو گی جس میں سے پوتی کو 1، بھانجی کو 1، پھوپھی کو 1، خالہ کو 1، اور اخیانی بھتیجے کو بھی ایک دیا جائے گا۔

”وجہ تسمیہ“

اس مذہب کے حامیوں کو ”اہل الرحم“ سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ ترکہ کی تقسیم میں ذووا الارحام کے درمیان کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں اور نہ ہی وہ قوت قربا اور ضعف قربا کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اعتبار صرف قربا رحم کا ہے جو مطلقاً جمیع ذووا الارحام کو جامع ہے۔ نوح بن دراح، حیش بن مبشر اور ان کے مبعین اسی مسلک کے حامی ہیں۔

”ملاحظہ“

یہ مذہب غیر مشہور، ضعیف، اور مجبور قرار پایا، کیونکہ اس کی بنیاد قابل اعتماد علمی قواعد پر نہ رکھی گئی۔ اسی لئے آئمہ مجتہدین اور فقہاء نے اسے قابل اعتماد نہ سمجھا۔

(۲) اہل التنزیل و وجہ تسمیتہم :

انہیں اس نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ وہ ذووا الارحام میں سے فرع وارث کو اصل کے قائم مقام اتار کر ترکہ کو تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی وارث کے استحقاق وراثت کے لئے کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثبوت ضروری ہے۔ چونکہ یہاں ذووا الارحام کی وراثت کے لئے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں لہذا وہ مدلی کو مدلی بہ کے قائم مقام اتار کر وراثت کا استحقاق ثابت کرتے ہیں۔ اور اسے ترکہ میں سے وہ کچھ دیتے ہیں جو مدلی بہ کا شرعاً حق ہے اس کی تائید میں ان کا کہنا ہے کہ ذووا الارحام میں سے جو کوئی اصحاب الفروض اور عصباء کی اولاد میں سے ہوتا ہے وہ دوسروں کی نسبت اولیٰ بالمیراث ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مدلی بہ مدلی کی وراثت میں موثر ہے۔ لیکن یہ دلیل اس لئے مخدوش ہے کہ اس سے مدلی بہ کے غلام اور کافر ہونے کی صورت میں حرمان میراث بمعنی فی غیرہ لازم آتا ہے جو کہ غلط ہے لہذا ذووا الارحام کا استحقاق کسی ایسی وصف پر ہونا چاہئے جس کا تعلق رحم سے ہو اور وہ وصف قرابت ہی ہے۔ لہذا مدلی بہ کی وساطت سے ذورحم کا استحقاق غیر مناسب اور مخدوش ہو گا۔

الغرض وہ موجود وراثہ کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ ان اصل وراثہ کو ملحوظ رکھتے ہیں جن کی وساطت سے موجود وراثہ میت سے انتساب رکھتے ہیں اور موجود وراثہ کو وہی کچھ دیتے ہیں جو ان کے اصل (مدلی بہم) وراثہ کو ملتا ہے۔

یہ مذہب امام احمد بن حنبل اور فقہاء شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ میں سے متاخرین کا ہے۔ حضرت علقمہ، شعبی، مسروق، ابو عبیدہ، قاسم بن سلام اور حسن بن زیاد وغیرہم رحمہم اللہ کا تعلق بھی اسی مذہب سے ہے۔

اب بعض امثلہ سے اس مذہب کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔ مثلاً:

(۱) ”مات انسان عن بنت بنت ابن اخت شقیقۃ و بنت اخ لاب“

اصحاب التنزیل چونکہ فروع میں ترکہ کی تقسیم کے وقت اصول کو ملحوظ رکھتے ہیں لہذا

صورت مذکورہ میں یوں سمجھئے کہ متونی بنت، اخت شقیقہ اور اخ لاب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔
 لہذا بنت البنت کو نصف اس کی ماں کا حصہ، ابن الاخت الشقیقہ کو نصف اس کی ماں کا
 حصہ، دیا جائے گا اور بنت الاخ لاب کو کچھ نہیں مل سکے گا کیونکہ یعنی بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ
 بن جانے سے باقی نصف کو وہ لے لے گی اور علاقائی بھائی کے لئے کچھ نہ بچا جو اس کی بیٹی کو
 مل سکے۔ نیز علاقائی بھائی یعنی بہن کی موجودگی میں محبوب عن الوراثة ہوا کرتا ہے اس لئے
 یہاں جو کچھ اصول کے حصہ میں آیا وہی آگے ان کے فروع کو ملا۔ لہذا صورت مذکورہ میں
 مسئلہ کی تشکیل 2 سے ہوگی جس میں سے بنت البنت کو نصف 1، ابن الاخت الشقیقہ کو بھی
 نصف 1، اور بنت الاخ لاب محبوب۔

(۲) "ماتت المرأة عن

بنت الاخت الشقیقہ، بنت الاخت لاب، ابن الاخت لام، وبنت العم الشقیق" ایسی
 صورت میں باعتبار الاصل

بنت الاخت الشقیقہ کو نصف بنت الاخت لاب کو سدس تکملة للثلثین
 ابن الاخت لام کو سدس، بنت العم الشقیق کو باقی تعصیباً
 لہذا مسئلہ کی تشکیل

www.KitaboSunnat.com

6 سے ہوگی۔ جس میں سے

بنت الاخت الشقیقہ کو 3 بنت الاخت لاب کو 1
 ابن الاخت لام کو 1 اور بنت العم الشقیق کو باقی 1 ملے گا۔

استدلال الترجیح

اولاً: اپنے مذہب کی ترجیح پر اصحاب التنزیل کا استدلال اس روایت سے ہے کہ جس میں
 نبی کریم ﷺ نے متونی کے دوسرے ورثاء کے نہ ہونے پر اس کے ترکہ کو عمتہ اور خالہ میں
 تقسیم کرتے ہوئے عمتہ کو $\frac{2}{3}$ اور خالہ کو $\frac{1}{3}$ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 آپ کی مذکورہ تقسیم اصول ہی کے اعتبار سے تھی۔ جس میں عمتہ کو مدلی بہ باپ کا حصہ $\frac{2}{3}$
 اور خالہ کو مدلی بہا ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ ملا۔

ثانیاً: اصحاب التنزیل اپنے مسلک کی ترجیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قوی بھی پیش
 کرتے ہیں جس میں انہوں نے کسی متونی کے ورثاء بنت البنت اور بنت الاخت الشقیقہ میں

ترکہ کو نصفاً نصفاً تقسیم کیا۔ اور یہ تقسیم بھی اصول ہی کے اعتبار سے ہے۔
 ثالثاً: ان کا یہ کہنا ہے کہ ذووا الارحام کی توریت کا اعتبار نصوص عامہ پر ہے جن میں نہ تو
 مقادیر (حصص) کا ذکر ہے اور نہ ہی ذووا الارحام میں ترجیح کا۔ لہذا ان کے اصول کو جن کی
 وساطت سے وہ میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے
 اصول یا تو اصحاب الفروض سے ہو سکتے ہیں یا پھر عصبات سے اور ان کے حصص واضح طور
 پر مبین ہیں۔ لہذا ان کے اصول کی طرف رجوع کئے بغیر ذووا الارحام کے حصص کو معلوم
 کرنے کا کوئی دوسرا طریق نہیں۔

(۳) ”اہل القرابة“

تیسرا مذہب اہل القرابة کا ہے جو ذووا الارحام کی توریت میں عصبات پر قیاس کرتے
 ہوئے قرب درجہ اور قوت قرابت کا اعتبار کرتے ہیں۔ جیسے عصبات میں جو اقرب الی المیت
 ہوتا ہے وہی اولی بالمیراث ہوتا ہے۔ ایسے ہی ذووا الارحام میں جو اقرب الی المیت ہو گا وہی
 اولی بالمیراث ہو گا۔

اس مذہب کے اصحاب کے ہاں ذووا الارحام کی چار اقسام ہیں۔ جن میں قرب درجہ اور
 اس کے بعد قوت قرابت کی ترجیح کو پیش نظر رکھ کر ترکہ کو تقسیم کیا جاتا ہے اور مذکر کو انثی کے
 مقابلے میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے۔ اس مسلک کے اصحاب
 حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ احناف امام ابو حنیفہ، صاحبین، زفر اور عیسیٰ بن ابان رضی اللہ عنہم ہیں۔

”وجہ تسمیہ“

اس مذہب کے اصحاب کو اہل القرابة کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ ان کا
 اعتماد ذووا الارحام کی توریت میں درجہ قرابت اور قوت قرابت پر ہے قرابت ہی ان کے
 نزدیک قابل اعتماد اور قابل اعتبار شے ہے لہذا وہ موسوم باہل القرابة ہیں۔

”الفرق بین اہل التنزیل و اہل القرابة“

اہل التنزیل اور اہل القرابة میں فرق مندرجہ ذیل امور سے واضح ہے:

(۱) اہل التنزیل ذووا الارحام کی اصناف اربعہ میں نہ ہی تو ترتیب کے قائل ہیں اور نہ ہی

کسی ایک صنف کو دوسری پر اہل القرابة کی طرح مقدم سمجھتے ہیں۔

(۲) اہل التنزیل کے ہاں ذووا الارحام کی تقدیم و تاخیر قرب اولاء پر مبنی ہے۔

یعنی جس ذو رحم کا مدلی بہ متوفی کے اقرب ہو گا وہ وراثت میں مقدم ہو گا، اگر کسی ذو رحم کا مدلی بہ صاحب فرض ہے تو وہ صاحب عصبیت سے مقدم ہو گا۔

(۱) اہل القرابت ذووا الارحام کی چاروں اقسام میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں جیسے کتاب کے متن سے ظاہر ہے۔

(۲) اہل القرابت تقدیم و تاخیر میں قرب الدرجہ بعدہ قوت القرابت کا اعتبار کرتے ہیں نیز اہل القرابت ذووا الارحام میں ترکہ کی تقسیم میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے قائل ہیں جیسے عصبیت میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ پر عمل ہوتا ہے۔ بخلاف اہل الرحم کے جو ذووا الارحام میں ترکہ کی تقسیم میں برابری کے قائل ہیں۔

”من هو احق واولی بالمیراث“

اہل القرابت کے ہاں ذووا الارحام کی اقسام اربعہ میں سے اولی بالمیراث جزء المیت یعنی اس کی فرع ہوگی۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر ثانیاً اصل المیت، اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر ثالثاً فرع الاخوة، اگر یہ بھی مفقود ہوں تو پھر رابعاً فرع العمومة والختولتہ۔ اگر یہ چاروں اقسام موجود نہ ہوں تو پھر ان کی اولاد ترتیب مذکورہ کے مطابق وارث ہوگی۔

”ملاحظہ“

ان چاروں اقسام میں سے ہر ایک ما قبل مابعد کے لئے حاسب ہوگی۔ یعنی فرع المیت اصول میت کے لئے حاسب اور اصول میت فرع الاخوة والاخوات کے لئے اور فرع الاخوة والاخوات فروع اجداد اور جدات کے لئے حاسب ہوگی۔

”شروط التوریت“

ذووا الارحام کی توریت میں ذیل کی شروط مشروط ہیں۔

اول الا یوجد صاحب فرض، اصحاب الفروض النسبیۃ میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ان میں سے کوئی موجود ہو گا تو ذوالرحم محجوب ہو گا۔ کیونکہ صاحب فرض مقرر حصہ لینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بھی بالرد لے لے گا۔ اس لئے کہ اصحاب الفروض النسبیۃ کا مرتبہ میراث میں ذووا الارحام سے مقدم ہے۔

ثانی الا یوجد عاصب ایضاً، کیونکہ متوفی کے عصبیت میں سے اگر کوئی موجود ہو گا تو وہ اصحاب الفروض النسبیۃ کے حصص کے بعد باقی ماندہ مال کا اور اصحاب الفروض میں سے کسی

کے نہ ہونے کی صورت میں جمیع ترکہ کا وارث ہو گا۔

”ملاحظہ“

خیال رہے! جب اصناف اربعہ میں سے کوئی ذر رحم منفرد (اکیلا) ہو گا تو وہ تمام ترکہ کا مالک ہو گا خواہ وہ مذکر ہو یا مونث اور اگر احد الزوجین میں سے کوئی موجود ہو گا تو اس کے حصہ کے بعد باقی کا مالک ہو گا۔

”الاقسام المتعددة“

(الف) اگر ذوا الارحام کی اقسام میں سے متعدد انسان ہوں تو پھر ان میں ترجیح اور تقدیم و تاخر حسب ذیل ہو گا۔

تقدیم بقرب الدرجه۔ ان میں سے جو کوئی ذر رحم درجہ میں متوفی سے اقرب ہو گا۔
ب) وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا۔ مثال: جیسے کسی متوفی کے ذوا الارحام میں بنت البنت اور بنت بنت البنت ہوں تو بنت البنت درجہ میں اقرب ہونے کے باعث میراث میں اولیٰ بالمیراث ہو گی۔

ج) اگر ان کے درجہ میں اتحاد ہو تو پھر ان میں سے جو مدلی بالوارث ہو گا وہ اولیٰ بالمیراث ہو گا۔ مثال: جیسے کوئی متوفی ذوا الارحام میں سے بنت بنت ابن اور ابن ابن بنت چھوڑ جائے تو اس صورت میں گو دونوں ذوا الارحام کا درجہ برابر ہے۔ لیکن ترکہ بنت بنت الابن کو ملے گا اور ابن ابن البنت محبوب رہے گا۔ کیونکہ پوتی کی بیٹی وارث (پوتی) کی بیٹی ہے جبکہ نواسے کا بیٹا ذر رحم کا بیٹا ہے۔

د) اور اگر ذوا الارحام درجہ اور اولاء میں برابر ہوں تو پھر ان میں ترجیح قوت قرابت کی بنیاد پر ہو گی۔ مثال: اگر کوئی انسان اپنے پیچھے بنت اخ الشقیق اور بنت اخ لاب چھوڑ جائے تو تمام ترکہ قوت قرابت کی بنیاد پر یعنی بھائی کی لڑکی کو ملے گا اور علاقائی بھائی کی لڑکی محبوب رہے گی کیونکہ اس کی قرابت ضعیف ہے۔

س) اگر تمام ذوا الارحام قوت قرابت میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ تمام ترکہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مثال: جیسے کوئی متوفی بنت ابن العم الشقیق و بنت ابن العم الشقیق الاخر، بنت ابن العم الشقیق الاخر چھوڑ جائے تو تمام ترکہ بنت ثلثہ میں برابر تقسیم ہو گا کیونکہ وہ تینوں درجہ اور قرابت میں برابر ہیں۔

”خاتمہ“

خیال رہے! اہل القربۃ کا مذہب جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق اور آئمہ احناف کا بھی مذہب ہے۔

بعض بلاد عربیہ اور اسلامیہ میں رائج ہے۔ جس میں ذوا الارحام کی اقسام اربعہ کی ہر ایک قسم کی توریث میں کئی ایک فروعات ہیں۔ اور توریث کی بعض صورتوں میں صاحبین کا بھی آپس میں اختلاف موجود ہے۔ اور اہل التنزیل کا مذہب جو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور متاخرین فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے۔ یہ بلاد حجازیہ میں رائج ہے جو عمل میں آسان اور سہل ہے۔



فصل فی الخُنْثی

للخُنْثی المشکل اقل النصیین۔ اعنی: اسواء الحالین عند ابی حنیفہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ واصحابہ وهو قول عامة الصحابة۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ وعلیہ الفتویٰ کما اذا ترک ابننا وبنْتًا وخُنْثی للخنْثی نصیب بنت لانه متیقن وعند الشعبي۔ رضی اللہ عنہ۔ وهو قول ابن عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ للخنْثی نصف نصیین بالمنازعة۔

”فصل فی الخُنْثی.....“ خُنْثی بروزن فعلی مشتق من ”الخنْث“ جس کا لغت معنی ”لین و تکر“ یعنی: نرمی۔ ہے۔

اور اصطلاحاً اس کا معنی ”من له الثان“ اور ”من ليس له منهما شيئ“ وفي هذه الحالة يلتبس امره هل هو ذكر ام انْثى؟ ویسفی ”(الخنْثی المشکل) اور وہ مشکل اس لئے ہے کہ اصل انسان میں یا تو اس کا مذکر ہونا ہے یا پھر مونث اور ہر ایک کے احکام بھی اپنی اپنی جگہ مخصوص ہیں۔ نیز مذکر بوجہ ”عضو الذکورة“ مونث سے متمیز ہے اور مونث بوجہ ”فرج“ مذکر سے ممیز ہے۔

اب اگر کسی میں دونوں آلات موجود ہوں یا دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اشکال والتباس کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے۔ ہاں کبھی یہ اشکال خُنْثی کے بچپن کے وقت غور کرنے سے زائل ہو سکتا ہے اور کبھی اس کی بلوغت کے بعد۔

(۱) بچپن میں یوں کہ اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو اسے مذکر تسلیم کیا جائے گا اور وراثت میں اس کے حقوق بھی مذکر جیسے ہوں گے اور اگر وہ پیشاب فرج سے کرتا ہے تو پھر وہ انْثی تسلیم ہو گا جس کے حقوق بھی انْثی جیسے ہوں گے۔

اور اگر وہ ذکر و فرج دونوں سے پیشاب کرتا ہے تو پھر دیکھا جائے گا پہلے اور زیادہ کس مقام سے آتا ہے جس مقام سے اسبق ہو گا اسی کے اعتبار سے اس کے مرد وزن ہونے کا اعتبار ہو گا اور پھر یہ حکم مسابقت کسی دوسری دلیل سے تبدیل نہ ہو گا جیسے کوئی انسان کسی عورت سے نکاح بالبنیۃ ثابت کر دے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دے تو

دوسرا کوئی انسان اسی عورت سے نکاح بالبیئۃ ثابت کرنے کے باوجود اپنے حق میں فیصلہ نہیں لے سکتا اور نہ ہی قاضی کا پہلا فیصلہ تبدیل ہو سکتا ہے۔

یا جیسے کسی انسان کے کسی مولود پر اپنے حق میں بالبیئۃ قاضی سے فیصلہ حاصل کر لینے کے بعد دوسرے کسی مدعی کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دونوں مقامات سے برابر نکلتا ہے تو صاحبین ”لا علم لنا بذالک“ کہہ کر لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں اور یہی دراصل خنثی مشکل ہے۔ اور یہ صورت حال اس کی بلوغت تک برابر جاری رہے گی۔

(۲) بلوغت کے بعد اس میں امتیاز مندرجہ ذیل اشیاء سے ممکن ہو گا۔ اگر اس میں:

* مردوں جیسی احتلام کی صورت * عورتوں کی طرف میلان

* یا داڑھی نکل آئے تو پھر وہ مرد ہو گا۔ اور

اور اگر اس میں:

* پستان ابھر آئیں۔ * حیض آجائے۔

* یا حمل متحقق ہو جائے، تو پھر وہ عورت

اور اگر بلوغت کے بعد مذکورہ علامات سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو تو پھر وہ اب بھی خنثی

مشکل ہی ہو گا۔

کہتے ہیں زمانہ جاہلیت میں عرب حکماء میں سے عامر بن ظرب کے پاس اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے ایک ایسی عورت کی اطلاع دی جس نے ایک ایسا بچہ جنا جس کے دونوں اعضاء یعنی ذکر و فرج موجود تھے۔ عامر حیران ہو کر کہنے لگا کہ وہ مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔

لیکن اس کی قوم کے افراد اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ عامر گھر چلے جانے کے بعد آرام کی غرض سے چارپائی پر لیٹ گئے لیکن ذہنی خلش اور بے چینی سے نیند نہ آئی۔ کبھی دائیں کروٹ لیتے اور کبھی بائیں۔ ساتھ ہی اس کی ایک سمجھدار فمیدۃ جاریہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو عامر سے کہنے لگی بے چینی کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے جب اسے درپیش

صورت حال سے آگاہ کیا تو جاریہ نے بالفور کہا۔ ”دع الحال‘ وحکم المبال“ ”یعنی درپیش مسئلہ میں جائے پیشاب کے مطابق فیصلہ دیجئے۔ عامر نے اس کی رائے کو نہایت مستحسن سمجھتے

ہوئے قوم سے کہا: ”انظروا ان کان یبول من الذکر فهو غلام‘ وان کان یبول من الفرج فهو انثی“ ”فاستحسنوا ذلک الراى وبقی ذلک حکمًا جاہلیًا یعنی اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا

ہے تو وہ مذکر اور اگر فرج سے کرتا ہے تو وہ مونث عامر کی قوم نے بھی اس رائے کو مستحسن سمجھا اور زمانہ جاہلیت میں اس پر عمل رہا۔ اسلام نے بھی اس حکم کو برقرار رکھا۔

فقد روى عن ابن عباس رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم لما سئل كيف يورث مولود له هذه الصفة فقال عليه الصلوة والسلام من حيث يبول
(شريفه)

”جب آپ سے ایسے خنثی کی توریت کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کے مذکر و مونث ہونے کا اعتبار پیشاب کے مقام سے ہوگا“
امام عبد الرزاق نے ”مصنف عبد الرزاق“ کے فرائض میں ایسے ہی حضرت علیؓ جابرؓ قتادة اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔

اختلف العلماء فى توريت الخنثى:

(۱) ”مذهب الشافعية: ان كلا من الورثة والخنثى يعطى نصيبه الاقل‘ لانه المتيقن بالنسبة لكل واحد‘ ويوقف الباقي الى ظهور الحال‘ وهذا القول هو المعتمد عند الشافعية“ شافعية کے نزدیک قابل اعتماد قول یہ ہے کہ خنثی اور ہر ایک وارث کو اقل حصہ دیا جائے گا کیونکہ ہر ایک وارث کے لئے یہ ایک یقینی حصہ ہے۔ اور باقی ماندہ خنثی کی حالت ظاہر ہونے تک موقوف رہے گا۔

(۲) ”مذهب المالكية: انه يعطى للخنثى متوسط النصيبين‘ فتحل المسئلة حلتين‘ ثم يجمع نصيب فى الحلتين‘ ويقسم على اثنين‘ فيكون نصيب الخنثى“ مالکیہ کے نزدیک خنثی کو مذکر اور مونث فرض کرنے کی صورت میں جو جو حصہ آئے گا اس کا نصف دیا جائے گا۔

(۳) ”مذهب الاحناف: ان له اقل النصيبين على فرض انه ذكر‘ او على فرض انه انثى فای النصيبين كان اقل له اعطيه‘ وهو احد قولی الشافعی۔ رحمه الله تعالى۔ وقول عامة الصحابة۔ رضوان الله عليهم اجمعين۔“ حنفیہ کے نزدیک خنثی کو مذکر اور مونث فرض کرنے کی صورت میں جو سا حصہ کم ہو گا وہ دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

احناف کے ہاں خنثی مشکل کی وراثت میں اس کی تذکیر و تانیث کی دونوں حالتوں میں

سے جس حالت میں کم ملتا ہو گا، یا بالکلیہ محروم رہتا ہو گا اس کے مطابق اس سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک سلوک ہو گا۔

مثلاً: جب کوئی متوفی ایک بیٹا اور خنثی چھوڑ جائے تو خنثی کو انٹی ہی کا حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ نسبت مذکر کے کم ہے۔

اور اگر کوئی متوفی زوج، ام، اخت لام اور خنثی چھوڑ جائے تو خنثی کو مذکر کا حصہ دیا جائے گا۔



واختلفا فی تخریج قول الشعبي، قال ابو يوسف - رحمه الله تعالى - للابن سہم، وللبن نصف سہم وللخنثی ثلاثة ارباع سہم لان الخنثی يستحق سہمًا. ان كان ذکراً ونصف سہم ان كان انثى وهذا متیقن، فیاخذ نصف النصیین او النصف المتیقن مع نصف النصف المتنازع فيه، فصارت له ثلاثة ارباع سہم ومجموع الانصباء سہمان وربع سہم، لانه يعتبر السہام والعول وتصح من تسعة.

او نقول: للابن سہمان وللبن نصف سہم وللخنثی نصف النصیین وهو سہم ونصف سہم وقال محمد - رحمه الله تعالى - یاخذ الخنثی خمس المال - ان كان ذکراً او ربع المال - ان كان انثى - فیاخذ نصف النصیین وذلك خمس وثمان باعتبار الحالین -

کیونکہ مذکر کا حصہ انٹی فرض کئے جانے سے کم ہے کیونکہ مذکورہ صورت میں انٹی فرض کرنے سے جمیع مال کا نصف ملے گا جبکہ مذکر فرض کرنے پر عصہ ہونے کی حیثیت میں اصحاب الفروض کے حصص کے بعد باقی کا حقدار ہو گا اور وہ یقیناً کم ہے۔ مصنف کی رائے میں مفتی بہ یہی رائے ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ کے ہاں خنثی کو دونوں حالتوں کا نصف نصف دیا جائے گا۔ یعنی حالت تذکر اور تانیث میں سے ہر ایک کا نصف۔ ماتن کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہ نظریہ ہے۔ لیکن صاحبین کا امام شعبی رحمہ اللہ کے قول کی تخریج میں اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو یوں فرماتے ہیں: لڑکے کو مکمل اور لڑکی کو اس کا نصف حصہ ملتا ہے، لہذا خنثی کو ان دونوں کا نصف۔ یعنی تین ارباع ملیں گے، کیونکہ لڑکا ہونے کی صورت میں اسے ایک مکمل حصہ ملتا اور لڑکی کی صورت میں اس کا نصف لہذا اسے ان دونوں حالتوں کا نصف۔ یعنی تین ارباع دے دیا جائے گا۔

بیٹے، بیٹی اور خنثی کے تمام حصص سوا دو $2\frac{1}{4}$ ہوں گے لیکن مسئلہ کی تصحیح ربع کے مخرج 4 میں ضرب دینے سے 9 سے ہو گی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک امام شعبی رحمہ اللہ کے قول کی تخریج یوں بھی ہو سکتی ہے۔

لڑکے کو دو حصے، لڑکی کو ایک اور خنثی کو نصف انصیبین یعنی ڈیڑھ $1\frac{1}{2}$ اور امام شعبی رحمہ اللہ کے قول کی تخریج امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یوں ہے۔ خنثی کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں جمیع مال سے دو خمس $\frac{2}{5}$ ملنا چاہئے اور انثیٰ فرض کرنے کی صورت میں ایک ربع $\frac{1}{4}$ لہذا دونوں صورتوں کی دونوں حالتوں کا نصف نصف اسے دے دیا جائے گا۔



وتصح من اربعين - وهو المجتمع من ضرب احدى المسألتين - وهى اربعة - فى الاخرى وهى خمسة ثم فى المحالين فمن كان له شيئى من الخمسة فمضروب فى الاربعة ومن كان له شيئى من الاربعة فمضروب فى الخمسة - فصارت للخنثى من الضربين ثلاثة عشر سهماً وللابن ثمانية عشر سهماً وللبنت تسعة اسهم -

$$\frac{2}{5} \text{ يعنى - } \frac{1}{5} = \text{كانصف}$$

$$\frac{1}{8} = \text{اور ايك ربع - يعنى } \frac{1}{4} \text{ كانصف}$$

امام محمد رحمہ اللہ کی تخریج پر مسئلہ کی تصحیح چالیس سے درست ہو گی، جو ایک مسئلہ کو دوسرے میں ضرب دینے سے حاصل ضرب کو دو حالتوں میں ضرب دینے سے حاصل ہو گی۔
یعنی $40 = 2 \times 20 = 4 \times 5$

اب مسئلہ 5 سے جو کچھ کسی کو مل رہا ہو گا اسے مسئلہ 4 میں اور مسئلہ 4 سے جو کچھ مل رہا ہو گا اسے مسئلہ 5 میں ضرب دے کر ہر ایک وارث کا حصہ حاصل کر لیا جائے گا۔ مثلاً:
..... خنثی کو مسئلہ 5 میں سے دو مل رہے تھے اسے مسئلہ چار میں ضرب دینے سے 8 حاصل ہوں گے اور مسئلہ 4 میں سے ایک اسے مسئلہ 5 میں ضرب دینے سے پانچ حاصل ہوں گے۔
لہذا خنثی کا حصہ 40 میں سے $13 = 5 + 8$ ہوں گے۔

لڑکی کو ہر دو مسئلوں میں سے ایک ایک۔ لہذا اسے مسئلہ 5 میں ضرب دینے سے 5 اور مسئلہ 4 میں ضرب دینے سے 4 حاصل ہوں گے۔ لہذا $9 = 4 + 5$ چالیس میں سے لڑکی کو ملیں گے۔

لڑکے کو مسئلہ 5 میں سے دو اور مسئلہ 4 میں سے بھی دو۔ لہذا دو کو مسئلہ 5 اور 4 میں ضرب دینے سے دس اور آٹھ یعنی کل 18 حاصل ہوں گے۔
یوں امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وراثت کی تقسیم اور مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔

”تتبیہات“

(1) خیال رہے! امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ”عول“ یہاں عبارت ہے مکمل حصص کو کسر کی صورت میں تبدیل کرنے کے بعد کسر کو اس میں جمع کر دینے سے اسی کا دوسرا نام

”مضاربہ“ بھی ہے۔ جیسے یہاں $2\frac{1}{4}$ میں مکمل 2 حصے اور ایک ربع کی کسر موجود ہے۔ جب اسے ربع کی کسر میں تبدیل کریں گے تو 8 ارباع حاصل ہوں گے اس میں کسر کو جمع کرنے سے $9 = 1 + 8$ کی تعداد حاصل ہوگی۔ بس اسی عمل کا نام یہاں پر عول ہے نہ کہ اس کا مشہور مفہوم جو پیچھے گزر چکا ہے۔

(۲) نیز امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کی تخریج میں جو اختلاف ہے وہ صرف اس کے طریق میں ہے نہ کہ اصل مقصد میں کیونکہ اصل مقصد تو دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی خنثی کے لئے نصف انصیبین۔

(۳) ایسے ہی دو مسئلوں میں سے ایک کو جمع ثانی میں اور ایک وارث کے حصہ کو جمع مسئلہ ثانی میں ضرب اس وقت دی جائے گی جبکہ دونوں مسائل میں نسبت تباہی کی ہو گی اور اگر نسبت توافق کی ہوگی تو پھر ایک کے وفق کو جمع ثانی میں دی جائے گی۔

”تصریح بالامثلة“

(۱) کوئی متوفاء اپنے پیچھے زوج‘ ام‘ اخ شقیق خنثی‘ چھوڑ جائے تو ترکہ کی تقسیم اصول مذکورہ کے مطابق یوں ہوگی۔ خنثی کو مونث فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہو کر 8 تک عول کرے گی جس میں سے زوج کو نصف 3‘ ام کو ثلث 2‘ خنثی کو حقیقی بہن فرض کرنے کی صورت میں نصف 3 اور مذکر فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ کی تشکیل 6 سے بلا عول ہوگی۔ لہذا زوج کو نصف 3‘ ام کو ثلث 2‘ اور خنثی بھائی کو مالقی عصبۃ 1۔

پہلے مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہو کر عول 8 تک ہوا اور دوسرے مسئلہ کی بلا عول تشکیل 6 سے ہوئی 8 اور 6 میں چونکہ نسبت توافق بالنصف کی ہے لہذا ایک مسئلہ کے وفق کو جمع ثانی میں ضرب دے کر 8×3 یا $6 \times 4 = 24$ سے تصحیح کر لی جائے گی۔

خنثی کو انثی فرض کرنے کی صورت میں:

زوج کو 3 ملے‘ جب انہیں مسئلہ ذکورۃ کے وفق میں ضرب دیں گے تو اسے 24 میں

سے 9

ام کو 2 ملے مسئلہ ذکورۃ کے وفق میں ضرب دینے سے اسے 24 میں سے 6

خنثی کو 3 ملے تھے لہذا اسے وفق میں ضرب دینے سے 24 میں سے 9 ملیں گے۔

اور خنثی کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں بھی:

زوج کو 3 ملے جب انہیں مسئلہ انوث کے وفق 4 میں ضرب دیں گے تو اسے 24

سے 12

ام کو 2 ملے لہذا اب اسے انوث کے وفق 4 میں ضرب دینے سے 24 سے 8
 خنثی کو 1 ملا تھا لہذا انوث کے وفق 4 میں ضرب دینے سے اسے 24 سے 4 ملیں گے۔
 خنثی کو مسئلہ انوث سے 9 ملے اور اسے مسئلہ ذکورۃ سے 4 ملے لہذا ضابطہ کے مطابق اسے
 کم سے کم حصہ دیا جائے گا جو مسئلہ ذکورۃ کے مطابق 24 میں سے 4 ہے اور مسئلہ انوث
 سے باقی 5 موقوف کر لئے جائیں گے جب تک کہ اس کا معاملہ واضح نہیں ہو جاتا۔
 (۲) متوفاء اپنے پچھے زوج، اخت شقیقہ، اخ لاب خنثی چھوڑ گئی۔ مسئلہ کی تشکیل خنثی کے
 مذکر ہونے کی صورت میں 2 سے ہوگی۔ اور مونث ہونے کی صورت میں 7 سے لیکن
 تصحیح 14 سے ہوگی، کیونکہ دونوں مسائل میں نسبت تباین کی ہے۔ لہذا زوج کو 14 میں
 سے 6 اخت شقیقہ کو بھی 6 ملیں گے۔ اور خنثی کے 2 حصے موقوف رہیں گے کیونکہ
 مذکر ہونے کی صورت میں وہ وراثت سے محبوب ہے اور محبوب ہونے کی صورت میں
 ضابطہ کے مطابق اس کا حصہ وضاحت تک موقوف رہتا ہے۔



فَصْلٌ فِي الْحَمْلِ

اکثر مدۃ الحمل سنتان - عند ابی حنیفہ ... رحمہ اللہ تعالیٰ ... وعند لیث بن سعد: ثلث سنین، وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اربع سنین، وعند الزہری: سبع سنین و اقلها ستہ اشہر

”فصل فی مدۃ الحمل.....“ یہاں تک مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بلا حمل و رثاء کی وراثت کا بیان فرمایا، مناسب تھا کہ باحمل و رثاء کی وراثت کا بھی ذکر کر دیا جائے، لہذا مدت حمل کے بیان کے ساتھ ساتھ متوفی کی حاملہ عورت کے حمل کا خیال رکھتے ہوئے وراثت میں متروکہ مال کے تقسیم کا بیان فرماتے ہیں۔

”اکثر مدۃ الحمل سنتان.....“ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وضع حمل کی اکثر مدت دو سال ہے، جبکہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تین سال اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چار سال اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سات سال ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ضحاک کے بارے میں مشہور ہے۔ ”ان ضحاکا ولد لاربع سنین وقد نبتت ثنایاہ وهو یضحک فسمی ضحاکا“ یعنی حضرت ضحاک کی ولادت چار سال بعد ہوئی جبکہ ان کے سامنے کے دانت بھی نکل آئے تھے اور وہ ہنستے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اسی مناسبت سے ان کا نام ضحاک مشہور ہوا۔

ایسے ہی عبد العزیز ماجشونی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت بھی چار سال بعد ہوئی بلکہ قبیلہ ماجشون کی عام عورتوں کے بارے یہی مشہور ہے کہ ان کے ہاں بچے کی ولادت چار سال بعد ہوتی ہے۔

ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے بھی منقول ہے:

”روی ان رجلاً غاب عن امراته سنتین ثم قدم وهي حامل فہم عمر ان یرحمہا فقال له معاذ وان کان لک سبیل علیہا فلا سبیل لک علی ما فی بطنہا فترکہا حتی ولدت ولداً وقد نبتت ثنایاہ وشبه اباء“ فقال الرجل ہذا ابنی ورب الکعبۃ فاثبت عمر نسبہ منہ مع انہ ولد لاكثر من سنتین“ (شریفیہ)

”کوئی انسان دو سال کی غیوبت کے بعد واپس گھر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ عورت حاملہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیس پہنچا تو انہوں نے اس بنیاد پر کہ حمل ناجائز ہے رجم کا ارادہ کر لیا اتنے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ عورت کو رجم کریں گے تو ساتھ ہی حمل بھی مریض ہو جائے گا حالانکہ اس کا کوئی جرم نہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے رجم کو بچے کی ولادت تک موخر کر دیا۔



و یوقف للحمل - عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ - نصیب اربعۃ بنین، او اربع بنات، ایہما اکثر ویعطی لبقیۃ الورثۃ اقل الانصاء۔
وعند محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - یوقف نصیب ثلاثۃ بنین او ثلاث بنات ایہما اکثر رواہ عنہ لیث بن سعد۔ وفی روایۃ اخری نصیب ابنین۔

جب بچہ پیدا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے دانت نکلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے باپ کے مشابہ ہے باپ نے بھی مشابہت کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کے نسب کو باپ سے ثابت قرار دے دیا۔
یقیناً یہ بچہ دو سال سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں بات نہ آتی تو عمر غلط فیصلہ کر بیٹھتا۔

امام ابو حنیفہ صاحب کے ہاں چونکہ اکثر مدت حمل دو سال سے زیادہ نہیں لہذا احناف کے ہاں حضرت ضحاک اور عبد العزیز ماجشونی کا معاملہ شاذ و نادر ہے جو کسی بیماری کے باعث رحم کے بند ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ لہذا ان کے ہاں ان نادور واقعات کا اعتبار نہیں ہو گا۔
تیسرے واقعہ کے بارے وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دو سال ہی کے قریب کا ہے جو اکثر مدت حمل کی احناف کے ہاں ہے۔

اور اثبات نسب باپ کے اقرار کی بنیاد پر ہے لہذا اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیر شاذ بچے کی ولادت دو سال بعد بھی ہو سکتی ہے۔

لہذا ان اقوال مختلفہ کے مطابق اتنی مدت تک وضع حمل کا انتظار کیا جائے گا اور حمل کا حصہ وراثت میں سے آگے آنے والے ضابطہ کے مطابق موقوف رکھا جائے گا۔ چونکہ حمل میں ایک سے لے کر چار بچے / بچیوں کے وضع کا امکان ہے، لہذا حمل میں سے 4 بچے یا 4 بچیوں کو فرض کرتے ہوئے دونوں صورتوں میں جس صورت کے مطابق حمل کا حصہ زیادہ ہو گا وہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں موقوف رکھا جائے گا اور اس کے حصے کو سابقہ مختلف فیہ مدت تک موقوف رکھ لینے کے بعد مال کو وراثت میں بالفور تقسیم کیا جائے گا۔

امام محمد رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک روایت کے مطابق تین بچے یا تین بچیوں کی صورت میں

جس کا بھی حصہ زیادہ ہو گا حمل کے لئے موقوف رکھا جائے گا اور دوسری روایت میں دو بچے/بچیوں کا جو بھی حصہ زیادہ ہو گا رکھا جائے گا۔

امام محمد رحمہ اللہ سے لیٹ کی روایت (جس میں تین بچے یا تین بچیوں میں سے جن کا حصہ زیادہ ہو گا حمل کے لئے رکھا جائے گا) احناف کے ہاں نہ ہی تو وہ امام محمد کی کتاب ”المبسوط“ کی شروحات میں موجود ہے اور نہ عام روایات میں لہذا اس کی کوئی وقعت نہ ہوگی۔

اور امام محمد رحمہ اللہ سے دوسری ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی ان سے متفق ہیں دو بچوں یا دو بچیوں میں سے جس کا بھی حصہ زیادہ ہو گا حمل کے لئے موقوف رکھا جائے گا۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس لئے کہ تین یا چار بچوں کی پیدائش بیک وقت ایک نادر سی صورت ہے جس پر حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ ہاں دو کی ولادت بیک وقت ان کے ہاں قدرے معتاد ہے۔ لہذا حکم کی بنیاد اس پر ہوگی۔ یعنی حمل کے لئے دو بچوں یا بچیوں میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو گا رکھا جائے گا۔



وہو قول الحسن واحدى الروایتین عن ابی یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - رواہ عنہ ہشام۔

وروی الخصاف عن ابی یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - انہ یوقف نصیب ابن واحد او بنت واحدة وعلیہ الفتویٰ ویؤخذ الکفیل علی قولہ

خصاف کی روایت کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ صرف ایک بیٹے یا بیٹی کا حصہ موقوف رکھنے کے حق میں ہیں اور مفتی بہ احناف کے ہاں یہی قول ہے لیکن اس قول کے مطابق ورثاء سے کفیل لیا جائے گا تاکہ اگر حمل میں سے ایک سے زیادہ بچے وضع ہوں تو ان کا حصہ ورثاء سے وصول کیا جاسکے۔
خیال رہے! اقل مدت حمل چھ ماہ ہے۔

”وعلیہ الفتویٰ“ وذلك لان المعتاد الغالب ان لا تلد المرأة فى بطن واحد الا ولدا واحداً فیبتلى علیہ الحکم مالم یعلم خلافہ“ احناف کے ہاں اس کے مفتی بہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی غالب عادت میں ایک بطن سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا وراثت کے احکام کا مدار جب تک اس کے خلاف کا علم نہ ہو جائے یہی ہو گا۔

علماء سمرقند کے ہاں اگر حمل کی ولادت قریب ہو تو متوفی کے ترکہ کو ولادت تک تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں اور فائدہ بھی اسی میں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ حمل کا ظہور تقدیر (تقسیم) کے خلاف ہو۔ یعنی ممکن ہے کہ حمل کو مذکر فرض کرتے ہوئے ترکہ کی تقسیم کی گئی ہو لیکن وضع حمل کے بعد پیدا مونث ہو، لہذا ترکہ دوبارہ تقسیم کرنا پڑے گا۔

قرب ولادت اور بعد ولادت کے لئے شرعاً تو کوئی حد مقرر نہیں۔ ہاں یہ لوگوں کی اپنی عادت پر منحصر ہے کہ قرب و بعد کے لئے ان کے ہاں کیا حد مقرر ہے؟ بعض اہل علم کے خیال میں ایک ماہ سے کم کی مدت قرب میں داخل ہے۔ اور زیادہ بعد میں، لہذا اگر ایک ماہ سے کم میں ولادت کا امکان ہو تو پھر ولادت کا انتظار کر لینا چاہئے تاکہ ایک ہی بار ترکہ کی تقسیم ہو۔ اور اگر وقت زیادہ ہو تو پھر انتظار کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں دوسرے ورثاء کے لئے ترکہ کو تقسیم نہ کرنے میں ضرر کا امکان ہے۔

بعض اہل علم کے نزدیک حمل کا حصہ رکھے بغیر ترکہ کو موجود ورثاء میں تقسیم کر دیا

جائے کیونکہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا عورت کو حمل ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو مذکر و مونث کا کچھ علم نہیں۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں آیا حمل میں ایک بچہ ہے یا زیادہ؟ لہذا جب حمل وضع ہو گا تو اس کے مطابق دوبارہ ترکہ کو تقسیم کر لیا جائے گا۔

لیکن یہ صورت غیر مناسب ہے کیونکہ دوبارہ تقسیم کے وقت ورثاء کے حصص میں جو کمی بیشی آئے گی اس کے مطابق ورثاء سے زائد رقم کی واپسی مشکل اور دشوار ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ترکہ میں سے صرف ایسے وارث کو اس کا حصہ دیا جائے گا جس کا حصہ تعدد حمل اور عدم تعدد سے تبدیل نہ ہوتا ہو۔

اور وہ بھی عول کی ممکنہ صورت کو مد نظر رکھ کر اور باقی ماندہ ورثاء کو کچھ نہیں دیا جائے گا بلکہ حمل کے انکشاف تک باقی ترکہ موقوف رہے گا کیونکہ حمل میں کم اور زیادہ بچوں کا امکان ہے۔ کما روی عن شعبہ رحمہم اللہ انہ کان لہ عشرون ولداً کل خمسة منهم فی بطن واحد ”امام شعبہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ ان کے ہاں بیس بچے تھے جو پانچ پانچ کی تعداد میں ہر بار پیدا ہوئے۔



فان كان الحمل من الميت وجئت بالولد لتمام اكثر مدة الحمل او اقل منها، ولم تكن اقرت بانقضاء العدة، يرث ويورث عنه
وان جاءت بالولد لاکثر من اكثر مدة الحمل، لا يرث
وان كان من غيره، وجاءت بالولد لسته اشهر، او اقل منها يرث
وان جاءت به لاکثر من اقل مدة الحمل، لا يرث

اب مصنف رحمہ اللہ حمل کے وارث ہونے یا نہ ہونے کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فان كان الحمل من الميت“ یعنی اگر متوفی کی بیوی اکثر مدت حمل کے پورا ہونے پر، یا اس سے کم میں بچہ جنے بشرطیکہ اس نے عدت کے ختم ہونے کا اقرار نہیں کر رکھا تو ایسا مولود بچہ متوفی کا وارث ہو گا۔

اور اگر اکثر مدت حمل سے بھی زیادہ مدت میں بچہ جنے تو وہ وارث نہیں ہو گا کیونکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ خاوند کی وفات کے وقت بیوی کے بطن میں علوق موجود نہ تھا بلکہ یہ بعد کی ناجائز صورت کا ہے۔ وراثت کے لئے بوقت وفات خاوند کا عورت کے بطن میں علوق کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر عورت خاوند کی وفات سے چھ ماہ پر یا اس سے پہلے بچہ جنے تو وہ وارث ہو گا، خواہ نفس الامر میں علوق غیر ہی کا ہو کیونکہ خاوند کی وفات کے وقت عورت کے بطن میں جو علوق موجود ہے، وہ خاوند ہی کا متصور ہو گا۔

صاحب شریقیہ نے ”وان كان من غيره“ کی یوں توضیح فرمائی ہے:

وان كان الحمل من غيره بان ترك امراة حاملاً من ابیه او جدہ او غیرهما من ورثۃ وجاءت تلك المرأة بالولد لسته اشهر او اقل من زمان الموت۔ يرث ذلك الولد من الميت لانه قد تحقق وجوده فی البطن حال الموت

یعنی اگر میت کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا حمل ہو اور وہ بھی کسی ایسی عورت کو جس کا خاوند میت کے ورثاء میں سے ہو جیسے:

میت کے باپ دادا کی حاملہ عورت تو ایسی عورت اگر میت کی وفات سے چھ ماہ یا اس سے کم میں بچہ جنے تو وہ متوفی (میت) کے ترکہ سے اس بنیاد پر وارث ہو گا کہ اس کا علوق

متوفی کی موت کے وقت بطن ام میں موجود تھا۔
 اور اگر اقل مدت حمل سے زیادہ میں بچہ جنے تو وہ وارث نہیں ہوگا، کیونکہ علوق کا
 غیر کی طرف سے ہونے کا امکان ہے۔ وعند الشریفیہ لامکان عدم العلوق عند وفات
 المتوفی
 حمل کے مسائل کے بیان میں حمل کے مردہ وضع ہونے کا بھی امکان ہے، لہذا ماتن
 اس کی وضاحت اور حد بندی کرتے ہیں کہ کس صورت میں وضع حمل زندہ متصور ہوگا اور
 کس صورت میں مردہ لہذا کہتے ہیں:-



فان خرج اقل الولد ثم مات 'لا يرث' وان خرج اكثره ثم مات يرث 'فان خرج الولد مستقيماً فالمعتبر صدره' يعنى اذا خرج الصدر كله يرث 'وان خرج منكوساً فالمعتبر سرتة' الاصل فى تصحيح مسائل الحمل 'ان تصحح المسألة على تقديرين' اعنى 'على تقدير ان الحمل ذكر وعلى تقدير انه انثى

”وان خرج اقل الولد ثم مات لا يرث.....“ يعنى اگر ولادت میں بچے کا خروج کم ہو اور مرجائے تو وہ مردہ ہی متصور ہو گا لہذا اس کا موقوف حصہ وراثت دوسرے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور اگر زیادہ خروج کے بعد وفات پا جائے تو وہ لاکثر حکم الكل کے ضابطے کے مطابق زندہ متصور ہو گا لہذا اس کے حق میں اس کا موقوف حصہ اسی کا متصور ہو کر اس کے اپنے ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

اب ماتن خروج اکثر اور اقل کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فان خرج الولد مستقيماً فالمعتبر صدره“ يعنى اگر بچے کی ولادت مستقيماً ہو، يعنى سر کی جانب سے اس کی ولادت ہو تو پھر سینے کے خروج تک اگر بچہ زندہ ہے تو وہ زندہ ہی متصور ہو گا اور وراثت کا حقدار ہو گا بصورت دیگر وراثت کا حقدار بھی نہ ہو گا۔

اور اگر منكوس، يعنى پاؤں کی طرف سے بچے کی ولادت ہو تو پھر اعتبار سرة کا ہو گا يعنى اگر سرة کے خروج کے وقت وہ زندہ ہے تو زندہ متصور ہو گا ورنہ مردہ اور غیر وارث۔ نیز ماتن مسائل حمل کی تصحیح کا ایک ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”الاصل فى تصحيح المسائل.....“ يعنى مسائل حمل کی تصحیح میں ضابطہ یہ ہے کہ مسئلہ حمل کی دو تقديروں پر تصحیح کی جائے۔

(۱) اولاً: اس تقدير پر کہ حمل مذکر ہے۔

(۲) ثانياً: اس تقدير پر کہ حمل مؤنث ہے۔

ثم ننظر بين تصحيح المسئلتين فان توافقا بحزء فاضرب وفق احدهما فى جميع
 الاخر وان تباین فاضرب كل واحد منهما فى جميع الاخر فالحاصل تصحيح
 المسئلة ثم اضرب نصيب من كان له شئ من مسئلة ذكورتہ فى مسئلة انوثته
 او فى وفقها ومن كان له شئ من مسئلة انوثته فى مسئلة ذكورتہ او فى وفقها
 كما فى الخنثى ثم انظر فى الحاصلين من الضرب ايهما اقل يعطى لذلك الوارث
 والفضل الذى بينهما موقوف من نصيب ذلك الوارث فاذا ظهر الحمل فان كان
 مستحقا لجميع الموقوف فيها وان كان مستحقا للبعض فياخذ ذالك والباقى
 مقسوم بين الورثة فيعطى لكل واحد من الورثة ما كان موقوفاً من نصيبه
 كما اذا ترك بنتا وابوين وامراة حاملاً فالمسئلة من اربعة وعشرين على تقدير ان
 الحمل ذكر ومن سبعة وعشرين على تقدير انه انثى

بعدہ دونوں تصحیحوں کو وفقا و تبايناً دیکھا جائے گا اگر دونوں میں نسبت توافق کی ہوگی تو
 ایک کے وفق کو جمع ثانی میں اور تباين کی صورت میں جمع اول کو جمع ثانی میں ضرب دینے
 سے جو حاصل ضرب آئے گا اس سے مسئلہ حمل کی تصحیح ہوگی وہ یوں کہ جس کسی
 وارث کے لئے مسئلہ ذکورۃ سے جو کچھ حصہ ہو گا اسے مسئلہ انوثۃ میں یا اس کے وفق میں
 ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ اور جس کسی وارث کے لئے مسئلہ انوثۃ سے
 جو کچھ حصہ ہو گا اسے مسئلہ ذکورۃ یا اس کے وفق میں ضرب دے کر اس کا حصہ برآمد کر لیا
 جائے گا۔

بعدہ دونوں حاصل ضرب کو دیکھا جائے گا جو حاصل ضرب کم ہو گا اس کے مطابق
 ہر وارث کا حصہ دیا جائے گا اونٹنی حاصل ضرب اور اعلیٰ کے درمیان جو فرق ہو گا اسے
 موقوف رکھا جائے گا تا وقتیکہ ”حمل“ کی وضع حمل سے وضاحت ہو جائے اگر وضاحت کے
 بعد ہر وارث کے موقوف حصے کا حمل مستحق ہو گا تو وہ اسے دے دیا جائے گا اور اگر مستحق نہ
 ہوا تو ہر وارث کا موقوف حصہ اسے دے دیا جائے گا۔ جیسے کوئی متوفی حاملہ عورت بیٹی
 اور والدین چھوڑ جائے تو مسئلہ کی بنیاد

حمل کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں 24 سے ہوگی اور مونث فرض کرنے کی
 صورت میں 27 سے۔

فاذا ضرب وفق احدهما فى جميع الاخر صار الحاصل مائتين وستة عشر اذ على تقدير ذكوره للمراة سبعة وعشرون، وللربوين لكل واحد منهما ستة وثلاثون، وعلى تقدير انوثته للمراة اربعة وعشرون، ولكل واحد من الابوين اثنان وثلاثون، فتعطى للمراة اربعة وعشرون وتوقف من نصيبها ثلثة اسهم ومن نصيب كل واحد من الابوين اربعة اسهم وتعطى للبنت ثلثة عشر سهمًا لان الموقوف فى حقها نصيب اربعة بنين عند ابى حنيفة . رحمه الله تعالى . واذا كان البنون اربعة فنصيبها سهم واربعة اتساع سهم من اربعة وعشرين مضروب فى تسعة فصار ثلاثة عشر سهمًا وهى لها، والباقى موقوف، وهو مائة وخمسة عشر سهمًا

جب ایک مسئلہ کے وفق کو جمع ثانی میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب 216 سے ورثاء کے حصص کی تصحیح ہوگی۔

حمل کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ کی صورت 24 سے ہوگی تو عورت کو 3 ملیں گے، مسئلہ ثانی کے وفق 9 میں ضرب دینے سے عورت کو 27 ملے، اور والدین میں سے ہر ایک کو مسئلہ 24 میں سے 4، 4 ملے، مسئلہ ثانی کے وفق میں ضرب دینے سے 36، 36 ملے اور مسئلہ 27 میں سے عورت کو 3 جب مسئلہ 24 کے وفق میں ضرب دی جائے گی تو اسے 24 ملیں گے، ایسے ہی والدین میں سے ہر ایک کو 32، 32

اب دونوں مسئلوں میں سے جو حصہ کسی وارث کا کم ہو گا وہ اسے دے دیا جائے گا اور باقی حمل کے وضع ہونے تک موقوف رکھا جائے گا، لہذا عورت کو کم حصہ 24 دینے سے 3 بچ جائیں گے اور والدین میں سے ہر ایک کو 32، 32 دینے سے 4، 4 بچ جائیں گے، جو عورت اور والدین کے زیادہ حصے سے موقوف رہیں گے۔

اب چونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں حمل میں 4 بچوں کے وضع ہونے کا امکان ہے، لہذا لڑکی کے حق میں 4 بیٹوں کا حصہ موقوف ہو گا تو لڑکی کو 216 میں سے صرف 13 کا حصہ ملے گا، لہذا

$$[عورت کو = 24]$$

$$[والدین کو 32 + 32 = 64]$$

[اور لڑکی کو = 13]

مجموع الحصص = 101

ورثاء کو حصص دینے کے بعد باقی = 115 حصص حمل کے لئے موقوف ہوں گے۔



فان ولدت بنتًا واحدة او اكثر، فجميع الموقوف للبنات
وان ولدت ابناً واحداً او اكثر، فيعطى للمرأة والابوين ماكان موقوفاً من نصيبهم
فما بقى تضم اليه ثلاثة عشر، ويقسم بين الاولاد.
وان ولدت ولدًا ميتًا فيعطى للمرأة والابوين ماكان موقوفاً من نصيبهم، وللبنات
الى تمام النصف، وهو خمسة وتسعون سهمًا والباقي للاب. وهو تسعة اسهم
لانه عصبه

اب وضع حمل تین صورتوں سے خالی نہیں ہے۔

(۱) اگر وضع حمل میں ایک یا اکثر بیٹیاں پیدا ہوں تو جمیع موقوف مال بے لڑکی کے حصہ کے لڑکیوں میں برابر تقسیم ہو گا۔

یعنی موقوف مال = 115 =

اور لڑکی کا حصہ جمع = 13 =

مجموع الحصة = 128 =

ان میں تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ لڑکیوں کے وضع حمل پر 27 کے مسئلہ کے مطابق ہر ایک کو حصہ پورا پورا مل چکا ہے، لہذا موقوف $128 = 13 + 115$ کے مسئلہ کے مطابق ہی لڑکیوں کا حصہ بنتا ہے، کیونکہ 27 کے مسئلہ میں سے دو یا زیادہ لڑکیوں کا حصہ دو ثلث = 16 ہے، جسے مسئلہ چوبیس کے وفق 8 میں ضرب دینے سے $128 =$ کا حصہ برآمد ہوتا ہے، لہذا موقوف جمیع مال بے 13 جو 128 ہی ہے، لڑکیوں ہی کا حصہ ہے۔

(۲) اگر وضع حمل میں ایک یا زیادہ لڑکے پیدا ہوں تو عورت اور والدین کے حصہ سے موقوف مال۔ یعنی $3 + 4 + 4$ علی الترتیب ان کو واپس کیا جائے گا اور باقی $104 =$ بے لڑکی کے حصہ 13 کے ان میں ”للمذكر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ یعنی $104 + 13 = 117$ لڑکی اور لڑکوں میں تقسیم ہو گا۔

(۳) اور اگر وضع حمل میں مردہ بچہ پیدا ہو تو عورت اور والدین کے حصوں میں سے ان کا موقوف حصہ انہیں واپس دینے کے ساتھ ساتھ بیٹی کو اس کا نصف علی سبیل

الفرضیہ پورا کرنے کے لئے مزید ”95“ دیئے جائیں گے۔ لہذا $108 = 95 + 13$ جو کل مال ”216“ کا نصف ہیں لڑکی کو ملیں گے اور باقی جو 9 بچتے ہیں وہ باپ کو عصبہ ہونے کی حیثیت میں دے دیئے جائیں گے۔ لہذا مجموع مال = 216 کی تقسیم یوں ہوگی۔

زوجہ = 27

والدہ = 36

والد = $36 + 9 = 45$

بنت = 108

مجموع الحصص = 216

”تصریح“

کسی بھی متوفی کے ترکہ کو تقسیم کرتے وقت وارث کی زندگی کا تحقق ضروری ہے اگر موزث کی وفات کے وقت وارث زندہ نہیں تو وہ اس کے ترکہ سے کسی قسم کے حصہ کا بھی وارث نہیں۔

اسی ضابطے کے مطابق جب حمل کو دیکھا جاتا ہے تو وہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے مجہول الوصف والخال ہوتا ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مذکر ہو گا یا مونث، زندہ یا مردہ، ایک بچہ ہو گا یا زیادہ۔ ایسی صورت میں اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی جزا بات اس کی ولادت سے پہلے کہی جاسکتی ہے۔

جب وہ زندہ پیدا ہو گا تو اس کی زندگی کا اعتبار موزث کی وفات کے وقت سے ہو گا اور وہ اس کے ترکہ سے اپنے حصے کے مطابق وارث ہو گا۔ اور اگر وہ مردہ پیدا ہو گا تو اسے مورث کی وفات کے وقت سے معدوم سمجھا جائے گا اور وہ وارث نہ ہو گا۔ جیسے حمل کی زندگی کا یقین ولادت سے قبل محال ہے تبیہ اس کے مذکر یا مونث ہونے کا یقین بھی مشکل ہے لہذا اس کی اس وصف و حال کی جہالت میں مورث کے ترکہ کی تقسیم بھی مشکل اور متعذر ہے۔

لیکن بعض امور اضطراریہ، باقی ماندہ ورثاء کی مصلحت کے لئے ترکہ کی تقسیم کو ضروری قرار دیتے ہیں جن کی بنیاد پر ترکہ کو تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن آخری تقسیم حمل کی ولادت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے حمل کے احکام اور ترکہ کی تقسیم کے

مسائل کو نہایت احتیاط سے بیان کیا ہے۔

فی زمانہ سائنس کی نئی نئی ایجادات کے باعث اگر حمل کی معرفت، اس کی زندگی اور اس کی تذکیر و تانیث نیز بچوں کی تعداد سے واقفیت اور علم ہو جائے تو اس کے مطابق حمل کا حصہ موقوف رکھ لینے پر باقی ماندہ ترکہ کو ورثاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس ضمانت پر کہ اگر آلات سے حاصل کردہ معلومات کے خلاف حمل وضع ہو تو دوبارہ ترکہ کی تقسیم ہوگی اور ورثاء کو اپنے حصص میں کمی بیشی قبول کرنی ہوگی۔

”لارث الحمل شرطان“

شرط اول ”ان یکون موجوداً فی بطن امه وقت وفاة مورثه“ یقیناً پہلی شرط یہ ہے کہ حمل مورث کی وفات کے وقت ماں کے بطن میں یقینی طور پر موجود ہو، جس کا تحقق دو سال کے اندر اندر اس کی زندہ ولادت سے ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ حمل متونی کا ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”لایبقی الولد فی رحم امه اکثر من سنتین ولو بغلکة مغزل“

”یعنی حمل دو سال سے زیادہ ماں کے پیٹ میں نہیں رہ سکتا“

یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں جیسا کہ گزر چکا ہے حمل چار سال بعد بھی وضع ہو سکتا ہے۔

یہی قول مالکیہ کا اور اصح قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے۔

شرط ثانی ”ان ینفصل من بطن امه حیاً“ وذلك لیکون اهلاً للملک“ دوسری شرط یہ

ہے کہ حمل زندہ پیدا ہو کیونکہ اسی صورت میں وہ وراثت کا اہل ہو سکتا ہے۔

اور اس کی زندگی کا علم و معرفت مندرجہ ذیل سے ہو سکتا ہے:

(۱) ولادت کے بعد بچے کا چیخنا۔ (۲) ماں کے پستان سے دودھ پینا۔

(۳) بچے کا رونا۔ (۴) دیر تک سانس لینا۔

(۵) چھینک لگانا۔ (۶) احتاف کے ہاں بچے کی مطلق حرکت جو

اس کی زندگی پر دال ہو۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بچے کی مطلق حرکت اس کی زندگی کے لئے کافی نہیں بلکہ

اتنی طویل حرکت ہونی چاہئے جو اس کی مستقر زندگی پر دال ہو۔ جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا

یہ فرمان ہے:

”اذا استهل الصبی صلی علیہ وورث“ (نسائی، ترمذی)

اور اگر مردہ پیدا ہو، یا بعض مردہ اور بعض زندہ، یا زندہ پیدا ہو لیکن اس کی زندگی مستقر نہ ہو، تو وہ وارث نہیں ہو گا، بلکہ اس کا وجود کالعدم ہو گا۔

”احوال الجنین خمسة“

اول: کسی بھی حالت میں وہ متوفی کے ترکہ کا وارث نہ ہو خواہ حمل مذکر متصور ہو خواہ مونث۔

ثانی: تمام حالتوں میں وہ وارث ہو خواہ مذکر متصور ہو خواہ مونث۔

ثالث: تذکر و تانیث کی دونوں حالتوں میں سے ایک حالت پر وارث ہو اور دوسری پر وارث نہ ہو۔

رابع: دونوں حالتوں میں سے کسی پر بھی اس کی وراثت میں اختلاف نہ پڑتا ہو خواہ مذکر ہو یا مونث۔

خامس: اس کے ساتھ کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔ یا ہو لیکن اس کے باعث محبوب ہو۔

اب ان احوال خمسہ میں سے ہر ایک کا علی الترتیب تفصیلی حکم ملاحظہ فرمائیے:

پہلی حالت میں ترکہ کو مستحقین میں حمل کا انتظار کئے بغیر تقسیم کر دیا جائے گا۔

مثالہ متوفی اپنے پیچھے زوجہ، اب، ام حامل من اب غیر ابیہ (سوتیلے باپ) سے چھوڑ جاتا ہے۔ اس صورت میں حمل اگر زندہ بھی پیدا ہو جائے تو وہ ایک متوفی کا اخیانی بھائی ہو گا جو متوفی کے حقیقی باپ کی موجودگی میں ہر حالت میں محبوب ہو گا۔ لہذا ترکہ زوجہ اور ابویں میں تقسیم ہو گا۔

اصل مسئلہ 4 سے تشکیل پائے گا۔

[زوجہ کو ربع 1]

[ام کو باقی کا ثلث 1]

[اب کو باقی عصوبہ 2]

حالت ثانیہ میں جبکہ حمل جمیع احوال میں وارث ہو لیکن اس کا حصہ ذکورۃ وانوشت کی دونوں حالتوں میں مختلف ہو تو ایسی صورت میں دونوں حالتوں کے مطابق مسائل کی تقدیر

و تشکیل ہوگی اور جس تقدیر میں اس کا حصہ زیادہ ہو گا وہ اس کے لئے موقوف رکھا جائے گا۔

الغرض مسئلہ کو دونوں تقدیروں پر حل کیا جائے گا اور حمل کو جس تقدیر پر زیادہ حصہ ملتا ہو گا وہ موقوف رکھتے ہوئے اقل انصاء باقی ماندہ ورثاء کو دیئے جائیں گے۔ اور ان کے اقل اور اوfer حصص میں جو فرق ہو گا وہ بھی حمل کی وضاحت تک موقوف رہے گا۔

مثالہ متوفی اپنے پیچھے زوجہ حبلی، اب، ام چھوڑ جائے تو اس صورت میں اگر حمل کو مذکر فرض کیا جائے تو وہ متوفی کا بیٹا ہو گا اس لحاظ سے مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہوگی تو [زوجہ کو ثمن 3]، [ماں کو سدس 4]، [باپ کو سدس 4]، اور [بیٹے کو مابقی عصوبہ 13] ملے گا اور اگر حمل کو انثیٰ فرض کیا جائے تو مسئلہ کی تشکیل پھر بھی 24 سے ہی ہوگی، لہذا [زوجہ کو ثمن 3]، [ماں کو سدس 4]، [بیٹی کو نصف 12]، اور [باپ کو مابقی عصوبہ 5] دیا جائے گا۔

پہلی صورت میں حمل کو 13 اور دوسری صورت میں 12، لہذا حمل کے لئے پہلی صورت کا زیادہ حصہ یعنی 13 موقوف رہے گا اور باپ کا 1 حصہ موقوف رہے گا۔ حمل کی وضاحت کے بعد اگر وہ تمام موقوف مال کا حق دار ہوا تو وہ اسے دے دیا جائے گا۔ ورنہ باقی ماندہ موقوف مال اس وارث کو دیا جائے گا جس کے حصہ سے وہ موقوف رکھا گیا ہو گا۔

صورت مذکورہ میں باپ کا 1 حصہ موقوف رکھا گیا حمل کے بیٹی ہونے کی صورت میں یہ اسے واپس کر دیا جائے گا۔

حالت ثالثہ میں ترکہ کو مستحقین میں حمل کو وارث سمجھتے ہوئے تقسیم کر دیا جائے گا اور جنین (حمل) کا حصہ ولادت تک موقوف رکھا جائے گا۔ ولادت کے بعد اگر وہ وارث ثابت ہوا تو موقوف حصہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر وہ وارث ثابت نہ ہوا تو اس کا موقوف حصہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

مثالہ الاول: متوفی اپنے پیچھے زوجہ، عم، زوجہ ان شقیق حامل کو چھوڑ جائے تو اس صورت میں مسئلہ کی تشکیل 4 سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو ربع 1 ملے گا اور مابقی $\frac{3}{4}$ حمل کی ولادت تک موقوف رہے گا۔

اگر حمل لڑکے کی صورت میں ظاہر ہوا تو مابقی $\frac{3}{4}$ موقوف مال بھتیجا ہونے کی

وجہ سے لڑکا وصول کر لے گا اور چچا محبوب ہو گا کیونکہ بھتیجا وراثت میں چچا سے مقدم ہے اور اگر حمل لڑکی کی صورت میں ظاہر ہو تو پھر چچا موقوف مال کا وارث ہو گا کیونکہ لڑکی اس صورت میں بھتیجی ہوگی جو ذودا الارحام میں سے ہے اور چچا اس سے مقدم ہے۔

مثالہ الثانی اگر متوفاة زوج، ام، 3 اخوات لام، زوجہ حامل لاب چھوڑ جائے تو اس صورت میں مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی، تو زوج کو نصف 3، ام کو سدس 1، اخوات لام کو ثلث 2 ملیں گے۔

اگر زوجہ حامل لاب کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ متوفاة کا علاقائی بھائی ہو گا جسے کچھ بھی نہیں ملے گا کیونکہ اصحاب الفروض نے تمام ترکہ سمیٹ لیا اور علاقائی بھائی کے لئے کچھ نہ بچا جو عصبتہ ہے لہذا وہ محبوب رہے گا۔

اور اگر وہ انٹی ”لڑکی“ بنے تو وہ متوفاة کی علاقائی بہن ہوگی جو نصف کی مالک ہوگی۔ اس صورت میں مسئلہ کی تشکیل تو 6 سے ہوگی لیکن عول 9 تک کرے گا۔ لہذا زوج کو نصف 3، ام کو سدس 1، اخوات لام کو ثلث 2، اخت لاب (حمل) کو نصف 3۔

اس صورت میں حمل کے لئے 9 میں سے 3 حمل کی وضاحت تک موقوف رہیں گے اگر وضاحت کے بعد حمل اس کا مستحق ہوا تو وہ اسے دے دیئے جائیں گے۔ نہیں تو ورثاء میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

حالت رابعہ میں جبکہ حمل کا حصہ تذکیر و تانیث کی دونوں حالتوں میں متغیر نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں ترکہ سے حمل کا حصہ محفوظ کرتے ہوئے باقی ماندہ ترکہ باقی ورثاء میں مکمل تقسیم کر دیا جائے گا۔

مثالہ اگر متوفی اخت شقیقہ، اخت لاب، ام حامل من زوج آخر چھوڑ جائے تو حمل کی تذکیر و تانیث کی دونوں حالتوں میں بوجہ اخپانی بھائی یا بہن ہونے کے اسے سدس $\frac{1}{6}$ ہی ملے گا لہذا مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی جس میں سے اخت شقیقہ کو نصف 3، اخت لاب کو سدس تملکۃ للثلاثین 1، ام کو سدس 1، اور حمل کو سدس 1 خواہ حمل اخپانی بھائی کی صورت میں ظاہر ہو یا اخپانی بہن کی صورت میں۔

حالت خامسہ میں جب حمل کے ساتھ دوسرا کوئی انسان وارث نہ ہو یا ہونے کی صورت میں وہ حمل کے باعث محبوب ہو تو ایسی حالت میں تمام ترکہ حمل کی ولادت تک موقوف اور

محفوظ رہے گا۔ اب اگر حمل زندہ پیدا ہو تو تمام موقوف ترکہ اس کا ہو گا اور اگر وہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو پھر جو بھی ورثاء میں سے اس کا مستحق ہو گا اسے دے دیا جائے گا۔

مثالہ متوفی اپنے پیچھے زوجہ ابن لہ حامل، ارخ من ام چھوڑ جاتا ہے تو حمل کا ظہور تذکیر و تانیث میں سے خواہ کسی بھی صورت میں ہو اخیانی بھائی کے لئے حاجب ہو گا کیونکہ وہ میت کی فرع ہے اور فرع اخیانی بن بھائیوں کے لئے حاجب ہے۔

اب اگر حمل کا ظہور تذکیر کی صورت میں ہو تو وہ متوفی کا پوتا ہو گا، لہذا تمام ترکہ کا وہ مالک ہو گا اور اگر اس کا ظہور تانیث کی صورت میں ہو تو پھر وہ پوتی ہونے کی صورت میں نصف ترکہ کی مالک ہو گی اور باقی نصف بھی عصبہ کے نہ ہونے کے باعث بالرد اسی کو دیا جائے گا۔

مثالہ الآخر اگر کوئی انسان وفات کے وقت زوجہ حامل، اور ارخ شفیق چھوڑ جائے تو زوجہ کو ثمن دیا جائے گا لیکن حقیقی بھائی کو حمل کی وضاحت تک کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حمل لڑکے کی صورت میں ظاہر ہو تو ایسی صورت میں حقیقی بھائی وارث نہیں ہو سکتا، لہذا مسئلہ کی تشکیل 8 سے ہو گی جس میں سے زوجہ کو ثمن 1، لڑکے کو باقی عصبہ اور اگر لڑکی کی صورت میں ظاہر ہو تو پھر لڑکی کو نصف علی سبیل الفرض اور باقی حقیقی بھائی کو تعصیباً دیا جائے گا۔

لہذا مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہو گی جس میں سے زوجہ کو ثمن 3، لڑکی کو نصف 12، حقیقی بھائی کو باقی تعصیباً 9

”ملاحظہ“

”الوارث مع الحمل لا یخلو من ثلاث حالات“

حالت اولی حمل ہو نہ ہو، مذکر ہو یا مؤنث، کم افراد پر مشتمل ہو یا زیادہ لیکن وارث کا حصہ تبدیل نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں وارث کو فوراً مکمل اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔ جیسے کوئی انسان اپنے پیچھے سوتیلی والدہ حامل، اخیانی بھائی چھوڑ جائے تو اخیانی بھائی کو ہر حالت میں چھٹا حصہ ملے گا، لہذا اسے بلا انتظار اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

حالت ثانیہ ”ان یوث فی حال دون حال فہذا لا یعطى شیئاً“ یعنی وارث ایک حالت میں تو وارث ہو اور دوسری حالت میں محبوب ہو تو ایسی صورت میں حمل کی وضاحت تک

اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

مثلاً..... متوفی اپنے پیچھے زوجہ حامل، ارخ یعنی یا علاتی چھوڑ جائے تو زوجہ کو ثمن دینے کے بعد باقی $\frac{7}{8}$ موقوف رکھا جائے گا اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ حمل اگر مذکر پیدا ہوا تو بھائی محبوب اور اگر مونث ہو تو باقی کا وارث لہذا مسئلہ کی تشکیل پہلی صورت میں 8 سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو "1" لڑکے کو باقی عصبۃً $\frac{7}{8}$ ، ارخ یعنی محبوب، دوسری صورت میں مسئلہ کی تشکیل 24 سے ہوگی جس میں سے زوجہ کو 3، لڑکی کو نصف 12، یعنی یا علاتی بھائی کو باقی 9۔

حالت ثالثہ..... "ان یختلف میراثہ بحسب التقادیر فہذا یعامل بالاضر" اگر حمل کی میراث مختلف تقادیر پر مختلف ہو تو عمل بالاضر ہو گا وضع حمل کے بعد اگر وہ جمیع موقوف مال کا حقدار ہو گا تو جمیع مال اسے دے دیا جائے گا۔

اگر مال موقوف زیادہ ہو گا تو حمل کے حصے کے بعد باقی مستحقین کو دے دیا جائے گا۔ اور اگر موقوف مال کم ہو تو بقدر نقصان ورثاء سے واپس لے کر اسے پورا کیا جائے گا جیسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے خصاص کی روایت کے مطابق حمل میں جب ایک بچی کا حصہ موقوف رکھا جائے جو نصف کی حقدار ہے لیکن وضع حمل پر ایک کی بجائے دو بچیاں پیدا ہوں جو دو ثلث $\frac{2}{3}$ کی حقدار ہیں۔ تو دو ثلث $\frac{2}{3}$ کو پورا کرنے کے لئے ورثاء سے سدس $\frac{1}{6}$ واپس لیا جائے گا۔



فصل فی المفقود

المفقود حی فی مالہ حتی لا یرث منه احدٌ ومیت فی مال غیرہ حتی لا یرث من احد و یوقف مالہ حتی یصح موته او تمضی علیہ مدۃ
واختلف الروایات فی تلك المدّة ففی ظاهر الروایة: انه اذا لم یبق من اقرانه احد حکم بموته وروی الحسن بن زیاده عن ابی حنیفة - رحمه الله تعالى - ان تلك المدّة مائة وعشرون سنة من یوم ولد فیہ المفقود
وقال محمد - رحمه الله تعالى - مائة وعشر سنین - وقال بعضهم: تسعون سنة وعلیه الفتوی۔

وقال بعضهم: مال المفقود موقوف الی اجتهاد الامام و موقوف الحکم فی حق غیرہ حتی یوقف نصیبہ من مال مورثہ کما فی الحمل فاذا مضت المدۃ فمالہ لورثتہ الموجودین عند الحکم بموته و ما کان موقوفاً لاجلہ یرد الی وارث مورثہ الذی وقف مالہ

”فصل فی المفقود.....“ فقہاء کی اصطلاح میں مفقود ایسے غائب کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں کوئی ایسی خبر معلوم نہ ہو جس سے اس کی موت و حیات کا علم ہو سکے۔
مصنف رحمہ اللہ مفقود کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”المفقود حی فی مالہ.....“ یعنی مفقود اپنے مال مملوکہ میں زندہ تصور ہوتا ہے جس کے باعث کوئی بھی اس کے مال کا وارث نہیں ہو سکتا اور کسی دوسرے انسان کے مال کے حق میں مردہ حتی کہ یہ اس کا وارث نہیں ہو سکتا۔

چونکہ مفقود کی موت و حیات کا کوئی علم نہیں لہذا اس کا مال اس وقت تک ورثاء میں تقسیم سے موقوف رہے گا جب تک کہ اس کی موت کا علم نہ ہو جائے۔ یا اس پر اتنی مدت گزر جائے جس پر اس کی موت کا فیصلہ ممکن ہو۔ اس مدت میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے۔
(۱) ظاہر روایت کے مطابق جب اس کے علاقہ کے ہمعصر نہ رہیں تو اسے بھی مردہ تصور کیا جائے گا۔

(۲) حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ مدت ”120“ سال پر مشتمل ہوگی۔ یعنی یوم ولادت سے تا ”120“ سال۔

(۳) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ”110“ سال تک۔

(۴) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ”105“ سال تک۔

(۵) بعض فقہاء کے ہاں ”90“ سال تک، احناف کے ہاں مفتی بہ یہی مدت ہے۔

(۶) بعض دوسرے اہل علم کے ہاں مفقود کی وفات کا حکم صاحب علم امام کے اجتہاد پر موقوف ہے وہ اپنے اجتہاد کے مطابق جتنی مدت بعد اس کی وفات کا حکم اور فیصلہ دے دے وہ درست ہو گا اور اس کا مال موقوف اس کے موجود ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور وہ غیر سے اپنے حق اور حصہ میں موقوف الحکم ہو گا، یعنی..... اس کے مورث کے مال سے اس کا حصہ موقوف رکھا جائے گا، جیسے حمل کا حصہ موقوف رکھا جاتا ہے۔ اور جب امام کا اجتہاد اس کی موت کی تصدیق کر دے تو اس کا اپنا مال اس کے موجود ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس کے لئے اس کا موقوف حصہ اس کے مورث کے ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا۔

”تصریح“

اہل علم نے مفقود الخیر کے متعلق ذیل کے احکام بیان کئے ہیں۔

(۱) چونکہ مفقود الخیر ”حی فی مالہ“ متصور ہوتا ہے لہذا اس کی بیوی کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

(۲) اس کا مال ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا جب تک اس کی موت و حیاۃ کا معاملہ ظاہر نہیں ہو جاتا۔ یا اتنی مدت گزر جائے جس سے اس کی موت کا ظن غالب حاصل ہو جائے یا پھر قاضی اپنے اجتہاد اور وسائل سے اس کی موت کا فیصلہ صادر فرما دے۔

خیال رہے! اہل علم نے یہاں اس کی زندگی کو استعجاباً تسلیم کیا ہے کیونکہ مفقود الخیر ہونے سے قبل وہ زندہ تھا لہذا اب بھی وہ زندہ ہی ہو گا۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے مفقود کی بیوی کے بارے میں فرمایا: ”ہی المرأة ابتلیت فلتصبر“ لاتنکح حتی یاتیہا یقین موتہ“ یعنی ایسی عورت کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے جب تک کہ اس کے

خاوند کی موت کا یقین ہو جائے۔ موت کے یقین کے بعد اس کا مال ورثاء میں تقسیم ہو سکے گا اور اس کی بیوی کو عقد ثانی کا حق بھی حاصل ہو گا۔
ایسے انسان کی وفات کا حکم صادر کرنے کی مدت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(۱) الاحناف: يعتبرون موت اقرانه الذين في بلده فاذا لم يوجد احد من اقرانه عند ذلك يحكم بموته

حنفیہ نے جیسا کہ ماتن نے ان کے مسلک کی وضاحت کی ہے۔ مفقود الخبر کے علاقہ کے معصروں کا اعتبار کیا ہے جب اس کے علاقہ کے اقران میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہے تو اس کی موت کا حکم صادر کر دیا جائے گا۔ پیچھے گزر چکا ہے۔ احناف کے ہاں اس بارے میں ایک روایت 90 سال کی بھی مروی ہے۔

(۲) ”المالکۃ: ویری الامام المالک ان المدة هی سبعون سنة استفادا لما روی فی الحدیث المشہور اعمار امتی ما بین الستین والسبعین“

امام مالک مفقود الخبر کی موت کا حکم اس کی عمر 70 سال کو پہنچ جانے پر لگاتے ہیں کیونکہ مشہور روایت سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوگی۔

امام مالک سے ایک روایت یوں بھی منقول ہے:

ویروی عنہ ان من فقد فی دار الاسلام وانقطع خبرہ کان لزوجتہ ان ترفع امرها الی الحاکم فیبحث عنہ فی مظنات وجودہ بکل الوسائل التی یمکن بہا معرفة حالہ فان عجز ضرب للزوجة اجلاً وهو اربع سنوات فاذا انتهت اعتدت الزوجة عدة الوفاة وحل لها بعد ذلك الزواج بغيره

یعنی دار الاسلام میں کسی کے مفقود ہو جانے پر اس کی بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا معاملہ عدالت میں پیش کرے اور حاکم کا یہ فرض ہے کہ مفقود الخبر کے بارے میں تمام وسائل کو عمل میں لاتے ہوئے اس کی موت و حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اگر حاکم معرفت سے عاجز آجائے تو پھر اس کی بیوی کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے اگر اس کا خاوند اس دوران نہ آئے تو بیوی کو عدت الوفا گزرنے کے بعد عقد ثانی کی اجازت دے۔

(۳) ”الشافعية: ويرى الشافعي رحمہ ان المدة هي تسعون سنة‘ وهي مدة موت اقرانه. الذين هم في بلده والراي الصحيح عنده ان المدة لا تقدر بزمان المعين‘ بل اذا ثبت لدى القاضي موته فانه يجتهد ويحكم بموته بعد انقضاء المدة التي لا يعيش فوقها غالباً“ امام شافعي رحمہ کا یہ خیال ہے کہ مفقود الخبر کی موت کا حکم صادر کرنے کے لئے اس کی 90 سال کی عمر ضروری ہے اور یہ وہ مدت ہے جس میں غالباً اس کے اقران سے کوئی بھی باقی نہیں رہ سکتا لہذا اس کا بھی زندہ ہونا ناممکن ہو گا۔

لیکن امام شافعی رحمہ کی صحیح رائے یہ ہے کہ اس کی موت کا حکم لگانے کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہونی چاہئے بلکہ یہ قاضی کی رائے اور اجتہاد پر منحصر ہے وہ اپنے اجتہاد سے اس کی موت کا فیصلہ دے۔ لیکن اتنی مدت کے ختم ہونے پر جس سے زیادہ وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۴) ”الحنبلة: ويرى الامام احمد انه اذا فقد في حالة يغلب فيها الهلاك كمن فقد بين صفيين متلاحمين حال نشوب المعركة واشتداد القتال او غرق مركب كان فيها فسلم فيه جماعة وغرق اخرون بحث عنه مدة اربع سنوات‘ فان لم يعثر له على اثر قسم ماله على ورثته بعدها‘ واعتدت زوجته عدة الوفاة‘ وحل لها بعدها الزواج‘ وان فقد في حالة لا يغلب فيها الهلاك كمن خرج لتجارة او سياحة او طلب علم فله رايان:

* انتظار الى مضي تسعين من مولده‘ لان الغالب انه لا يعيش اكثر من ذلك

* تفويض امره الى اجتهد الحاكم‘ ومتى وقع اجتهداده على شيئي حكم به

امام احمد بن حنبل رحمہ کے ہاں جب انسان ایسی حالت میں مفقود ہو جائے جس میں غالب ظن اس کی ہلاکت کا ہو جیسے دشمن کے ساتھ قتال میں یا سمندر کے سفر میں کشتی کے غرق ہو جانے سے جس میں بعض انسان ہلاک ہو گئے ہوں اور بعض زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہوں تو ایسی صورت میں 4 سال تک اس کی تلاش اور جستجو کی جائے گی اگر اس دوران اس کا کوئی پتہ نہ چل سکے تو اس کا مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے اور اس کی بیوی کو عدة الوفاة گزارنے کے بعد عقد ثانی کا حق دیا جائے۔

اور اگر ایسی حالت میں مفقود ہو جائے جس میں اس کی ہلاکت کا ظن غالب حاصل نہ

ہو جیسے تجارت کی غرض سے یا سیاحت اور طلب علم کے لئے گھر سے اس کا نکلنا تو اس میں امام احمد رحمہ اللہ کی دو رائیں ہیں:

(۱) اس کی پیدائش سے 90 سال تک اس کا انتظار کرنا کیونکہ ظن غالب میں اتنی مدت کے بعد اس کا زندہ ہونا ممکن نہیں۔

(۲) اس کا معاملہ حاکم کے اجتہاد پر منحصر ہو گا جب بھی اس کی موت کا حکم صادر کر دے اس کے مطابق عمل ہو گا۔

صاحب الموارث کے خیال میں حنابلہ کی یہ رائے وزنی ہے۔

فقہاء حنفیہ میں سے علامہ زیلعی نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا ہے اور اکثر اہل علم نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے کیونکہ مفقود الخیر کے حالات مختلفہ کا یہی تقاضا ہے کبھی وہ دشمن سے مقابلہ میں مشغول ہوتا ہے، کبھی ڈاکوؤں سے جتلا، کبھی تجارت میں اور کبھی سیاحت و تعلیم میں تو ان حالات مختلفہ میں اس کی موت کا فیصلہ حاکم کی رائے پر چھوڑ دینا زیادہ مناسب اور قرین قیاس ہے۔ تاکہ وہ قرائن اور وسائل کے مطابق مناسب فیصلہ کر سکے۔

خیال رہے! مفقود کی توریت میں ذیل کی دو حالتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:-

(۱) اما ان یکون المفقود یحجب من معہ حجب حرمان

(۲) واما الا یحجب من معہ بل یشارکھم فی المیراث

یا تو مفقود الخیر دوسرے ورثاء کے لئے حجب حرمان ہو گا۔ یا پھر حجب نہیں ہو گا بلکہ دوسرے ورثاء بھی اس کے ساتھ وارث ہوں گے۔ پہلی حالت میں میت کا تمام ترکہ موقوف رہے گا جب تک پتہ نہ چل جائے آیا وہ زندہ ہے یا مردہ۔

اگر اس کی زندگی کا پتہ چل جائے تو وہ تمام مال میت کا وارث ہو گا کیونکہ وہ دوسرے ورثاء کے لئے حجب حرمان ہے۔ انہیں اس کی موجودگی میں کچھ نہیں مل سکتا۔

اور اگر اس کی موت کا علم ہو جائے یا قاضی اس کی موت کا فیصلہ صادر کر دے تو مال کو ورثاء میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۱) مثالہ جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے عینی بھائی، عینی بن اور مفقود بیٹا چھوڑ جائے تو مفقود بیٹا زندہ ہونے کی صورت میں دوسرے ورثاء کے لئے حجب حرمان ہے۔ لہذا متوفی کا

جمع ترکہ بیٹے کی زندگی یا موت معلوم ہونے تک موقوف رہے گا۔

(۲) مثالہ الثانی یا جیسے کوئی متوفی اپنے پیچھے عینی مفقود بھائی، علاقائی بھائی اور دو علاقائی بہنیں چھوڑ جائے تو عینی بھائی چونکہ زندہ ہونے کی صورت میں علاقائی بھائیوں، بہنوں کے لئے حاجب حرمان ہے۔ لہذا تمام ترکہ میت عینی بھائی کی موت و حیات ظاہر ہونے تک موقوف رہے گا۔

مفقود کی دوسری حالت جس میں اس کے ساتھ دوسرے ورثاء بھی وراثت میں شریک ہوتے ہیں انہیں اس کی زندگی اور موت کی دونوں حالتوں میں سے جس حالت میں کم حصہ ملتا ہو گا وہ دیا جائے گا یعنی اقل النصیب جیسے خنثی کو اقل النصیب دیا جاتا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مفقود الخیر کے ساتھ دوسرے ورثاء تین حالتوں سے خالی

نہیں:-

(۱) اگر کوئی وارث ایسا ہے جو مفقود الخیر کی زندگی اور موت کی دونوں حالتوں میں وارث بنتا ہے اور اس کے حصے میں بھی دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو ایسے وارث کو متوفی کے ترکہ سے اس کا مکمل حصہ دے دیا جائے گا۔

(۲) اور اگر کسی وارث کو مفقود کی دونوں حالتوں میں ترکہ میت سے مختلف حصص ملتے ہیں تو ایسے وارث کو اقل النصیب دیا جائے گا۔

(۳) اگر کوئی وارث مفقود کی کسی ایک حالت میں ترکہ میت سے وارث نہیں بنتا تو ایسی صورت میں اسے کچھ نہیں دیا جائے گا تا وقتیکہ مفقود کی زندگی یا موت کا علم ہو جائے مثلاً کوئی آدمی وفات کے وقت بیوی، والدہ، علاقائی بھائی اور عینی مفقود بھائی چھوڑ جاتا ہے تو اس کی بیوی کو $\frac{1}{4}$ ، والدہ کو $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا اور والدہ کا ثلث میں سے $\frac{1}{6}$ موقوف کر لیا جائے گا۔

اور علاقائی بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ عینی بھائی کی موجودگی میں محبوب ہوتا ہے والدہ کا موقوف حصہ اور باقی ترکہ اس وقت تک موقوف اور محفوظ رہے گا جب تک کہ مفقود کی موت و حیات کا علم نہیں ہو جاتا۔ اس کی موت کی صورت میں والدہ کا $\frac{1}{6}$ موقوف حصہ والدہ کو اور باقی موقوف حصہ علاقائی بھائی کو عصبتہ ہونے کی صورت میں دے دیا جائے گا۔ لہذا مسئلہ کی صورت یوں ہوگی۔

ورثاء	بیوی	والدہ	علاقہ بھائی	یعنی مفقود بھائی	والدہ کا موقوف حصہ
	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{6}$	مابقی عصوبہ	x	$\frac{1}{6}$
	3	2	5		2

یعنی مفقود بھائی کی وفات کا علم ہو جانے پر والدہ کا موقوف 1/6 اسے دے دینے سے اس کا ٹلٹ پورا ہو جائے گا اور بیوی نیز والدہ کے حصص کے بعد جو 5 حصے بچیں گے وہ علاقہ بھائی کو عصوبہ دے دیئے جائیں گے۔

اس مثال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ورثاء کی تینوں اقسام مذکورہ موجود ہیں بیوی ایسی وارث ہے جس کا مثال مذکور میں حصہ مفقود کی موت و حیات کی دونوں حالتوں میں برابر رہتا ہے اور والدہ کا مفقود کی دونوں حالتوں میں مختلف اور علاقہ بھائی ایسا وارث ہے جو یعنی مفقود بھائی کی زندگی میں وارث نہیں، لہذا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ جب تک کہ مفقود کی وفات کا علم نہ ہو جائے۔



والاصل فی تصحیح مسائل المفقود: ان تصحیح المسئلة علی تقدیر حیاتہ ثم تصحیح علی تقدیر وفاتہ وباقی العمل ما ذکرنا فی الحمل

اب مصنف رحمہ اللہ مذکورہ تفصیل کے بعد مفقود الخبر کے مسائل کے حل کا ایک ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”الاصل فی تصحیح مسائل المفقود... الخ“ یعنی
اولاً: علی تقدیر الحیاة اس کے مسائل کی تصحیح کی جائے گی۔
ثانیاً: علی تقدیر الوفاة اس کی تصحیح کی جائے گی۔

بعده حیاة ووفات کے مسائل میں نسبت کو دیکھا جائے گا اگر ان کے درمیان نسبت توافق کی ہوگی تو ایک مسئلہ کے وفق کو جمع مسئلہ ثانی میں ضرب دی جائے گی اور اگر ان میں نسبت تباین کی ہوگی تو جمع اول کو جمع مسئلہ ثانی میں ضرب دینے سے دونوں صورتوں میں جو حاصل ضرب آئے گا اس سے دونوں تقدیروں کے مطابق مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔
جس کسی وارث کو مسئلہ وفاة سے جو کچھ حصہ ملتا ہو گا اسے مسئلہ حیاة میں یا اس کے وفق میں ضرب دینے سے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔

اور جس کو مسئلہ حیاة سے جو کچھ مل رہا ہو گا اسے مسئلہ وفاة یا اس کے وفق سے ضرب دے کر اس کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے گا۔

پھر ان دونوں صورتوں میں حاصل ضرب کو دیکھا جائے گا جو ناقص، کم ہو گا وہ حاضر وارث کو دیا جائے گا اور جو اقل سے زائد ہو گا وہ اس وارث کے لئے اس وقت تک موقوف اور محفوظ رہے گا جب تک کہ مفقود الخبر کا ہال موت و حیات کی صورت میں واضح نہ ہو جائے گا۔

مثلاً: ایک متوفاة اپنے پیچھے خاوند، 2 حقیقی بنیں، 1 حقیقی مفقود بھائی چھوڑ جاتی ہے۔

مفقود کو میت فرض کرنے کی صورت میں خاوند کو نصف، اور دو بہنوں کو ثلثان (دو تہائی) ترکہ سے ملے گا۔ لہذا مسئلہ 6 سے تشکیل پا کر 7 تک عول کر جائے گا۔

اور مفقود کو زندہ فرض کرنے کی صورت میں خاوند کو نصف اور دو بہنوں کو ربع ملے گا کیونکہ اصل مسئلہ 2 سے تشکیل پائے گا، جس میں سے نصف یعنی ایک خاوند کو اور باقی ماندہ

ایک دو بہنوں اور ایک بھائی میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔

لیکن ایک دو بہنوں اور ایک بھائی میں مستقیم تقسیم نہیں ہوتا لہذا ایک بھائی اور دو بہنیں جو بمنزلہ چار بہنوں کے ہیں، کے رؤوس اربعہ کو اصل مسئلہ 2 میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب 8 آئے گا اس سے ترکہ کی تقسیم صحیح ہوگی۔ لہذا

خاوند کو نصف 4، دو بہنوں کو 2، اور بھائی کو باقی ”للذکر مثل حظ الانثیین“ 2

اب جبکہ مفقود کو زندہ فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ کی تشکیل 2 سے ہو کر تصحیح 8 سے ہوتی ہے اور اسے میت فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ 6 سے تشکیل پا کر 7 تک عول کرتا ہے تو سابقہ اصولوں کے مطابق 8 اور 7 میں بتاؤں کے پیش نظر جمع اول کو جمع ثانی میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب $56 = 7 \times 8$ آئے گا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

لہذا خاوند کو مسئلہ حیاۃ سے 4 ملتے تھے جب انہیں مسئلہ وفات 7 سے ضرب دی جائے گی تو اسے 56 سے $28 = 4 \times 7$ ملیں گے۔ اور اسے مسئلہ وفاة سے 3 ملتے تھے لہذا انہیں جب مسئلہ حیاۃ 8 میں ضرب دیں گے تو اسے 56 میں سے $24 = 8 \times 3$ ملیں گے۔ لہذا قاعدہ کے مطابق: خاوند کو اقل انصیب 24 دیئے جائیں گے اور زائد 4 موقوف محفوظ کر لئے جائیں گے۔

بہنوں کو مسئلہ حیاۃ سے 2 ملتے تھے لہذا مسئلہ وفاة 7 میں ضرب دینے سے $14 = 7 \times 2$ انہیں ملیں گے۔

اور انہیں مسئلہ وفاة سے 4 ملتے تھے لہذا مسئلہ حیاۃ 8 میں ضرب دینے سے انہیں $32 = 8 \times 4$ ملیں گے۔ لہذا انہیں اقل انصیب 14 دینے کے بعد زائد جو 18 بچیں گے وہ موقوف قرار دیئے جائیں گے۔

خاوند اور دونوں بہنوں کو 56 کی تصحیح سے اقل انصیب کے اعتبار سے $38 = 14 + 24$ دیئے گئے اور باقی 18 موقوف رکھ لئے گئے۔

اب اگر مفقود کی زندگی کا علم ہو جاتا ہے تو خاوند کا موقوف حصہ اسے دے دیا جائے گا لہذا اب خاوند کے $28 = 4 + 24$ حصص جو 56 کا نصف ہیں مکمل ہو جائیں گے اور باقی موقوف حصص میں سے 14 مفقود الخیر بھائی کو جس کی زندگی کا علم ہو چکا ہے دیئے جائیں گے اور یہ 14 حصص دو بہنوں کو دیئے گئے حصص کے برابر ہیں۔ جو ”للذکر مثل حظ الانثیین“

کے اصول کے مطابق ہیں۔

اور اگر مفقود الخبر کی وفاة ظاہر ہو تو بہنوں کے حصے میں سے 18 موقوف انہیں دیئے جائیں گے، لہذا اب ان کے $32 = 18 + 14$ حصص مکمل ہو جائیں گے جو مسئلہ عولیہ کے باعث 56 کا $\frac{4}{7}$ ہیں اور یہی مفقود الخبر کی وفات کی صورت میں ان کا مکمل حصہ ہے۔

مسئلہ کی وضاحتی اشکال و صورت پر ایک نظر

علی تقدیر الحیوة مسئلہ کی تشکیل 2 سے بالآخر 8 سے،

ورثاء

4	1	بالفرضیت،	$\frac{1}{2}$	خاوند کو نصف
1				یعنی بہن
1	1	بالبقی بالعصبۃ،		یعنی بہن
2				یعنی مفقود بھائی

علی تقدیر المماتۃ تشکیل 6 سے بالعول، 7 سے،
56 کی تصحیح سے

4	موقوف	24	3	بالفرضیت،	$\frac{1}{2}$	خاوند کو نصف
9	موقوف	7				یعنی بہن
9	موقوف	7	4	بالفرضیت،		یعنی بہن
		x	x			یعنی مفقود بھائی میت



فصل فی المرتد

اذا مات المرتد علی ارتدادہ، او قتل، او لحق بدار الحرب، وحکم القاضی بلحاقہ فما اکتسبه فی حال اسلامہ فهو لورثتہ المسلمین، وما اکتسبه فی حال ردتہ یوضع فی بیت المال عند ابی حنیفہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وعندہما، الکسبان جمیعاً لورثتہ المسلمین وعند الشافعی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ الکسبان جمیعاً یوضعان فی بیت المال۔

”فصل فی المرتد، اذا مات المرتد علی ارتدادہ....“

ماتن اس فصل میں اسلام سے منحرف ہو جانے والے انسان کا حکم بیان کرتے ہیں۔ اگر منحرف انسان انحراف ہی کی حالت میں مرجائے، قتل ہو جائے یا پھر دار الحرب یعنی دار الکفر میں چلا جائے اور قاضی وقت اس کے چلے جانے کی تصدیق کر دے تو اس کے کمائے ہوئے مال کی وراثت میں مندرجہ ذیل پوزیشن ہوگی۔

(۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اسلام کی حالت میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کی وراثت ہو گا۔

(۲) حالت ارتداد کی حالت میں کمایا ہوا بیت المال کو دیا جائے گا۔

اور صاحبان کے نزدیک دونوں حالتوں کا مکسب اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں دونوں حالتوں کا مال بیت المال کو دیا جائے گا۔ اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ ایک لحاظ سے اسے مال فنی تصور کرتے ہیں اور دوسرے لحاظ سے ضائع شدہ مال لہذا دونوں اعتبار سے ان کے نزدیک اس پر حق بیت المال کا ہو گا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مرتد کی حالت اسلام اور حالت ارتداد کے کسبوں میں فرق ہے کیونکہ ارتداد سے قبل کا کسب بحرہال حالت اسلام کا کسب ہے جو اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہونا چاہئے اور ہالت ارتداد کا کسب حالت کفر کا کسب ہے جس کا ایک مسلمان وارث نہیں ہو سکتا لہذا وہ بیت المال کو دیا جانا چاہئے۔

صاحبین کے نزدیک چونکہ مرتد پر دوبارہ اسلام لانے کے لئے جبر ضروری ہے لہذا اس پر اسلام کے احکام ہی کا نفاذ جاری رہے گا، نیز وہ دونوں حالتوں کے کسب کا مالک ہے، اسی

لئے تو اس کے دونوں قسم کے مکسوب سے اس کے قرضے کی ادائیگی درست ہے۔ لہذا اس کے دونوں مکسوب اس کے مسلمان ورثاء کے لئے ہوں گے۔



وما اكتسبه بعد اللّٰحق بدار الحرب فهو فني بالاجماع وكسب المرتدة جميعاً لورثتها المسلمين بلا خلاف بين اصحابنا واما المرتد فلا يرث من احد لامن مسلم ولا من مرتد مثله وكذلك المرتدة الا اذا ارتد اهل ناحية باجمعهم فحينئذ يتوارثون۔

اور دار الحرب میں چلے جانے کے بعد اس کا مال مڪسوب اگر مسلمانوں کے ہاتھ لگے تو وہ بالاتفاق تمام آئمہ کے ہاں مال فنی ہو گا۔

یہ مذکورہ حکم تو ہوا مرتد کے مال مڪسوب کے بارے میں لیکن عورت مرتدہ کا مال مڪسوب آئمہ احناف کے نزدیک ہر حالت میں اس کے مسلمان ورثاء ہی کو ملے گا۔
”واما المرتد فلا يرث.....“ مرتد اور مرتدہ کسی بھی انسان کے، خواہ وہ مسلمان ہو یا ان جیسا مرتد وارث نہیں بن سکتے، خواہ اس کی وجہ عدم اہلیت ہو، یا جنایت اور ارتداد۔

ہاں اگر تمام اہل محلہ ہی مرتد ہو جائیں تو پھر وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں مرتدہ کا مال مڪسوب ہر حالت میں احناف کے ہاں اس کے مسلمان ورثاء کو اس لئے ملتا ہے کہ مرتدہ کو ان کے ہاں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ ”لانه عليه الصلوة والسلام نهى عن قتل النساء“ نیز ارتداد ایک ایسی جنایت ہے جس کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہے۔ لہذا اس کی جزاء بھی اللہ تعالیٰ ہی قیامت کو دے گا۔ ہاں اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے یا قید ہی میں وفات پا جائے۔

لیکن مرد مرتد کو تائب نہ ہونے کی صورت میں دنیا میں بھی سزا دی جاسکتی ہے کیونکہ اس کی زندگی شر اور کئی قسم کے مفسد خاص کر کفار سے مل کر مسلمانوں کے خلاف حرب و قتال کا خطرہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ بخلاف عورت جس سے اس کی کم توقع ہو سکتی ہے۔ ہاں ملکہ اور صاحب رائے ہونے کی صورت میں اسے بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک نیز امام زہری، نخعی، اوزاعی اور امام حماد رحمہم اللہ کے ہاں مرتدہ کو بھی نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ”من بدل دينه فاقتلوه“ کے عموم کے باعث توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔

احناف کے نزدیک چونکہ مرتدہ کے ارتداد سے اس کے نفس کی عصمت میں کوئی فرق نہیں

پڑتا بلکہ وہ محفوظ رہتی ہے لہذا اس کے مال کی عصمت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، لہذا اس کی دونوں حالتوں کا مکسوب مال اس کے مسلمان ورثاء کے لئے ہو گا۔

ہاں ارتداد سے مطلقہ بائیس ہو جانے کے باعث خاوند کو اس کے ترکہ سے کچھ نہ ملے گا۔

امام سرخسی "سیر الصغیر" میں فرماتے ہیں:-

اگر مرتدہ دار الحرب میں منتقل ہو جائے تو پھر نہ اس کے نفس کی عصمت باقی رہتی ہے اور نہ ہی اس کے مال کی لہذا استرقاق کی صورت میں وہ لونڈی اور اس کا مال فنی یا مال غنیمت ہوگا۔ یہ تو ہوا حکم مرتد اور مرتدہ کے مال مکسوب کا لیکن خود مرتد اور مرتدہ کسی کے ترکہ کے وارث نہیں ہو سکتے۔

ایک تو اس لئے کہ وہ "ارث" جیسے صلہ شرعیہ کے قاتل کی طرح مستحق نہیں ہو سکتے۔

دوسرے وہ ارتداد سے حنفیہ کے ہاں کسی قابل اعتماد ملت پر نہیں رہتے جو وراثت میں ضروری ہے۔ ہاں اگر تمام علاقہ مرتد ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

مرتد اور مرتدہ کی وفات کے بعد ان کے مال مکسوب (ترکہ) کے ورثاء میں احناف کے ہاں اختلاف ہے:-

(۱) امام صاحب سے حسن رحمہ اللہ کی روایت میں ان کے ورثاء وہ لوگ ہوں گے جو ان کے ارتداد کے وقت ان کے وارث ہوں اور ان کی وفات کے وقت وہ زندہ بھی ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی انسان ان کی قرابت میں سے ان کے ارتداد کے بعد پیدا ہو یا اسلام لائے تو وہ ان کے ترکہ میں سے وارث نہ ہو گا۔

(۲) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت میں مرتد کے ارتداد کے وقت کے ورثاء کا اعتبار ہو گا۔ خواہ مرتد کی موت سے قبل ہی ان میں سے کوئی وفات پا جائے۔

بہر حال وارث کی وفات سے اس کے استحقاق وراثت میں کوئی فرق نہ آئے گا اور ایسی صورت میں اس کی وراثت آگے اس کے ورثاء کو ملے گی۔

(۳) امام محمد رحمہ اللہ کی روایت میں ان ورثاء کا حق ہو گا جو مرتد کے قتل یا وفات کے وقت موجود ہوں گے۔ خواہ اس کے ارتداد کے وقت وہ زندہ ہوں یا بعد میں پیدا ہوئے ہوں۔

احناف کے ہاں صحیح مسلک یہی ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ہے۔

فصل فی الأسیر

حکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث مالہ یفارق دینہ، فان فارق دینہ فحکمہ حکم المرتد فان لم تعلم ردتہ ولا حیاتہ ولا موتہ فحکمہ حکم المفقود۔

”فصل فی الاسیر...“ (اسیر) بروزن فعیل مفعول کے معنی میں ہے۔ ہو من اسره العدو مسلماً کان او کافراً والمراد به ههنا المسلم الذی صار فی ایدی الکفار یعنی وہ انسان جسے دشمن گرفتار کر لے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر لیکن یہاں مراد ایک مسلمان انسان ہے۔
”حکم الاسیر“

اسیر اگر اپنے دین پر قائم رہے تو وراثت میں اس کا حکم عام مسلمانوں جیسا ہے اور اگر دین سے ارتداد اختیار کر لے تو پھر اس کا حکم وراثت میں مرتد جیسا ہے۔ اگر اس کے ارتداد، زندگی اور موت کا پتہ نہ چل سکے تو پھر وہ مفقود الخبر کے حکم میں ہے۔ یعنی جیسے مرتد اور مفقود الخبر کے احکام کا ذکر ہو چکا ہے اس کے مطابق اس کی وراثت میں عمل ہو گا۔

”فحکمہ حکم المفقود“ فیکون حیا فی مالہ حتی لایرث منه احد‘ ویوقف مالہ حتی یمضی مدة لا یعیش مثله الیہا ویكون موقوف الحکم فی حق غیرہ حتی یوقف نصیبہ من مال مورثہ“ یعنی اپنے مال میں وہ زندہ متصور ہو گا حتی کہ کوئی بھی اس کے مال کا وارث نہیں بن سکتا۔ اور اس کا مال اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک کہ اس کی وفات کا یقین نہیں ہو جاتا۔ اور غیر سے اپنے حق کی وصولی میں موقوف الحکم ہو گا حتی کہ اس کا حصہ موثر کے مال سے موقوف رکھ لیا جائے گا۔

جیسے کوئی متوفاء اپنے پیچھے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ جائے۔

زوج، ام، بنت، اخت یعنی، اخ اسیر۔ تو مسئلہ علی تقدیر حیاة الاسیر 12 سے تفکیک پائے گا۔ ربع زوج کو 3، سدس ام کو 2، نصف بنت کو 6، باقی اخت یعنی اور اسیر بھائی کو 1، یعنی بہن اور اسیر بھائی کو جو 1 ملا ہے۔ وہ آپس میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کریں گے یعنی ثلث یعنی بہن کو اور دو ثلث اسیر بھائی کو۔

اور قیدی بھائی کی وفات کی صورت میں بھی مسئلہ 12 سے تشکیل پائے گا۔ لیکن عینی بہن اور اسیر بھائی کو جو ایک ملتا تھا وہ اب تمام عینی بہن کو ملے گا۔

خیال رہے اسیر مفقود الخیر کے حکم میں ہونے کے باعث نہ ہی تو اس کا مال و رثاء میں تقسیم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔ جب تک کہ اس کی صحیح صورت (وفات کی شکل میں) سامنے نہ آجائے۔

اگر اس کے ورثاء مال کے لالچ میں اس کے ارتداد کا دعویٰ کریں کہ وہ دار الحرب میں مرتد ہو چکا ہے تو ان کی بات قابل تسلیم نہ ہوگی جب تک کہ دو عادل مسلمان اس کے ارتداد پر شہادت نہ دے دیں۔

شہادت پر قاضی اس کے ارتداد کا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے اس میں اور اس کی بیوی میں علیحدگی نیز اس کے مال کو ورثاء میں تقسیم کرنے کا فیصلہ بھی دے گا۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ سے وہ حکماً میت متصور ہو گا۔

اگر اسیر قاضی کے فیصلہ بلا ارتداد کے بعد گھر پہنچ جائے اور ارتداد سے بھی انکار کرے تو بھی قاضی اپنے فیصلہ کو بدل نہیں سکتا۔ لہذا نہ ہی تو اس کو اس کی بیوی ملے گی اور نہ ہی مال، ہاں وہ مال جو کسی وارث کے پاس بعینہ موجود ہو گا وہ اسے مل سکے گا۔

اگر قاضی دو عادل انسانوں کی شہادت سن لینے کے بعد اسیر کے ارتداد کا حکم دے لیکن وہ مال کی تقسیم سے قبل تائب ہو کر گھر پہنچ جائے اور ارتداد سے بھی انکاری ہو تو وہ اپنے مال کا مالک ہو گا۔ اس کا مال و رثاء میں تقسیم نہ ہوگا۔ لیکن ایسی صورت میں قاضی شہدوں کے تزکیہ کی تحقیق کرے گا۔ اگر وہ عادل ثابت ہو جائیں تو قاضی اس کی بیوی کو اس سے علیحدہ کر دے گا کیونکہ بیوی کی علیحدگی کا حکم نفس ارتداد سے ثابت ہو جاتا ہے۔ خواہ قاضی اس کا فیصلہ نہ بھی دے۔

لیکن اس کی مدبرۃ اور ام ولدہ آزاد نہ ہوں گی کیونکہ ان کی آزادی کا تعلق آقا کی موت سے ہے اور آقا کی موت نفس ارتداد سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ آقا نفس الامر میں نہ وفات پا جائے یا قاضی اس کی موت کا فیصلہ نہ دے دے۔

فَصْلٌ فِي الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَدْمِ

اِذَا مَاتَ جَمَاعَةٌ وَلَا يَدْرِي اِيْهِمْ مَاتَ اَوْ لَا جَعَلُوا كَانَهُمْ مَاتُوا مَعًا فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لَوْرَثَتِهِ الْاَحْيَاءُ وَلَا يَرِثُ بَعْضُ الْاَمْوَاتِ مِنْ بَعْضٍ هَذَا هُوَ الْمَخْتَارُ - وَقَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - يَرِثُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ اِلَّا فِي مَا وَرِثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِنْ صَاحِبِهِ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ----- وَاليه المَرْجِعُ وَالْمَآبِ

”فصل فی الغرقى.....“

جب بیک وقت انسانوں کی ایک جماعت پانی میں غرق ہو جائے یا آگ میں جل جائے یا دیوار اور مکان کے نیچے آگر دب جائے اور مرنے میں ان کا تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو حنفیہ کے نزدیک مختار مذہب میں مرنے والوں میں سے کوئی بھی کسی کا وارث نہ ہوگا بلکہ ہر ایک مرنے والے کے زندہ ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔

لیکن حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ہاں بعض، بعض کے وارث تو ہوں گے، لیکن ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، تاکہ وراثت کی صورت میں اپنے ہی مال کا استرداد لازم نہ آجائے۔

زرا غور کیجئے دنیا کے حوادث کی کس قدر کثرت اور دوسری جانب عبرت حاصل کرنے والوں کی کس قدر قلت، دنیا مصائب سے دوچار ہے حوادث کا مسلسل شکار ہے جن کے دفاع سے انسان اگر بالکلیہ عاجز نہیں تو بعض سے اسے عجز کا اعتراف ہے۔ لیکن مومن ہے جو اپنے ایمان کے سارے تقدیر کو تسلیم کرتا ہے اور ہر مصیبت پر صبر کرتے ہوئے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ کا وظیفہ زبان پر جاری رکھتا ہے۔

دنیا کی کیفیت کیا ہے کم ہنساتی اور مدت رولاتی ہے۔ انسان گاڑیوں، کاروں، سمندری جہازوں، اور ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہے۔ جس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ ہم کس حادثے کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن آنا فنا گاڑیاں، کاریں ٹکرا جاتی ہیں، سمندری جہاز غرق ہو جاتے ہیں اور ہوائی جہاز پہاڑوں اور زمین سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں، جن میں ایک انسان نہیں بلکہ سینکڑوں لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ کبھی کنبے اور بھائیوں، بہنوں کے اکثر

افراد موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور کبھی مکان کے گر جانے سے گھر کے اکثر افراد اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ لہذا انسانی خواہش کے مطابق ایسی مذکورہ صورت میں اس کی میراث کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ ضروری تھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اور اس کی مزید وضاحت یہ ہے:-

(۱) اگر وفات پانے والوں کی ترتیب معلوم ہو جائے تو ہر متاخر وفات پانے والا اپنے سے مقدم متوفی کے ترکہ کا اپنے حصہ کے مطابق وارث ہوگا۔

(۲) اگر تمام کے معا وفات پا جانے کا قطعی علم ہو یا متقدم اور متاخر کا علم نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہو سکیں گے اور یہی فقہاء کا کہنا ہے۔ ”لانواریت بین العرفی والہدی ولا بین الہالکین بحادث“ ہاں ایسی صورت میں ہر متوفی کا ترکہ اس کے اپنے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ جیسے ذیل کی دو مثالوں سے واضح ہے۔

(۱) ایک ہی وقت میں وفات پا جانے والے دو بھائیوں میں سے ایک اپنے پیچھے زوجہ، ام اور عم حقیقی چھوڑ جاتا ہے۔ اور دوسرا ایک لڑکی، پوتی اور ابن عم حقیقی چھوڑ جاتا ہے۔ تو ایسی شکل میں پہلے کی زوجہ کو ربع، ماں کو مالقی کا مثلث اور باقی چچا کو عصوبۃ ملے گا۔ لہذا مسئلہ کی تشکیل 4 سے ہوگی اور ذیل کے حساب سے ترکہ کی تقسیم ہوگی

ورثاء

زوجہ	ام	عم حقیقی
1	1	2

دوسرے کی لڑکی کو نصف، پوتی کو سدس تکملۃ للثینین اور ابن عم کو باقی عصوبۃ ملے گا۔ لہذا مسئلہ کی تشکیل 6 سے ہوگی اور اس کا ترکہ ذیل کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

ورثاء

لڑکی	پوتی	ابن عم
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{6}$	باقی
3	1	2

(۲) زوج، زوجہ اور ان کے دو بیٹے بیک وقت پانی میں غرق ہو کر وفات پا جاتے ہیں زوج کی ایک دوسری زوجہ اور اس سے ایک لڑکا زندہ موجود ہیں جبکہ زوجہ کا ایک بیٹا پہلے زوج سے موجود ہے۔
تمام بیک وقت ہلاک ہونے والے اصحاب الاموال ہیں۔ جن کے مال کی تقسیم قاعدہ کے مطابق اپنے اپنے زندہ ورثاء میں یوں ہوگی۔

متوفی زوج مسئلہ من 8

ورثاء

دوسری زوجہ	ابن منہا
ثمن	مالقی عصبۃ
$\frac{1}{8}$	$\frac{7}{8}$

متوفیہ زوجہ

ورثاء

ابن من غیر الزوج الغریق یہ ہی بیٹا عصبۃ ہونے کی وجہ سے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

دو ہلاک ہونے والے بیٹیوں کے ترکہ کی تقسیم مسئلہ من 6

ورثاء

اخ لام	اخ لایہم
سدس	مالقی عصبۃ
$\frac{1}{6}$	$\frac{5}{6}$



”تجزیۃ الورااث“

کسی بھی وفات پا جانے والے انسان کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت علم طور پر اس کے ذوالا الفروض اور عصبات میں سے مندرجہ ذیل ورثاء ہو سکتے ہیں۔ جن کا انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے، نیز مختلف ورثاء کی معیت میں مختلف حصہ ہوتا ہے۔

”اصحاب الفروض“

- (۱) ام (ماں)
- (۲) دادی اور نانی جس کے انتساب الی المیت میں جد فاسد (نانا) نہ آئے۔
- (۳) بیٹی ایک یا زیادہ۔
- (۴) پوتی ایک یا زیادہ۔
- (۵) یعنی بہن ایک یا زیادہ۔
- (۶) علاقائی بہن ایک یا زیادہ۔
- (۷) اخیانی بہن بھائی ایک یا زیادہ۔
- (۸) زوج (خاوند)
- (۹) زوجہ (بیوی)

”العصبات“

- (۱) بیٹا ایک یا زیادہ۔
- (۲) پوتا ایک یا زیادہ خواہ اس سے بھی نیچے کا کوئی فرد ہو۔
- (۳) باپ
- (۴) دادا خواہ اس سے بھی اوپر کا کوئی فرد ہو۔
- (۵) یعنی بھائی خواہ ایک ہو یا زیادہ۔
- (۶) علاقائی بھائی ایک یا زیادہ۔
- (۷) حقیقی بھائی کا لڑکا ایک یا زیادہ۔
- (۸) علاقائی بھائی کا لڑکا ایک یا زیادہ۔
- (۹) حقیقی چچا
- (۱۰) علاقائی چچا
- (۱۱) حقیقی چچا کا بیٹا
- (۱۲) علاقائی چچا کا بیٹا
- (۱۳) معیت (آزاد کرنوالا)
- (۱۴) عصبة المعیت (آزاد کرنے والے کا اپنا)

عصبة

خیال رہے! اصحاب الفروض وہ ہیں جن کا حصہ قرآن نے متعین کر دیا ہے۔ اور عصبات وہ جو اصحاب الفروض کے نہ ہونے پر یا ہونے کی صورت میں ان کے حصہ کے بعد باقی کے وارث ہوں۔

یعنی حقیقی بہن، بھائی
 علاقائی باپ کی طرف سے بہن، بھائی
 اخپائی ماں کی جانب سے بہن، بھائی

”ذووا الارحام“

ذووا الارحام کی توریث میں صحابہ اور آئمہ کا اختلاف ہے جیسا کہ ان کے بیان میں گزر چکا ہے۔

”ذووا الارحام کی اقسام“

- (۱) پہلی قسم ان ذووا الارحام کی ہے جو میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں، ان میں بیٹیوں کی اولاد، پوتیوں کی اولاد اور آگے ان کی اولاد داخل ہے۔
 - (۲) دوسری قسم ان ذووا الارحام کی ہے جن کی طرف میت منسوب ہوتی ہے۔ ان میں جد ساقط، ماں کا باپ (نانا) اور اس کے آباء اجداد، نیز نانا کی ماں اور اس سے اوپر کی مائیں داخل ہیں۔
 - (۳) الف) تیسری قسم ان ذووا الارحام کی ہے جو میت کے والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔
 - ب) ان میں بہنوں کی اولاد، خواہ بہنیں یعنی ہوں یا علاقائی یا پھر اخپائی، داخل ہے۔
 - ج) اور ہر قسم کے بھائیوں کی بیٹیاں۔
 - د) نیز اخپائی بھائیوں کے بیٹے۔
 - ط) تیسری قسم کے اجزاء کی اولاد جو ان کی وساطت سے میت سے ملتی ہو۔
 - (۴) اس قسم میں وہ ذووا الارحام داخل ہیں، جو میت کے اجداد اور جدات کی طرف منسوب ہوتے ہیں، ان میں ماں کی طرف کے چچے، پھوپھیاں، اخپائی چچوں کی بیٹیاں اور بیٹے اور ماموں نیز خالائیں، اور ان سب کی اولاد داخل ہے۔
- ذووا الارحام کی توریث کے قائلین کی دلیل:
- ”اولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ“

۲۔ ”للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقرابون..... الخ“

نیز آپ کا ایک فرمان ”الحال وارث من لا وارث له“ (الموارثتہ صفحہ ۱۷۲) لہذا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ذوا الارحام کی توریث علی سبیل القرابتہ ترتیب مذکور کے مطابق ہوگی۔ یعنی پہلی قسم دوسری پر رائج اور دوسری تیسری پر، اور تیسری چوتھی پر، توریث کے قائلین کا مذہب، مذکورہ ادلہ کے علاوہ اس لئے بھی قابل ترجیح ہے کہ

بیت المال کو مال دینے والوں کے نزدیک ”بیت المال“ کے بارے یہ شرط ہے کہ وہ منظم ہو اور اس میں عدل وانصاف کو پیش نظر رکھا جاتا ہو، اور اس کا کوئی عادل مشرف، ناظم ہو، ظاہر ہے کہ ایسا بیت المال دنیا میں کہاں؟

اسی لئے متاخرین مالکیہ اور فقہاء شافعیہ نے تیسری صدی ہجری میں یہ فتویٰ صادر کیا کہ بیت المال سے بہتر متوفیٰ کے ذوا الارحام ہیں۔ اور یہی نظریہ ان کے ہاں بھی آج مفتی بہ ٹھہرا۔

نیز اس لئے بھی ذوا الارحام بیت المال سے بہتر ہیں کہ وہ بیت المال میں دوسروں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن دوسرے لوگ، ذوا الارحام کے وارث بنائے جانے کی صورت میں، ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوا الارحام وراثت میں، بیت المال میں شریک ہونے والے دوسرے لوگوں سے اقویٰ ہیں، لہذا ان کی موجودگی میں بیت المال کو مال کیسے دیا جا سکتا ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ذوا الارحام، ذوا الفروض اور عصباء کے نہ ہونے پر وارث ہیں، لیکن علی سبیل التنزیل، یعنی جو کچھ ان کے آباء واجداد کے حصہ میں آئے گا وہ انہیں ملے گا خواہ درجہ میں کوئی اقرب ہو یا البعد۔

ذوا الارحام کی توریث کی نفی کرنے والوں کی بھی کچھ دلیلیں ہیں لیکن کمزور لہذا رائج صورت ان کی توریث ہی کی ہے۔

”فائدہ“

ذوا الارحام کی چاروں اقسام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ عورتیں ہیں یا وہ مرد جو عورتوں کی وساطت سے میت تک ملتے یا منسوب ہوتے ہیں۔

”حصص اصحاب الفروض“

- (۱) ماں کو بیٹیوں، پوتیوں، یعنی بہنوں بھائیوں، علاقائی بہنوں بھائیوں اور ماں کی طرف سے بہنوں بھائیوں نیز بیٹیوں اور پوتوں کی موجودگی میں جمیع مال کا سدس (چھٹا) حصہ ملتا ہے۔ باقی کسی بھی وارث کی موجودگی میں خواہ وہ اصحاب الفروض سے ہو یا عصبات میں سے اسے ثلث (ایک تہائی) مال سے کم نہ ملے گا۔ ہاں باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ اسے باقی کا ایک تہائی مال ملے گا۔
- (۲) جدۃ صحیحہ کو خواہ وہ نانی ہو یا دادای سدس (چھٹا) حصہ جمیع مال میت سے ملے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ دوسری جدۃ صحیحہ بھی ہو تو دونوں کو سدس مشترکہ طور پر ملے گا۔ اور ماں کی موجودگی میں دونوں قسم کی جدۃ صحیحہ حصے سے محروم ہوں گی۔ اور دادایاں باپ دادا کی موجودگی میں بھی محروم ہو جائیں گی۔ مگر وہ دادی جو دادا کی وساطت سے میت کی طرف انتساب نہ رکھتی ہو وہ وارث ہوگی۔ جیسے دادا کی بیوی۔ باقی تمام ورثاء میں سے کسی کی موجودگی میں وہ جمیع مال کے سدس سے کم کی حصہ دار نہ ہوگی۔
- (۳) بیٹی کا جمیع مال متوفی سے نصف حصہ ہے اور اگر بیٹیاں ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی مال ان میں مشترکہ ہو گا اور اگر ساتھ کوئی بیٹا بھی ہو تو پھر ان میں اصحاب الفروض کے حصص کے بعد باقی ”للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی لڑکی سے لڑکے کو دو گناہ ملے گا اور لڑکی کو اس سے نصف۔ باقی تمام ورثاء میں سے کسی کی بھی موجودگی میں ایک بیٹی کو نصف اور اگر دو یا زیادہ ہوں تو دو تہائی مال انہیں ملے گا۔
- (۴) بیٹی کی عدم موجودگی میں ایک پوتی کو جمیع مال متوفی سے نصف اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی اور اگر ساتھ پوتا بھی ہو تو پھر بیٹے بیٹیوں کی طرح ”للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی لڑکے کو لڑکی سے دو گناہ اور اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو پھر پوتی کو ایک ہو یا زیادہ سدس تملکۃ للثثین ملے گا۔ اگر بیٹیاں دو یا زیادہ ہوں یا ایک بیٹا تو پھر وہ محبوب و محروم ہوں گی۔ باقی تمام ورثاء میں سے کسی کی بھی موجودگی میں ایک پوتی کو ایک بیٹی کی مانند نصف اور دو کو دو تہائی مال ملے گا۔
- (۵) اگر متوفی کی صرف ایک یا ایک سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو ایک کو جمیع مال سے

نصف اور ایک سے زیادہ کو دو تہائی مال ملے گا۔ اگر میت کی ایک یا زیادہ بیٹیاں اور پوتیاں بھی ہوں تو پھر انہیں حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہنوں کو ”اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة“ کے اصول کے مطابق عصبتہ کی حیثیت میں ملے گا۔

ماں اور جدہ صحیحہ کی موجودگی میں ایک بہن کو نصف اور دو یا زیادہ کو ثلثان یعنی دو تہائی مال حاصل ہو گا۔ یعنی بھائی کی موجودگی میں ”للذكر مثل حظ الانثیین“ یعنی بھائی کو بہن سے دو گناہ ملے گا۔ بیٹے، پوتے اور باپ کی موجودگی میں بہنیں محبوب عن الوراثة ہوں گی۔ یعنی انہیں کچھ نہ ملے گا۔ دادے کی موجودگی میں ان کی وراثت میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ انہیں کیا کچھ ملے گا۔ باقی ماندہ وراثہ میں سے کسی کی موجودگی میں اگر ایک بہن ہوگی تو اسے نصف اور اگر زیادہ ہوں گی تو انہیں تمام مال سے دو تہائی ملے گا۔

(۶) علاقائی بہنوں کی وراثت اور عدم وراثت میں کیفیت وہی ہے جو حقیقی بہنوں کی، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک یعنی بہن کی موجودگی میں انہیں سدس (چھٹا) حصہ ملے گا جبکہ دو حقیقی بہنوں یا ایک حقیقی بھائی کی موجودگی میں وہ وراثت سے محبوب یعنی محروم ہوں گی۔

(۷) اخیانی بہن بھائی۔ ایک ہو تو چھٹا، زیادہ ہوں تو ایک ثلث کے جمیع مال میت سے وارث ہوں گے۔ ایک یا زیادہ بیٹیوں، بیٹوں، پوتیوں، پوتوں، باپ اور دادا کی موجودگی میں یہ محبوب عن الوراثة یعنی حصہ سے محروم ہوں گے۔

باقی اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کسی کی بھی موجودگی میں اگر اخیانی بہن بھائی ایک ہو تو اسے چھٹا حصہ اور اگر زیادہ ہوں تو جمیع مال متوفی سے انہیں ایک تہائی ملے گا۔ جو بہنوں، بھائیوں میں برابر تقسیم ہو گا۔

(۸) خاوند کو میت کی اولاد بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں اور پوتیوں کی موجودگی میں ربع $\frac{1}{4}$ جمیع مال میت سے ملے گا اور اگر یہ نہ ہوں تو نصف مال ملے گا۔ باقی وراثہ میں سے کسی بھی موجودگی میں اسے نصف سے کم نہ ملے گا۔

(۹) بیوی ایک ہو یا زیادہ بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں اور پوتیوں کے ساتھ اسے ثمن $\frac{1}{8}$ جمیع مال سے ملے گا اور اگر یہ نہ ہوں تو ربع $\frac{1}{4}$ ملے گا۔ اگر بیویاں زیادہ ہوں تو یہی حصہ ثمن یا ربع ان میں برابر برابر تقسیم ہو گا۔ باقی وراثہ میں سے کسی کی بھی موجودگی میں بیوی کو ربع $\frac{1}{4}$ ضرور ملے گا۔

”حصص العصبات“

(۱) عصبات میں سے اگر ایک بیٹا یا زیادہ ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے ساتھ متوفی کی ماں، جدہ صحیحہ یا اس کی بیوی اور اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کا خاوند یا باپ دادا میں سے اگر کوئی موجود ہو تو ان کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ تمام کا تمام ایک لڑکے کا اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سبھی کا ہو گا اور اگر ان کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوں تو پھر باقی ان میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ باقی ورثاء میں سے کوئی وارث بیٹے کی موجودگی میں وارث نہ ہو گا۔

(۲) حقیقی پوتا ایک ہو یا زیادہ۔ اگر اس کے ساتھ متوفی کی ایک بیٹی یا زیادہ اس کی ماں یا جدہ صحیحہ یا میاں بیوی سے کوئی یا باپ دادا موجود ہوں تو اسے ان مذکورہ ورثاء کو دینے کے بعد جو بچے گا دیا جائے گا۔ اگر پوتے کے ساتھ پوتی بھی ہو تو وہ آپس میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم کریں گے۔ اور بیٹے کی موجودگی میں پوتے محروم ہوں گے۔ باقی ماندہ ورثاء میں سے کسی کی بھی موجودگی میں پوتے پوتوں کو جمع مال ملے گا۔

(۳) باپ۔ اگر اس کے ساتھ متوفی کی بیٹی ایک یا زیادہ یا پوتی ایک یا زیادہ ہوں تو اسے جمع مال کا چھٹا حصہ اور اس کے علاوہ ورثاء سے جو کچھ بچے گا دیا جائے گا۔

ماں اور احد الزوجین کی موجودگی میں ان کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ تمام کا تمام باپ کو ملے گا۔ بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں صرف چھٹا حصہ مال سے ملے گا، باقی کسی بھی وارث کی موجودگی میں باپ کو کل مال ملے گا۔

(۴) دادا۔ پردادا۔ بیٹی، بیٹیوں، پوتی پوتیوں کی موجودگی میں جمع مال کا چھٹا حصہ اور ورثاء کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا دیا جائے گا۔ ماں اور احد الزوجین کے ساتھ ان کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بھی بچے گا اسے دیا جائے گا۔ بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ کی طرح اسے چھٹا حصہ ملے گا۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا پر دادا محروم عن الوراثۃ رہے گا۔

یعنی بہن بھائیوں اور علاقائی بہن بھائیوں کی موجودگی میں دادا پر دادا کی وراثت میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ اسے کیا کچھ ملنا چاہئے۔ باقی کسی بھی وارث کی موجودگی میں خواہ وہ

اصحاب الفرائض سے ہو یا عصابات میں سے دادا کو جمع مال ملے گا۔

(۵) یعنی بھائی - متونی کی بیٹی، بیٹیوں، پوتی پوتیوں، ماں، جدۃ صحیحہ، اخیانی بہن بھائیوں اور احد الزوجین کے ساتھ ان کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ اسے ملے گا۔ اگر اس کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو باقی ان میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے مطابق تقسیم ہو گا۔ اور اگر دادا ہو تو پھر مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ اسے کیا کچھ ملنا چاہئے؟ بیٹے، پوتے اور باپ کی موجودگی میں حقیقی بھائی وراثت سے محروم ہوں گے۔ باقی کسی بھی وارث کے ہوتے ہوئے وہ جمع مال میت کے وارث ہوں گے۔

(۶) باپ کی طرف سے بھائی - اسے بیٹیوں، پوتیوں، ماں، جدۃ صحیحہ، حقیقی بہنوں، اخیانی یعنی ماں کی طرف سے بہن بھائیوں اور احد الزوجین کی موجودگی میں باقی یعنی باقی ماندہ مال ملے گا۔ اور اگر ساتھ بہنیں بھی ہوں تو باقی ماندہ مال ان میں ”للذکر مثل حظ الانثیین“ تقسیم ہو گا۔ دادے کے ساتھ ان کی وراثت میں اختلاف ہے۔ متونی کے بیٹے، پوتے، باپ اور حقیقی بھائی کی موجودگی میں اسے کچھ نہ ملے گا، وہ محروم رہے گا۔ خواہ علاقائی بھائی ایک ہو یا زیادہ۔ باقی ورثاء میں سے کسی کی بھی موجودگی میں اسے تمام تر مال متروکہ ملے گا۔

(۷) حقیقی بھائی کا بیٹا - متونی کی بیٹی بیٹیوں، پوتی پوتیوں، ماں، جدۃ صحیحہ، حقیقی بہن، بہنوں، باپ کی طرف سے بہن، بہنوں، ماں کی طرف سے بہن بھائی ایک یا زیادہ اور زوجین میں سے کسی ایک کی موجودگی میں اسے ان مذکورہ ورثاء کے حصص سے بچا کچھ ملے گا۔ متونی کے بیٹے، پوتے، باپ، دادا، حقیقی باپ یا باپ کی طرف سے بھائی کی موجودگی میں وہ وراثت سے محبوب یعنی محروم ہو گا۔ باقی ماندہ ورثاء میں سے کسی کی بھی موجودگی میں وہ جمع مال متروکہ کا مالک ہو گا۔

(۸) باپ کی طرف سے بھائی کا بیٹا - اس کی بھی وراثت میں وہی کیفیت ہے جو حقیقی بھائی کے بیٹے کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حقیقی بھائی کے بیٹے کی موجودگی میں بھی وراثت سے محروم ہو گا۔ کیونکہ حقیقی بھائی کا بیٹا اس سے قرابت میں قوی تر ہے۔

(۹) حقیقی چچا - اس کی بھی وراثت میں وہی کیفیت ہے جو حقیقی بھائی کے بیٹے کی فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حقیقی بھائی اور باپ کی طرف سے بھائی کی موجودگی میں بھی

وراثت سے محروم ہو گا اور باپ کی طرف سے بھائی کے بیٹے سے اس کا فرق یہ ہے کہ چچا اس کی موجودگی میں بھی وارث نہیں۔

(۱۰) باپ کی طرف سے چچا۔ اس کی وراثت کی کیفیت حقیقی چچا کی وراثت کی مانند ہے ' فرق صرف اتنا ہے۔ کہ یہ حقیقی چچا کی موجودگی میں بھی وارث نہیں ہوتا۔

(۱۱) حقیقی چچا کا بیٹا۔ اس کی وراثت باپ کی طرف سے چچا کی مانند ہے فرق یہ ہے کہ باپ کی طرف سے چچا کی موجودگی میں بھی یہ وارث نہیں۔

(۱۲) باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا۔ وراثت میں اس کی کیفیت حقیقی چچا کے بیٹے کی طرح ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حقیقی چچا کے بیٹے کی موجودگی میں بھی وارث نہیں۔

(۱۳) المعق۔ وراثت میں اس کی بھی کیفیت وہی ہے جو علاقائی یعنی باپ کی طرف سے چچا کے بیٹے کی فرق صرف اتنا ہے کہ علاقائی چچا کے بیٹے کی موجودگی میں یہ متونی کا وارث نہیں۔

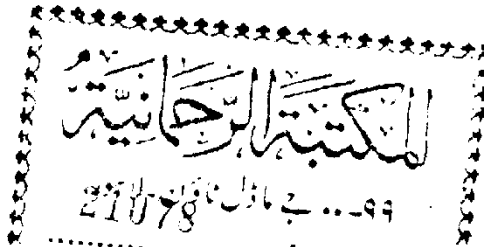
(۱۴) عصبة المعق۔ اس کی وراثت میں پوزیشن وہ ہے جو معق کی لیکن معق کی موجودگی میں بھی یہ وارث نہیں۔

تم التصريح بتوفيقه تعالى و آخر دعونا أن الحمد لله رب العلمين
وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین



عبد الفرائضی

www.KitaboSunnat.com



اطلاع عام

● زیر نظر کتاب مسائل وراثت میں ایک مفصل، عام فہم اور آسان کتاب ہے جس میں، متوفی کے ترکہ میں سے اس کے کفن و دفن، قرضے کی ادائیگی، وصیت پر عمل سے لیکر، اصحاب الفروض (جن کے حصص کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور ان کے حصص، عصبات کی اقسام اور ان کے حصص نیز انکی علی الترتیب متوفی کے ترکہ (مال) میں وراثت کی تقسیم کا ذکر وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

● اور ان دونوں میں سے کسی وارث کے نہ ہونے پر، جن ائمہ کے نزدیک زووالارحام وارث ہیں، ان کی بالترتیب اصناف اور انکی وراثت کے ذکر سے بھی یہ کتاب خالی نہیں ہے۔

● بچے کو بچی سے دو گنا کیوں ملتا ہے؟ جہات مختلفہ سے ایک انسان کی وراثت، مسئلہ عول، تصحیح کے قواعد، مفقود الخبر، ارتداد نیز دیگر اہم مسائل کا بیان بھی اس میں مذکور ہے۔

● اس کی تصریحات سے صرف اسلامی جامعات کے طلباء ہی مستفید نہ ہونگے بلکہ بفضلہ، یونیورسٹیوں، کالجوں، سکولوں کے پروفیسر حضرات اور طلباء نیز دیگر تعلیم یافتہ طبقہ بھی برابر مستفیض ہوگا۔

● تھوڑی سی توجہ رکھنے والا انسان، معمولی سی توجہ کے ساتھ اس کے مطالعہ سے وراثت کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

● قدرتی طور پر کبھی عمر رسیدہ انسان سوچتا ہے کہ میری وفات کے بعد میرے ترکہ (مال) کا کون کون وارث ہوگا؟ تو کبھی نوجوان کہ مجھے متوفی کے ترکہ سے کیا کچھ ملے گا؟

● الغرض، یہ کتاب ہر طبقہ کے اہل علم کے لئے ایک مفید کتاب ہے، جو وراثت کے مسائل کو سمجھنے کے لئے اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

● کتاب کے آخر میں ”تجزیۃ الوراثت“ کے عنوان سے کسی بھی متوفی کے اصحاب الفروض، عصبات اور زووالارحام کا ذکر، نیز ان کے حصص کی ایک مختصر فہرست دے دی گئی ہے، جس سے ورثاء اور ان کے حصص کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔